ملتِ اسلام
کی
محسن شخصیات

مُصنّفہ

عارف باللہ، مولانا حکیم محمد اسلام انصاری دامت برکاتہم

خلیفۂ ارشد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ شہر

ملتِ اسلام کی محسن شخصیات

تصنیف

شیخ طریقت عارف باللہ

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری دامت برکاتہم

خلیفۂ اجل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ شہر یوپی

نام کتاب ـــــــ ملت اسلام کی محسن شخصیات

مصنف ـــــــ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری دامت برکاتہم

اشاعت اوّل ـــــــ سنہ ۱۹۹۹ء ایک ہزار

اشاعت دوم ـــــــ سنہ ۲۰۰۲ء ایک ہزار

صفحات ـــــــ ۳۲۸

قیمت ـــــــ -/۸۰ روپئے

ملنے کا پتہ

جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ شہر

Zainul Abedin, M.K. Printers, Delhi-6 Ph : 3245136, 9810093901

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۱	عرض ناشر	۷
۲	مقدمۃ الکتاب	۸
۳	تقریظ	۱۷
۴	تکریمی کلمات	۲۰
۵	تمہیدی کلمات	۲۷
۶	امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ	۴۳
۷	حضرت خواجہ محمد معصوم الملقب بہ عروۃ الوثقیؒ	۷۱
۸	حضرت خواجہ سیف الدین سرہندیؒ	۷۲
۹	سید نور محمد بدایونیؒ	۷۳
۱۰	مرزا مظہر جان جاناںؒ	۷۳
۱۱	حضرت غلام علی بٹالویؒ	۷۳
۱۲	حضرت شاہ ابو سعیدؒ	۷۴
۱۳	شاہ عبدالرشید صاحبؒ، شاہ محمد مظہر صاحبؒ، شاہ محمد عمر صاحبؒ	۷۵
۱۴	حضرت شاہ عبدالغنیؒ	۷۶
۱۵	حضرت خواجہ محمد نقشبند المعروف بہ حجۃ اللہؒ	۷۷
۱۶	حضرت خواجہ محمد زبیر صاحبؒ	۷۸
۱۷	حضرت خواجہ ضیاء اللہ صاحبؒ	۷۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۱۸	حضرت شاہ محمد آفاق صاحبؒ	۷۹
۱۹	سلسلۂ احسنیہ کے بانی حضرت سید آدم بنوریؒ	۸۰
۲۰	حافظ سید عبداللہ اکبر آبادیؒ	۸۲
۲۱	امام ربّانی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۸۴
۲۲	حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ	۹۹
۲۳	تحریک ولی اللّٰہی کے علمبردار	۱۳۱
۲۴	سراج الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلویؒ	۱۳۲
۲۵	مفسر قرآن شاہ رفیع الدین دہلویؒ	۱۴۳
۲۶	امام المفسرین شاہ عبدالقادر دہلویؒ	۱۴۸
۲۷	امام المتقین شاہ عبدالغنی دہلویؒ	۱۵۴
۲۸	مجاہد اسلام شاہ محمد اسمٰعیل صاحب دہلویؒ	۱۵۷
۲۹	محدث ہند شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ	۱۵۹
۳۰	بطل جلیل مصلح اعظم سید احمد شہیدؒ	۱۶۱
۳۱	حضرت مولانا مفتی صدرالدین صاحب آزردہؒ	۱۶۳
۳۲	محدث وقت مولانا مملوک علی نانوتویؒ	۱۶۴
۳۳	اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ	۱۶۵
۳۴	ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ علامہ فضل حق خیرآبادیؒ	۱۶۷
۳۵	امام الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ	۱۶۹
۳۶	حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ دہلوی	۱۷۱
۳۷	محشی بخاری حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ	۱۷۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۳۸	قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح	۱۷۵
۳۹	حجۃ الاسلام بانی دار العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح	۱۷۸
۴۰	قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح	۱۹۶
۴۱	حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رح	۱۹۹
۴۲	مناظر اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح	۲۰۰
۴۳	حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح	۲۰۱
۴۴	حضرت مولانا محمد علی مونگیری رح	۲۰۳
۴۵	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رح	۲۰۸
۴۶	رئیس الاتقیاء حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری	۲۱۰
۴۷	حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رح مہتمم ثالث دار العلوم دیوبند	۲۱۲
۴۸	حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح	۲۱۶
۴۹	محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح	۲۱۹
۵۰	شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح	۲۲۲
۵۱	محدث عصر علامہ ظہیر احسن شوق نیموی رح	۲۲۴
۵۲	امام الاتقیاء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا اختر شاہ خانصاحب امروہوی رح	۲۳۰
۵۳	قطب الارشاد حضرت شاہ عبد الرحیم رائپوری رح	۲۲۶
۵۴	مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رح	۲۲۸
۵۵	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح	۲۴۵
۵۶	مؤرخ اعظم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح	۲۴۷
۵۷	حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رح	۲۴۹
۵۸	بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح	۲۵۱

صفحات	عنوانات	نمبر شمار
۲۵۴	مورخِ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رح	۵۹
۲۵۷	مصلحِ امت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رح	۶۰
۲۵۹	حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رح	۶۱
۲۶۰	مفسرِ قرآن حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رح	۶۲
۲۶۲	ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رح	۶۳
۲۶۴	حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رح	۶۴
۲۶۶	حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی صاحب رح	۶۵
۲۶۸	حضرت مولانا عبید اللہ سندھی صاحب رح	۶۶
۲۶۹	حضرت مولانا عبد القادر رائپوری رح	۶۷
۲۷۱	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رح	۶۸
۲۷۳	محدث جلیل حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی رح	۶۹
۲۷۵	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح	۷۰
۲۹۰	حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رح	۷۱
۲۹۲	جنیدِ وقت حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رح	۷۲
۲۹۶	مفکرِ ملت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رح	۷۳
۲۹۹	مجاہدِ ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رح	۷۴
۳۰۳	مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی رح	۷۵
۳۰۸	مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب رح	۷۶
۳۱۰	امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رح	۷۷
۳۱۳	شیخ الامت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رح	۷۸
۳۱۶	استاذ الاساتذہ حضرت علامہ محمد حسین بہاری رح	۷۹
۳۱۹	فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رح	۸۰
۳۲۱	حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلوی رح	۸۱
۳۲۲	فقیہ ملت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رح	۸۲

عرضِ ناشر

حصولِ سعادت کے مختلف طریقے ہوتے ہیں لیکن میرے لئے نہایت خوش قسمتی اور نیک بختی ہے کہ اپنے استاذ، پیر و مرشد، مربی و محسن، شیخ طریقت عارف باللہ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری صاحب دامت برکاتہم کی تازہ ترین تصنیف "ملت اسلام کی محسن شخصیات" کی طباعت واشاعت کے ذریعہ سعادت مندی کا موقعہ میسر آیا۔

قبل ازیں ماضی قریب میں حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی دو کتابیں (منبع الصالحات اور درس مسلم) کی طباعت واشاعت کی سعادت نصیب ہوئی اور یہ دونوں کتابیں منظر عام پر آکر مقبول عام وخاص ہو چکی ہیں۔

اس وقت حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کی تازہ ترین تصنیف "ملتِ اسلام کی محسن شخصیات" پیش خدمت ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے شرف قبولیت بخشے، حتی الامکان معیاری زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور تصحیح کا بھی پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے تاہم یہ حسرت باقی رہی کہ کتاب جس شان سے آنی چاہئے اس کا حق ادا نہ ہو سکا۔

قارئینِ کرام دورانِ مطالعہ اگر کوئی بات اصلاح طلب محسوس فرمائیں تو ناشر کو مطلع فرمائیں انشاءاللہ تہہ دل سے شکر گذار ہوگا۔ اور آئندہ اس کی تلافی کیجائیگی

(الحاج) محسن اختر
سجنا والے، دریا گنج میرٹھ

مقدمۃ الکتاب

ملّت اسلام کی محسن شخصیات

جانشین حکیم الاسلام خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب
دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

تکمیل انسانیت کیلئے اللہ رب العزت کا وہ فطری نظام کہ جو تدریجی رفتار سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس واسطوں سے آتا رہا، اور انسان کی ترقی پذیر فطرت کے ساتھ مراحل ارتقا طے کرتا رہا ہے یہاں تک کہ خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کے ساتھ انسانیت نے بھی علمی فکری اور عملی ترقی کے جملہ مراحل طے کرلئے اور اب وہ اس قابل ہوگئی تھی کہ تکمیل انسانیت کے تمام جزو کل پر محیط اس نظام کامل کا تحمل کرسکے کہ جس کا بے نہایت سرچشمۂ علم صرف "قرآن کریم" ہے اور منبع فکر و عمل صرف سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس کے حتمی معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم سے تعلق میں اضمحلال کا نتیجہ فقدان علم ہے اور سنت رسول اللہ سے ارتباط میں ضعف و کمزوری کا ثمرہ فکر سلیم اور عمل صالح سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس لئے "ختم نبوت" کے عقلی اور فطری تقاضے کے مطابق بلافصل ہر دور میں عالمین علوم قرآن اور عاملین سنت رسول اللہ کی معتد بہ تعداد سے ہمیشہ باقی رہنے والی یہ "امت محمدیہ" نہ ماضی میں کبھی محروم رہی اور نہ انشاء اللہ مستقبل

ہیں کبھی محروم ہو گی، اس لئے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ملت اسلام کا سب سے قیمتی سرمایہ درحقیقت یہی سراپا علم و عمل شخصیات ہیں کہ جو عملاً کتاب و سنت کی علمی مرادات کی صحیح ترجمان بنتی رہی ہیں، وہ بزرگان ملت ہیں کہ جن کے ذریعہ صاحب ختم نبوت کا اسوۂ عمل ہمیشہ امت کی ایک نسل سے دوسری نسل تک پوری صحت کے ساتھ منتقل ہوتا رہا ہے، خیر القرون میں اسلام سے مستفید ہر طبقے بلکہ ہر فرد میں یہ علم و عمل کی دونوں نبوی وراثتیں مجتمع رہیں لیکن سراپا برکات عہد نبوت سے زمانی دوری کے نتیجہ میں یہ دونوں صفات اس طرح تقسیم ہوئیں کہ عاملین علوم قرآن "علماء" کہلائے اور عاملین اسوۂ رسول "اولیاء" کے نام سے معروف ہوئے، البتہ یہ امتیاز برقرار رہا کہ علماء پر رنگ علم غالب تھا لیکن ان کے سینے معرفت سے بھی آباد تھے، اور اولیاء پر رنگ معرفت غالب رہا لیکن ان کے دماغ علوم قرآن سے بھی مزین تھے، اس لئے اس طبقاتی تقسیم صفات سے نہ صرف یہ کہ تحفظ دین ہی میں کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ مستفیدین کے ہر دو طبقات اپنے مفیدین کی طرح ارشاد نبوی کے مطابق

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المنتحلین وتاویل الجاھلین۔	اس علم کو ہر سابق حامل علم سے بعد کے ثقہ افراد لیتے رہیں گے وہ اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور غلط گوئی کے ساتھ بے اصل باتوں اور جاہلوں کی تاویلات کو مٹاتے رہیں گے۔

کا بحمد اللہ مصداق ہر دور میں بنے رہے اور آج تک بنے ہوئے ہیں۔

قرآن کریم کے الفاظ و مرادات کی حفاظت کا ربانی وعدہ ان ہی علماء اور اولیاء کے ذریعہ کل بھی پورا ہوا اور آج بھی پورا ہو رہا ہے، اور انہی حضرات

کرام نے ہر محاذ پر کفر و شرک، الحاد و بے دینی اور رسوم و بدعات کے ذریعہ اسلام پر زبردست حملوں کا کامیاب دفاع کیا ہے اور دین اسلام کا یہ تحفظ و دفاع عالم اسباب میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فکر سلیم اور اعتقاد صحیح رکھنے والوں کے لئے انمٹ اور دائمی معجزہ ہے، اور یہ معجزہ بذات خود اس طرف بھی مشیر ہے کہ کتاب و سنت کے حق صریح کے مدمقابل حق ناشناس گمراہیوں کی مختلف اور متعدد راہوں سے حملہ آور ہونے والے گروہ کبھی ختم نہ ہوں گے اور اس طرح حق کی سربلندی کیلئے اپنا سب کچھ لٹانے والے مخلصین سے بھی یہ امت کبھی خالی نہیں ہو گی۔

ہدایت و ضلالت کے تصادم کا یہ سلسلہ گذشتہ پندرہ سو سال میں کبھی ختم نہیں ہوا پھر یہی نہیں بلکہ ہر صدی میں ضلالت و گمراہی ماقبل سے مختلف انداز و پرواز پر بے شمار طریقوں سے اس ایک حق کے متقابل رہی کہ جس کا خصوصی امتیاز "وحدت" ہوتا ہے تعدد و تکثر نہیں۔

حق کے مقابلے پر کبھی باطل مدعی نبوت بن کر مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی صورت میں آیا کبھی یونان کے عقلی فلسفوں کے روپ میں ظاہر ہوا کبھی توحید فی التثلیث کے رنگ میں حق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ناکام و ذلت ناک کوششیں عیسائیت نے کیں، کبھی حق کو مشتبہ بنانے کیلئے جہمیہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ نے دھوکے کی ٹٹیاں تیار کیں، کبھی رفض و خروج کی سواریوں پر سوار ہو کر باطل نے حق کو مرعوب کرنے کی نامراد کوششیں کیں، کبھی ائمہ فقہ کو حیلہ بنا کر صاحب نبوت کے مساوی قرار دینے کی تہمتیں تراشی گئیں کبھی نفس تقلید کو کتاب و سنت سے ہٹ جانے اور کٹ جانے کا جاہلانہ عنوان دیکر باطل نے ازراہ عناد حق سے انحراف کیلئے

کذب بیانی کا سہارا لیا۔

غرض معقولیت وصداقت کی تمام حدود سے گذر جانے کے باوجود بھی جب دشمن حق اور باطل کو چین نہ آیا تو "انکار حدیث" کی راہ زیغ تلاش کی مگر محدثین کرام نے اس کا تار و پود بکھیر دیا، اور "یوپی" سے مصنوعی ولایت کا مدعی پیدا کرکے بدعات کا دروازہ کھولا گیا، پھر مزید آگے بڑھ کر پنجاب سے جھوٹا مدعی نبوت پیدا کرکے حق کی پہچان ہی کو عوام کیلئے مشکل سے مشکل تر بنانے کی ناپاک کوششوں سے بھی گریز نہیں کیا گیا، ان تمام مذموم کوششوں میں مزعومہ کامیابی نہ ملنے کے خیال سے باطل کی جدوجہد جاری رہی اور بالآخر اسے حق کو مغلوب ومقہور کرنے کی نئی اور مؤثر راہ یورپ کی مادیت زدہ، بے خدا، برہنہ تہذیب ہاتھ آگئی جس کو مقبول عام بنانے میں سائنس کی انتہائی جذاب ودلکش ایجادات حق کو ناقابل التفات بنانے میں غیر معمولی معاون ثابت ہوئیں، اور اس مرحلہ شدید میں آکر حق اور اہل حق کے لئے اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ زمانۂ ماضی میں باطل پسندوں کے علمی عقلی، کلامی، منطقی اور فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ اسلام کے برخلاف مقابلے، مجادلے، اتنے اہم اور باعث تشویش نہیں تھے جس قدر عصر رواں میں سائنس کی غیر معمولی ترقی سے پیدا شدہ، بے قید عالمگیر تمدن، اور اس کے اخلاقیات سے عاری اجزائے ترکیبی سے مرکب نام نہاد تہذیب سے عوام امت میں عقائد واعمال دین پر معترضانہ شعوری بے راہ روی نے متبع سنت مبلغ علماء کو مشوش ہی نہیں مایوسی تک پہونچانے میں بھی کمی نہیں کی۔

لیکن اس دین کی محافظ، محدود علم و قدرت رکھنے والی امت اسلام

نہیں، بلکہ لامحدود علم و قدرت رکھنے والی وہ ذات بابرکات حق ہے کہ جس نے اس دین حق کو مٹا دینے والی مادی وسائل سے بھرپور قوتوں کو

"انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون"

کی پرجلال تعبیر میں وہ چیلنج کیا ہے کہ پندرہ صدیوں کی طویل ترین مدت میں اس چیلنج کو قبول کرنے کی کوئی صدائے بازگشت دنیا کے کانوں تک نہیں پہونچی۔

لیکن آج بدرجۂ اسباب حق کی جانب سے وقت کے بے قید تمدن وتہذیب کے آفریدہ الحاد و زندقہ کا مقابلہ کتاب وسنت کی جامع اور وسیع المعنی عملی اور اعتقادی ہدایات کے بجائے کتاب وسنت کی مرادات میں ڈھلی ہوئی وہ گرانقدر شخصیات ہی کر سکتی ہیں کہ جن کا قول وعمل ظاہر وباطن، حرکت وسکون اور اجتماع وانفراد دین کے سوا ذرہ برابر کچھ اور نہ ہو۔

شخصیات سے قطع نظر کر کے فکری ارتداد کو پروان چڑھانے کی بدترین مثال یورپ کا وہ سائنسی ارتقار ہے کہ مذہبی ذمہ داروں اور بادشاہوں نے اپنے اقتدار کی برقراری کی خاطر مذہبی تعلیمات کو سائنس کے متقابل حریف کے بطور پیش کیا جس کے نتیجے میں یہ عظیم نقصان گذشتہ صدی میں رونما ہوا کہ سائنس کے مذہب واخلاقیات کا رشتہ یکسر منقطع ہو گیا، اور نتیجۂ سائنس کی مؤثر ترین قوت مذہب کی حریف بن کر متقابل آگئی اور سائنس کی ترقی پذیر قوتوں اور جدتوں نے یورپ میں مذہب عیسائیت کو بدترین شکست دیکر چرچ کی محدود چہار دیواری میں مقید کر دیا۔

اسی سائنسی برتری اور مذہبی شکستگی کے دور میں یورپین اقوام نے

ایشیا اور افریقہ پر اپنی عیارانہ سیاست کے ذریعہ قبضہ کرلیا، اور ان کی بدنہاد وراثت کے طور پر یہ سائنسی برتری اور عیسائیت کی مذہبی کمتری (جو درحقیقت انسانیت کے فطری مطالبات سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے سائنس کو زیر نہ کرسکی تھی) انگریزی اقتدار کے ساتھ ہندوستان میں بھی درآمد ہوئی، اور ملک پر مسلط یورپین (انگریزی) اقتدار اپنے وطنی تجربات کے تحت یہاں بھی یہ ہی یقین لئے ہوئے تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار چھین کر وہ مذہب اسلام کو بھی عیسائیت کی طرح سائنس سے مغلوب کر کے مسجدوں میں مقید کردیں گے، ان کا یہ تخیل یورپ کی سائنس اور چرچ کی تاریخی آویزش سے پیدا شدہ مذہب سے جہاں ایک قسم کی تجرباتی عداوت کا نتیجہ تھا وہیں اسلام سے معاندانہ ناواقفیت بھی اس میں کارفرما تھی، چنانچہ اس جہل آمیز عداوت پر مبنی پالیسی کے تحت انھوں نے مسلمانوں پر برسہا برس تک انسانیت سوز مظالم ڈھائے، لیکن اس کے باوجود ایشیا میں عام طور پر اور ہندوستان میں خاص طور پر سائنس کو اسلام کا حریف بنا کر پیش کرنے میں یہ یورپین اقوام کا اقتدار کامیاب نہ ہوسکا، جس کی بنیادی وجہ وہ سراپا علم اور پیکر دین عظیم شخصیات ہی ہیں کہ جن سے عامۃ المسلمین کی عقیدت مندانہ وابستگی اور بزرگانہ تربیت نے دین فطرت اسلام کی اس عظیم اعتقادی حقیقت کو طشت ازبام کر کے یورپین اقتدار کو بدترین مایوسی سے دوچار کردیا، کیونکہ اسلام عیسائیت کی طرح سائنس کو اپنا حریف قرار دے کر رد نہیں کرتا بلکہ۔

ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للاٰخرۃ

کے فطری فرمان کے مطابق اللہ کے آخری عالمگیر پیغام کی حیثیت سے

اسلام کائنات کو مقصد کے بجائے آخرت سنوارنے کا ذریعہ قرار دینے کی شرط کے ساتھ سائنس سے استفادہ کی پوری پوری اجازت دیتا ہے۔

ملتِ اسلام پر ان محسن ملت شخصیات عظیمہ کا سب سے بڑا احسان یہی ہے کہ انھوں نے عامۃ المسلمین کی تربیت اسی معتدل اسلامی اصول پر فرمائی کہ دین اسلام نہ ترک دنیا کے رہبانی فکر تفریط کا قائل ہے اور نہ دنیا کو مقصود ومطلوب بنانے کے آخرت فراموش افراطی خیال فاسد کی تائید کرتا ہے بلکہ وہ اس فطری اعتدال وتوسط کو اپنی اساس قرار دیتا ہے کہ حق تعالیٰ کی الوہیت مطلقہ کے سامنے سرنگونی کے ساتھ اس کے علم وقدرت کے مظاہر یعنی کل مخلوقات میں سے ہر ایک کو وہی درجہ دیا جائے کہ جس کی وہ فطری طور پر مستحق ہے۔

بالفاظ دگر مادیات ہوں یا معنویات دونوں میں اعتدال، فرق مراتب کے علم صحیح کے بغیر قائم کرنا ممکن نہیں ہے بس توسط واعتدال شعبۂ علم وکمال ہے جس کے لئے تدبر ومحنت ضروری ہے، بخلاف افراط وتفریط کے کہ وہ جہل کے بطن سے پیدا ہونے والی وہ بے کمالی ہے جو کسی محنت وکوشش کے بغیر رونما ہو جاتی ہے۔

پس امت کی وہ عظیم شخصیات جو محسن ملت ہونے کے لحاظ سے ناقابل فراموش گردانی جاتی ہیں وہی ہیں کہ جنھوں نے فرقِ مراتب کے اسلامی اصول کے تحت اللہ رب العزت کے لیس کمثلہٖ شیئ، ہونے کے مقام الوہیت میں کسی ادنی شائبۂ شرک بھی کبھی شامل وداخل نہیں ہونے دیا اور بلا تخصیص تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات مقدسہ کو تمام مخلوقات سے افضل اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام سے افضل و برتر تسلیم کیا، اور صحابہ کرام کو انبیاء علیہم السّلام کے بعد امت کے تمام اولیاء، اقطاب، اغواث اور ابدال سے افضل مانا، پھر اولیاء عظام اور علماء کرام کو امت سے برتر وافضل تسلیم کرکے کتاب وسنت سے ماخوذ، فرقِ مراتب کی اسلامی خصوصیت کو تمام طبقات امت میں ملحوظ و برقرار رکھا اور اسی طریق اعتدال پر عوام امت کی انھوں نے تربیت فرما کر ان کو عقائد واعمال میں افراط وتفریط سے بچانے کی بے مثال مساعی جمیلہ فرمائی ہیں، وہی درحقیقت ملت کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے

پیش نظر کتاب "ملت اسلام کی محسن شخصیات" میں مصنف کتاب حضرت العلام مولانا حکیم محمد اسلام صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ نور الاسلام میرٹھ (خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم عارف باللہ حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب قدس سرّہٗ العزیز، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے خدمت ملت کے مقام عظمت اور مجددیت کی وقیع علمی وضاحت کے ساتھ لاتعداد محسنین ملت میں سے ان چند تاریخ ساز محسن شخصیات کو منتخب فرمایا ہے کہ جن سے برصغیر کی ملت اسلامیہ، ذہنی وابستگی اور قلبی عقیدت مندی کے ساتھ زیادہ مانوس ہے، اور حضرت مصنف نے زیادہ سے زیادہ عوامی افادیت کو پیش نظر رکھ کر ان کے ایمان افروز تذکروں کو نہایت سادہ وآسان اور انتہائی دلکش طرز تحریر میں یکجا فرما دیا ہے، جس کو دیکھ کر یہ عرض کرنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ حضرت مصنف کی سلامتی فطرت اور اس تصنیف کے ذریعہ عامۃ المسلمین کی مربیانہ خدمت نے، ان کو

بھی اسی زمرہ محسنین میں شامل فرما دیا ہے کہ جن کے ذکر خیر کو کتابی صورت میں مرتب فرما کر حضرت موصوف نے یہ محفلِ علم و عرفان سجائی ہے۔

حق تعالیٰ اس عظیم دینی، علمی اور تربیتی ملی خدمت کو قبولیت عامہ اور مقبولیت تامہ عطا فرما کر حضرت مصنف مدظلہ کے لئے اسکو ذخیرۂ آخرت عطا فرمائے، اور ملت اسلامیہ کو زیادہ سے زیادہ اس سے منتفع ہونے کی اور ان محسنین ملت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔

بارگاہ رب العزت میں قبولیت کے یقین کے ساتھ راقم الحروف اپنے یہ دعائیہ دو شعر حضرت مصنف مدظلہ کی نذر کرتا ہے۔

زندہ ہے اخلاص سے تیری صدائے حق شناس
اس پر کل شاہد بنیں گے یہ زمین و زمن
ہو رفیق زندگی، توفیق حق گوئی سدا
تجھ پہ قرباں تاکہ ہوں دنیا کے تن من اور دھن

(حضرت مولانا) محمد سالم قاسمی
مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم مرتب فتاوی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس برصغیر میں اسلام اور اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت میں بڑا حصہ علماء کرام مشائخ عظام اور اولیاء اللہ کا ہے، ان ہی نفوس قدسیہ کا صدقہ ہے کہ یہاں اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوئی اور یہ ملک مذہبی ملکوں میں نمایاں ہوا اور ملک وملت کی خدمات انجام پائی، ایک ایک ولی کے ہاتھ پر ہزاروں انسانوں نے بخوشی اسلام قبول کیا، اور توحید کا غلغلہ بلند ہوا۔

ورنہ اسلام سے پہلے یہاں کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہمدردی و رواداری کیا ہے؟ عدل و مساوات کسے کہتے ہیں، امن و سلامتی کی کیا قدر و قیمت ہے عفت و عصمت کس کا نام ہے، حلال وحرام کی تمیز، جائز وناجائز کی پہچان، بڑوں چھوٹوں کے حقوق کی نشاندہی، یہ ساری چیزیں ان ہی اللہ والوں سے عوام وخواص کو حاصل ہوئیں۔

برصغیر اور دوسرے ممالک پر ان بزرگوں کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ان کو کفر وشرک اور غلط رسموں کی تاریکی سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کیا اور تباہی وبربادی سے بچالیا۔

حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب زید مجدہم مہتمم مدرسہ نور الاسلام میرٹھ نے اپنی اس کتاب میں ان ہی اسلاف واکابر کا تذکرہ کیا ہے اور ان

کی نجی وعوامی زندگی اور خدمات پر روشنی ڈالی ہے، حضرت مجدد الف ثانی رح (م ۱۰۳۴ھ) اور ان کے خاندان سے لے کر سینکڑوں علماء ربانیین اور مشائخ عظام کے حالات زندگی اور ان کے علمی، اصلاحی اور تاریخی کارناموں کو بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے، حضرت حکیم صاحب نے اس کتاب کو مرتب کرنے میں بہت کافی محنت اور سعی وکاوش کی ہے، حضرت مظہر جان جاناں رح (م ۱۱۹۵ھ) حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رح (م ۱۲۹۶ھ) حضرت خواجہ معصوم صاحب رح شاہ محمد آفاق صاحب رح، سید احمد شہید رح (ش ۱۲۴۶ھ) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح (م ۱۱۷۶ھ) ان کے نامی گرامی فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح (م ۱۲۳۹ھ) حضرت شاہ عبدالقادر رح (م ۱۲۳۰ھ) حضرت شاہ رفیع الدین رح (م ۱۲۳۳ھ) مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رح (ش ۱۲۴۶ھ) حضرت شاہ محمد اسحاق رح (م ۱۲۶۲ھ) مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رح (م ۱۳۱۳ھ) مولانا مملوک علی رح (م ۱۲۶۷ھ) اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح (م ۱۲۹۷ھ) مولانا رشید احمد گنگوہی رح (م ۱۳۲۳ھ) اور دوسرے علمائے دیوبند کا بھی اس کتاب میں تذکرہ آیا ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس (م ۱۴۰۳ھ) پر اس تذکرہ کو ختم کیا گیا ہے۔

یہ تذکرہ ماشاء اللہ بڑے اچھے اور بہت سلیقہ سے مرتب ہوا ہے، زبان صاف وسلیس اور شگفتہ ہے، ان حالات کے پڑھنے سے دل ودماغ روشن ہوتا ہے اور اعمال واخلاق کو توانائی حاصل ہوتی ہے، آدمی تھکتا نہیں ہے، بس دل چاہتا ہے کہ پڑھتا ہی چلا جائے، آدمی ایک روحانی غذا سے آشنا ہوتا ہے، کتاب پڑھتے ہوئے کبھی آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، کبھی دل جوش وولولہ سے بھر جاتا ہے، اور کہیں رک کر آدمی سوچتا ہے کہ ہمارے اسلاف، اکابر کی زندگی کتنی مبارک تھی، انھوں نے کس قدر مخلوقِ خدا کی خدمت کی، ان کے دلوں کو جلا بخشی،

اور خود کتنے نمایاں کارنامے انجام دیئے اور ہمارے لئے نشان راہ چھوڑ گئے۔

اس دور عروج و ترقی میں ہر سنجیدہ انسان حیران و پریشان ہے کہ آج نہ امن وسلامتی باقی رہی، نہ صلح و آشتی، ایک انسان دوسرے کا دشمن ہے، سرمایہ داری اور غربت و افلاس کی باہم جنگ جاری ہے، ہر ایک دوسرے کو کھا جانے پر آمادہ ہے، ذات پات کی عصبیت، اور اونچ نیچ کا دور دورہ ہے، کوئی طبقہ مطمئن نظر نہیں آتا، نفسی نفسی کا عالم ہے، ہر شخص سوچتا ہے کہ وہ کس نازک دور میں پیدا ہوا ہے کہ انسان کے دلوں میں نہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے نہ فکر آخرت، لے دے کر جو کچھ ہے دنیا کی دولت ہے، اور اقتدار کا نشہ،

اس دور قحط الرجال میں علمائے کرام ومشائخ عظام کا تذکرہ بڑا ہی مفید ہے، اپنی ساری کمزوریاں نگاہوں میں آجاتی ہیں، تعمیر سیرت کا جذبہ ابھرتا ہے، اور بہت ممکن ہے انسان اپنی آخرت سنوارنے کی سعی پر آمادہ ہوجائے اور اس طرح حسن خاتمہ اسکے حصہ میں آئے۔

خاکسار کا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ہر شخص اس تذکرہ کا مطالعہ کرے عبرت و بصیرت حاصل کرنے کی جدوجہد کرے، اور اپنی زندگی سدھارنے کی زیادہ سے زیادہ سعی پیہم کرے اخیر میں دعا ہے کہ رب العالمین حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب دامت برکاتہم کی اس خدمت دینی کو قبول فرماتے اور آپ کیلئے زاد آخرت بناتے، آمین یا رب العٰلمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

طالبِ دعا: محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

مفتی دارالعلوم دیوبند

۲۴ ؍ جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ

تکریمی کلمات

صاحبزادۂ حکیم الاسلام، مفسّرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب مدظلہٗ العالی استاذ حدیث وتفسیر وقف دار العلوم دیوبند

دین اسلام میں ایک مقام عزیمت کا مقام ہے اور دوسرا رخصت کا، بالفاظِ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ ایک مقامِ تقویٰ ہے اور دوسرا مقامِ فتویٰ رخصت اور فتویٰ کا مقام عامۃ المسلمین کیلئے ہے کہ وہ جائز وناجائز میں سے جائز پر عمل کرکے اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ناجائز چیزوں سے دامن بچائے رکھتے ہیں، اسی کو مقامِ فتویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسکے برخلاف دوسرا طبقہ ہے جو خواص کا طبقہ کہلاتا ہے یہ اہل حق کا وہ بلند مرتبہ گروہ ہے جو ہر وقت رضاء خداوندی کا جویا رہتا ہے، ان حضرات نے العلماء ورثۃ الانبیاء کے مطابق اپنے آپ کو وارث انبیاء ثابت کرکے دکھایا انھوں نے تقویٰ کی مسندِ عالی کو اپنی پرہیزگاری سے مزین کیا اور تقرب خداوندی کیلئے ایسی تڑپ کے ساتھ زندگیاں گذاریں کہ دنیا دیدۂ حیراں بنی رہی یہ خاصانِ خدا اپنی شب زندہ داریوں، سجدہ ریزیوں، دنیا سے بے رغبتی، سبحہ خوانی، تقویٰ شعاری اور غیر معمولی احتیاط وتقشّف کے ان مقامات پر نظر آئے جو نگاہِ عقیدت کیلئے حیرت کا سامان بنے، اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسی بلند قامت شخصیات ہمیشہ رہی ہیں بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تاریخ اسلامی کے اس طویل دور میں ایسی تابندہ ہستیوں کا ایک سلسلۃ الذہب یا کہکشانی لڑی ہے جس پر یہ امت بجا طور پر فخر کرسکتی ہے۔

اگرچہ ان عظیم شخصیات کی عقیدت کے پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہوئے مگر ان کے کارنامے جنھیں تاریخ نے محفوظ کیا، عقیدت مندوں کی حسن عقیدت کا کرشمہ نہیں بلکہ یہ تاریخ کے وہ گہرے نقش ہیں جنھیں کوئی انصاف پسند مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔

ان شخصیات میں وہ ہستیاں بھی ہیں جنھوں نے اپنی علمی خدمات سے دنیا کے سامنے ایک بے مثل نمونہ چھوڑا، اور وہ بھی ہیں جنھوں نے علم اور عمل دونوں کے تابناک نقوش سے زمانے پر اپنی انمٹ چھاپ چھوڑی، یہ حضرات وہ تھے جنھوں نے منصب علم ہی کو زینت نہیں بخشی بلکہ مسندِ تصوف وطریقت کو بھی آراستہ کیا اور اس راہ میں بھی عملی وعلمی کارناموں سے ایک عالم کو متاثر کیا۔

متقدمین کے دور میں ایسی جامع شخصیات بے شمار نظر آتی ہیں، ائمہ محدثین اور ائمہ فقہاء میں ہر شخصیت اگر علمی مرتبے کے لحاظ سے آفتاب وماہتاب ہے تو زہد وتقویٰ اور تعلق مع اللہ کے اعتبار سے بھی آسمانِ معرفت کی بدر منیر ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم،
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

پھر یہ سنت طیبہ بعد والوں میں منتقل ہوتی رہی اور پچھلوں کے نقش قدم نے اگلوں کی رہنمائی کی، جو پاکیزہ نمونۂ زندگی اسلاف نے چھوڑا تھا اخلاف نے عملی طور پر اس کی حفاظت کی اور نتیجۃً تاریخ کے کسی دور میں بھی یہ امت باکمال اہل علم پیدا کرنے میں بانجھ نہیں رہی بلکہ ہمیشہ علم وعمل کے خوبصورت گلدستوں سے اس کی محفل سجتی رہی۔

اسلام علم وفن کا اولین نقیب ہے اس کی کتاب مقدس بھی ایک علمی معجزہ ہے اور داعیٔ قرآن، پیغمبر اُمّی کی تعلیم وتربیت بھی اعجاز نمائی کا

اعلیٰ ترین شاہکار کہ ایک سرکش ترین اور دحشت بدوش قوم کے افراد کو آپؐ کی تعلیم نے مجسّم علم وتہذیب بنادیا اور آپ کی تربیت نے ایک بہائم صفت گروہ کو انسانیت وشرافت کے پیکر میں ڈھال دیا، قرآن اور داعیٔ قرآن نے ان حضرات میں علم کی ایسی تڑپ پیدا کی جو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوکر پوری امّت کا قومی مزاج بن گئی۔

پھر چونکہ تنہا علم کو وبال کہا گیا، اور تنہا عمل کو ضلال وگمراہی سے تعبیر کیا گیا تو امت نے اسی علم کی قدر کی جو عمل میں نمایاں ہو، آنحضرتؐ مسجد قُبا میں تشریف لے گئے، صحابہ کو علومِ قرآنی کی تحصیل میں مشغول پایا، آپؐ نے ان کو مخاطب کرکے عمل کی اہمیت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جتنا چاہے علم حاصل کرلو مگر یاد رکھو حق تعالیٰ تمھیں اجر اسی وقت عطا فرمائیں گے جب تم علم کے ساتھ عمل کو بھی اپنا شعار بنالوگے، ان تعلیمات نے جب علم وعمل کے قالب ڈھالے تو وہ اسلامی چمن کے ایسے دلفریب پھول بن کر کھلے کہ انکی مہک سے ساری دنیا معطر ہو اٹھی، ان بے شمار شخصیات کو اِس عالمِ آب وگِل سے سدھارے صدیاں بیت گئیں مگر ان کے علم وفضل کا رعب وداب آج بھی اہل علم اور ساری دنیا اسیطرح مانتی ہے جیسے ان کی زندگیوں میں محسوس کرتی تھی، یہ حضرات اس شعر کے صحیح مصداق ہیں۔

الجاهلون فموتى قبل موتهم

والعالمون وان ماتوا فاحياء

(جہلاء موت سے پہلے بھی مردہ ہوتے ہیں جبکہ علماء مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں)

آج بھی مختلف فیہ مسائل میں جب یہ کہدیا جاتا ہے کہ اس بارے میں امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے تو زبانیں گُنگ ہوجاتی ہیں، کسی حدیث کی اسنادی

قوت وضعف پر بحث کے دوران کوئی شخص اس کی تائید یا تردید میں امام بخاری
کا حوالہ دیدے تو لوگ گم صم ہو کر رہ جاتے ہیں، یہی حال دوسرے اکابر امت
کا ہے جو اپنی اپنی جگہ ایک مسلم شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں، چاہے
وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے، اس سے ان حضرات کی صرف
علمی عظمت ہی نمایاں نہیں ہوتی بلکہ ان بیکران عمل کے زہد وتقویٰ اور صداقت
وعدالت کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے جس نے ان کی جلالتِ شان کو چار چاند لگا دیئے
ان بزرگوں کی علمی محنتوں کے ساتھ ان کے عملی مجاہدات اور روحانی ارتقاء
کی جستجو ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے، امام ابو حنیفہ رح نے تصفیہ باطن کیلئے جو ریاضات
کیں ان کے متعلق خود ان ہی کا ارشاد شاہد عدل ہے کہ لولا السنتان لهلك
النعمان (اگر تزکیہ نفس کے سلسلے میں اگر دو سالہ مجاہدات ساتھ نہ ہوں تو
ابو حنیفہ ہلاک ہو جاتا) امام موصوف نے اپنی عمر کے آخری دو سال تزکیہ نفس
کیلئے وقف کر دیئے تھے، امام احمد بن حنبل رح اسی نفس کشی کے طالب تھے
علم واجتہاد کے عظیم منصب پر فائز ہوتے ہوئے وہ مشہور صوفی بزرگ بشر حافیؒ
کی سواری کی رکاب پکڑے خادمانہ انداز سے چلتے اور کہتے کہ بشر کو حق تعالیٰ
کی معرفت ہم سے کہیں زیادہ ہے، حقیقت میں علم کی برکات سے صحیح طور پر
استفادہ بغیر تزکیہ اور اصلاح باطن ممکن بھی نہیں، ہمارے اسلاف نے علم
صحیح اور عمل صحیح کی دونوں راہوں میں آبلہ پائی کی، یہ حضرات بیک وقت
عالم بھی تھے اور سالک بھی، صوفیاء کہتے ہیں کہ منجملہ اوصاف سالکین
کے مجاہدات بدنیہ بھی ہیں کہ بھوک، پیاس اور برہنگی یعنی شکستگی لباس اور
چار قسم کی موت کا برداشت کرنا ہے۔ سفید موت یعنی بھوک، سرخ موت یعنی
مخالفتِ ہویٰ، سیاہ موت یعنی تحمل ایذاء اور سبز موت یعنی اوپر تلے پیوند لگانا،

شریعت و طریقت کا یہ سنگم ہمارے متعدد اکابرین میں بھی نمایاں رہا ہے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق،

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

ان بزرگوں نے نہ صرف یہ کہ خود کو زیور علم سے آراستہ کیا، بلکہ شان علم کو بھی دو بالا کیا، دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی و نکتہ آفرینی ان حضرات کا وصف خصوصی رہا جو استحضار علم اور محققانہ شان کی دلیل ہوتی ہے، ادھر چونکہ علم اپنی ذات سے سربلند ہے اس لئے رہوار علم ایک شوخ و گستاخ مرکب ہے، اسی لئے صفت علم کے ساتھ اکثر کبر و پندار کا رذیلہ ہمرکاب ہوجاتا ہے، اس کی شکست و ریخت کیلئے ان حضرات نے جو علم کے پہاڑ تھے مجاہدات اور نفس کشی کا راستہ ضرور اختیار کیا، تاکہ رذائل نفس کا ازالہ ہوتا رہے، اس طرح یہ اکابر ایسی مسکنت و تواضع کا پیکر بنے کہ خود صفت تواضع کو ان پر رشک آجائے، اس تواضع و انکسار کے باوجود ان کی جلالت علم نے ہر جگہ ان کو صدرنشین بنایا، تاریخ اپنے ان بے مثال شہ پاروں کو اپنی آغوش میں محفوظ کئے ہوئے ہے، بقول شاعر:

هيهات لا ياتي الزمان بمثله

ان الزمان بمثله بخيل

(آہ زمانہ اس کی مثال نہیں لاسکتا کیونکہ زمانہ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے)

حقیقت میں ان حضرات نے اسوۂ حسنہ کو ہر قدم پر پیش نظر رکھا، اور علم و اخلاق میں آنحضرت ﷺ کے نقوش پا کو ہی اپنا پیشوا بنایا، ان کی پاکیزہ زندگیاں اگلوں کیلئے ہمیشہ مشعل راہ رہیں اور زمانے کے تغیرات کے باوجود یہ مبارک شخصیات آئندہ نسلوں کے حق میں ایک منارۂ نور رہیں گی، ان بزرگوں کے تذکرے سن کر اور پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے اور علم و عمل کی جستجو کا جذبہ بیدار ہوتا ہے

ان کی عقیدت اور محبت دونوں ہی چیزیں باطنی فیضان کا سبب ہیں، ہاں عقیدت زیادتِ فیض کا سبب ضرور ہے تاہم صرف محبت و ادب بھی افادہ کا موجب ہے، شاید متنبی کا یہ شعر اس کا مصداق بن سکتا ہے کہ :

كالبحر يقذف للقريب جواهرا

جواد و يبعث للبعيد سحائبا

(ان کی مثال سمندر کی سی ہے کہ جو کنارے کے پاس ہے اسے اسکی فیاضی سے جواہرات مل جاتے ہیں اور جو دور ہے اُسے بارش کی برکتیں۔)

سلف صالحین کے تذکرے پر مشتمل یہ تالیف "مشتے نمونہ از خروارے" کی مصداق ہے، ہماری تاریخ میں بیشمار شخصیات اپنے فضل و کمال کے اعتبار سے ایسی ہیں کہ ان کے درمیان اول و دوم کی درجہ بندی نہیں کی جاسکتی ان کی تصانیف، علمی تحقیقات، ذہانت، ذکاوت، استحضار علم اور عالمانہ مباحث آج بھی دنیا کے لئے ایک چیلنج ہیں، اور ان کا اعتراف کرنے پر دنیا اس کمپیوٹر کے دور میں بھی مجبور ہے۔

ملت اسلام کی محسن شخصیات کی یہ بزم دراصل اسی محفل علم کی ایک تازہ شاخ ہے، جو کبھی دمشق و بغداد میں سجی تھی اور کبھی اندلس و خراسان میں آراستہ ہوئی تھی، اس گلشنِ علم کے پھول الگ الگ شکل کے ہیں مگر ان کی خوشبو وہی ہے جو کسی وقت قرطبہ اور اشبیلیہ میں مہکی تھی، تو ایک وقت بخاریٰ و نیشاپور میں، ان سب سدا بہار پودوں کی جڑ وہی شجر طوبیٰ ہے جو نخلستان مدینہ میں صُفّہ کے چبوترے سے اگا اور جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آج تک ساری دنیا امان و آسودگی پا رہی ہے۔

مؤلف کتاب نے اس مبارک تذکرے کا آغاز حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے کیا ہے جو اس ملت کے مجدد ہیں، ان کے تجدیدی کارناموں نے ہی درحقیقت اہل حق کی مساعی کیلئے سرزمین ہند کی آبیاری کی اور حضرت مجدد صاحب کی جدوجہد کے نتیجے میں یہ خطہ علمائے حق کی جولان گاہ بن سکا، اس لحاظ سے ان کی شخصیت ہی اس لائق تھی کہ اسے ملت اسلام کی محسن شخصیات کا عنوان بنایا جائے۔

حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اسلام صاحب مدظلہ، خلیفہ مجاز حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ العزیز و مہتمم مدرسہ نورالاسلام میرٹھ نے اس مبارک کام کی طرف توجہ فرمائی اور یہ حضرت موصوف ہی کا حق تھا کہ انھوں نے ان علمائے حق کے حالات زندگی جمع کئے، تاریخ کے بے شمار ورق الٹ کر یہ سوانحی خاکے برآمد کئے اور ان میں سے سبق آموز حالات نذر قارئین کئے، حق تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے، اور حضرت مؤلف موصوف کو اجرِ جزیل عطا فرمائے، آمین۔

ان مشاہیر علماء کے حالات پر مشتمل اس کتاب پر احقر جیسا بے علم و گمنام شخص کیا تقریظ لکھ سکتا ہے، جس کا حال یہ ہے کہ

نارفتہ رہِ صدق و صفا گامے چند؛ بدنام کنندۂ نکونامے چند

تاہم حضرت کے حکم پر بطور امتثالِ امر یہ سطریں پیش کر رہا ہوں اور اس جذبے کے ساتھ کہ

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

(صالحین سے عقیدت و محبت رکھتا ہوں اگرچہ ان میں نہیں ہوں مگر اس امید پر کہ شاید اس محبت کے طفیل حق تعالیٰ مجھے صلاح عطا فرما دیں)

محمد اسلم قاسمی
۱۲ر ستمبر ۱۹۹۹ء دیوبند
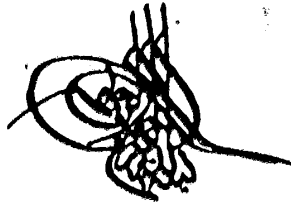
تمہیدی کلمات

حامداً ومصلیاً امّا بعد!

علم شریعت قرآنِ کریم کی شکل میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا عملی نمونہ بنا کر بھیجا، اور آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال اور احوال کے ذریعہ قرآن کریم کی تبیین وتشریح کی، اور آفتاب رسالت کے درخشاں ستارے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کی ہدایات اور علوم کو لے کر عالم میں پھیل گئے، اور ہر ہر صحابی اپنے اپنے مقام پر آنے والی نسل کے لئے مرانجم بن کر مشعل راہ بن گئے، جن کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم:۔ میرے اصحاب مثل ستارے کے ہیں، تم ان میں سے جن کی بھی اقتدار کروگے ہدایت پاجاؤگے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے علم وعمل فکر ونظر کے جو نقوش چھوڑے وہ بتدریج مابعد کے فقہاء کرام، محدثین عظام، مفسرین کبار کی طرف منتقل ہوتے چلے گئے، اور قرآنی علوم کی حفاظت و

اشاعت کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے الگ الگ طبقہ امت میں پیدا فرمادیا اور جس طبقہ سے جس فن کا کام لینا تھا اسی طرح کا جوہر اور ملکہ ان کے قلب میں ودیعت فرمادیا۔

چنانچہ قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کیلئے طبقۂ حفاظ پیدا فرمادیا قرآن کریم کے لب ولہجہ اور قرآت کے مختلف طرق کو محفوظ کرنے کے لئے قراء کرام کی جماعت پیدا فرمادی، اور قرآن کریم کے معانی ومفاہیم اور اسرار وحکم کو امت کے سامنے واضح کرنا تھا تو طبقہ مفسرین کو وجود بخشا، اور قرآنی احکام ومسائل فقہیہ کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے کے لئے طبقۂ مجتہدین اور فقہاء کرام کو امت کے سامنے لاکھڑا کر دیا

طبقۂ فقہاء کرام میں سراج الامت، امام الائمہ فقیہہ الاعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم وعمل کے ہمالہ اور تفقہ میں بحر ذخار ہیں، تابعین عظام کے بعد حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے، جن کے بارے میں امام شافعیؒ کا بیان ہے کل الناس عیال لابی حنیفۃ فی الفقہ تمام انسان میدان تفقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے طفلِ مکتب ہیں، اور امام مالکؒ نے ان کی قوت استدلال کو دیکھ کر فرمایا تھا لوقال فی ھذہ الساریۃ ذھبا لقام بحجتہ: اگر یہ شخص اس کھمبا کو سونا کہدے تو دلائل سے ثابت کردے۔

جس طرح امام ابوحنیفہؒ کو تدوین فقہ میں اولیت کا مقام حاصل ہے اسی طرح مسائل نقلیہ کو دلائل عقلیہ سے پیش کرنے میں بھی تقدم حاصل ہے، دلائل عقلیہ کے ذریعہ ملحدوں اور دہریوں کو وہ دندان شکن جوابات دیئے کہ ان فرق باطلہ کو دوبارہ سر ابھارنے کی جرآت نہ ہوئی، اس پر امام

کے مناظرے شاہد عدل ہیں۔ بطور نمونہ کے ایک مناظرہ پیش خدمت ہے۔

امام صاحبؒ کے ایام طفولیت میں ایک دہریہ آیا اور اس نے مناظرہ کا چیلنج دیا وہ کئی علماء کو شکست دے چکا تھا، حضرت حمادؒ بھی اسکے چیلنج سے متفکر تھے، انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک خنزیر نے ایک باغ میں درخت کی سب شاخوں پھول اور پتیوں کو توڑ پھوڑ دیا، لیکن اس کی جڑ اور تنہ باقی تھا اسی تنہ میں سے اچانک ایک شیر برآمد ہوا اور اس نے اس خنزیر کو ہلاک کر دیا، صبح کو حضرت حمادؒ کے پاس امام صاحب گئے تو آپ کو مغموم و متفکر پایا، پوچھنے پر آپ نے دہریہ کا چیلنج اور خواب کا واقعہ سنایا، امام صاحبؒ نے سنکر کہا الحمد للہ وہ خنزیر تو دہریہ تھا، اور درخت سے مراد علم ہے اور شاخیں آپ کے علاوہ دوسرے علماء ہیں اور تنہ اور جڑ آپ ہیں، اور شیر میں ہوں، انشاء اللہ میں اس کو مات دے دوں گا، حضرت حمادؒ اپنے مایۂ ناز شاگرد کو لے کر مجلس مناظرہ (جو جامع مسجد میں تھی) میں پہونچے دہریہ نے منبر پر چڑھ کر اپنے اعتراضات بیان کرنا شروع کئے، مقابل میں جب امام صاحب کی کم عمری کو دیکھا تو آپ کی تحقیر و تذلیل شروع کی، امام صاحب نے کہا کہ اس کو چھوڑ اور اپنا دعویٰ بیان کر، امام صاحب کی اس جرأت پر دہریہ متعجب ہوا اور اپنا سوال پیش کیا کیف یمکن ان یوجد شئ لا اول لہ ولا آخر لہ۔ (یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی موجود شئی کا نہ اول ہو نہ آخر، اس کا اشارہ حق جل وعلا کی صفت ازلیت و ابدیت کی طرف تھا، اس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا۔ تجھے گنتی آتی ہے؟ اس نے کہا ہاں، امام صاحب نے پوچھا، ایک سے پہلے کیا عدد ہے؟ اس نے جواب دیا ھو الاول لیس قبلہ شئی، وہ اول ہے، اس سے پہلے کوئی

عدد نہیں ہے، امام صاحبؒ نے فرمایا جب واحد مجازی سے پہلے کچھ بھی نہ ہوا ایسا ہو سکتا ہے تو واحد حقیقی سے پہلے کچھ بھی نہ ہوا ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ دہریہ کا دوسرا سوال تھا کہ ہر چیز کسی نہ کسی جہت میں ہے تو پھر اللہ کا چہرۂ انور کس جہت میں ہے امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے کبھی موم بتی یا چراغ تو جلایا ہوگا، تبلائیے کہ روشنی کا رخ کدھر ہوتا ہے، اس نے کہا کہ اس نور کے لئے تو سب جہتیں برابر ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ نور مجازی کیلئے جب سب جہتیں برابر ہیں تو نور حقیقی کے لئے کیوں نہ برابر ہوں گی، اب دہریہ کا تیسرا سوال تھا کہ ہر موجود شئی کیلئے کوئی نہ کوئی جگہ ہوتی ہے، بتائیے اللہ پاک کون سی جگہ میں ہیں، امام صاحبؒ نے دودھ منگوایا، اور پوچھا بتائیے اس میں گھی کہاں ہے، حالاں کہ گھی اسی سے بنتا ہے، اس نے کہا کہ اس میں گھی کسی مخصوص جگہ میں نہیں ہے بلکہ ہر قطرہ میں ہے، اس پر امام صاحب نے فرمایا جب معدوم ہونے والی چیز ہر قطرہ میں ہو سکتی ہے تو وہ خالق ارض وسماء کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں ہو تو اس میں کیا استبعاد ہے اب دہریہ کا آخری سوال تھا، اللہ پاک کیا کرتا ہے، اسکے جواب میں امام صاحب نے فرمایا کہ تم نے منبر پر کھڑے ہو کر بہت سے سوال کئے اور میں نیچے کھڑے رہ کر جواب دیتا رہا، اب آپ نیچے اتریئے اور مجھے منبر پر چڑھنے دیجئے تاکہ میں جواب دوں، وہ اترا اور امام صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ تیرے جیسے رذیل کو کرسی سے اتار کر ذلیل کرتا ہے اور میرے جیسے موحد کو کرسی پر بٹھا کر عزت عنایت فرماتا ہے، دن رات اللہ تعالیٰ کا یہی کام ہے تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشآء۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی

فرمائی ہے وآخرین منہم لما یلحقوا بہم والی آیت پڑھ کر حضرت سلمان فارسیؓ کی پشت پر ہاتھ مارا اور فرمایا ان میں سے ہوگا یعنی فارسی النسل ہوگا، ایک حدیث میں فرمایا کہ میری امت میں ایک آدمی ہوگا جو سراج امت ہوگا، اگر علم ثریا پر ہوگا تو اسے بھی حاصل کرلیگا، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بشارت کے بارے میں ہے، غرض کہ حضور اکرمؐ نے پیشین گوئی فرماکر امام صاحب کے رتبہ کو آشکارا فرمایا، رازی کا طرز استدلال ہو یا غزالی کا طریق تلقین شبلی کی چشمۂ معرفت سے سیرابی ہو یا تبریز کی دربار تصوف میں شناوری یہ سب دراصل مستفاد ہیں حضرت نعمان بن ثابت کے منبع علم وعرفان سے۔

آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، تقاریر واحوال، (جس کو حدیث کہتے ہیں) کی حفاظت کے لئے محدثین کی جماعت پیدا فرماکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات حرکات وسکنات کو قیامت تک کیلئے محفوظ فرمادیا اور انھیں ایسی قوت حافظہ عنایت فرمائی کہ لاکھوں کی تعداد میں روایات مع سند ومتن ان کے سینے میں محفوظ تھیں، اسی سلسلہ کی ایک مضبوط کڑی امیر المومنین فی الحدیث ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری کی ہے اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے خدمتِ حدیث کے لئے ان کو وجود بخشا تھا، امام بخاریؒ کے شاگرد ابو جعفر وراق نے امام بخاریؒ سے سوال کیا تھا کہ کیف کان بدأ امرك یعنی آپ اس شان تک کیسے پہونچے، تو امام بخاریؒ نے جواب دیا الھمت حفظ الحدیث۔ یعنی بچپن ہی سے میرے دل میں حفظ حدیث کے اہتمام کا القاء کیا گیا، حفظ حدیث کی وہ اعلیٰ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ بچپن ہی میں ان کی قوت حافظہ اور جودت ذہن کے سینکڑوں

عدد نہیں ہے، امام صاحبؒ نے فرمایا جب واحد مجازی سے پہلے کچھ بھی نہ ہو ایسا ہو سکتا ہے تو واحد حقیقی سے پہلے کچھ بھی نہ ہو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ دہریہ کا دوسرا سوال تھا کہ ہر چیز کسی نہ کسی جہت میں ہے تو پھر اللہ کا چہرۂ انور کس جہت میں ہے امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے کبھی موم بتی یا چراغ تو جلایا ہوگا، بتلایئے کہ روشنی کا رخ کدھر ہوتا ہے، اس نے کہا کہ اس نور کے لئے تو سب جہتیں برابر ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ نورِ مجازی کیلئے جب سب جہتیں برابر ہیں تو نورِ حقیقی کے لئے کیوں نہ برابر ہوں گی، اب دہریہ کا تیسرا سوال تھا کہ ہر موجود شئی کیلئے کوئی نہ کوئی جگہ ہوتی ہے، بتایئے اللہ پاک کون سی جگہ میں ہیں، امام صاحبؒ نے دودھ منگوایا، اور پوچھا بتایئے اس میں گھی کہاں ہے، حالاں کہ گھی اسی سے بنتا ہے، اس نے کہا کہ اس میں گھی کسی مخصوص جگہ میں نہیں ہے بلکہ ہر قطرہ میں ہے، اس پر امام صاحب نے فرمایا جب معدوم ہونے والی چیز ہر قطرہ میں ہو سکتی ہے تو وہ خالق ارض وسماء کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہو تو اس میں کیا استبعاد ہے اب دہریہ کا آخری سوال تھا، اللہ پاک کیا کرتا ہے، اسکے جواب میں امام صاحب نے فرمایا کہ تم نے منبر پر کھڑے ہو کر بہت سے سوال کئے اور میں نیچے کھڑے رہ کر جواب دیتا رہا، اب آپ نیچے اتریئے اور مجھے منبر پر چڑھنے دیجئے تاکہ میں جواب دوں، وہ اترا اور امام صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ تیرے جیسے رذیل کو کرسی سے اتار کر ذلیل کرتا ہے اور میرے جیسے موحد کو کرسی پر بٹھا کر عزت عنایت فرماتا ہے، دن رات اللہ تعالیٰ کا یہی کام ہے توتی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی

کرشمے رونما ہوئے۔

امام بخاری رہ کے زمانہ میں ایک محدث داخلی تھے، آپ ان کے حلقۂ درس میں جایا کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت استاذ نے سند بیان کرتے وقت سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم فرمایا، امام بخاری رہ نے استاذ سے عرض کیا کہ سند اس طرح نہیں ہے، کیونکہ ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی، داخلی مشہور محدث تھے، کہنے لگے کہ کیا کہا، امام صاحب نے پھر کہا کہ یہ اسناد درست نہیں ہے آپ اصل کی طرف مراجعت کیجئے۔ استاذ نے اولاً تو بخاری کو طفل نوآموز سمجھ کر ڈانٹ دیا، لیکن امام بخاری رہ نے متانت و جرأت اور ادب سے پھر عرض کیا کہ آپ کے پاس اصل ہو تو مراجعت فرمائیں، بات معقول تھی، داخلی اٹھے اور اس اعتماد پر کہ گو انھوں نے بیان میں غلطی کی مگر شاید اصل میں صحیح لکھا ہو، اپنی جگہ جاکر کتاب نکالی، اس میں بھی غلط لکھا ہوا تھا، پھر داخلی نے صحیح اسناد امام بخاری کو نہیں بتلائی بلکہ یوں ہی دریافت کیا کہ اچھا بتاؤ صحیح اسناد کیا ہے، تب امام بخاری رہ نے کہا الزبیر وھو ابن عدی عن ابراھیم۔ یہ سنکر داخلی بہت خوش ہوئے اور بخاری کو شاباش دی اور اپنی کتاب کو خود بخاری کے قلم سے صحیح کرایا، کسی نے امام بخاری سے پوچھا اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ فرمایا، گیارہ سال، یہ امام بخاری رہ کی شہرت کا اولین دن تھا، اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں۔

ایک مرتبہ کسی درس میں جاکر شامل حلقہ ہوئے، تمام طلبہ کاغذ اور قلم اپنے ساتھ لے جاتے تھے، استاذ سے حدیث سنکر تعلیم و تعلم کے عام رواج کے مطابق ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے، لیکن امام بخاری رہ لکھنے کے بالکل درپے نہ تھے، دوسرے طلبہ نے امام کو مشورہ دیا کہ جب آپ کچھ لکھتے

نہیں تو خواہ مخواہ کیوں تضیع اوقات کرتے ہیں، کئی دن اسی حالت میں گذرے اور اتنے دنوں میں اس درسگاہ میں پندرہ ہزار احادیث بیان ہو چکی تھیں طلبہ نے جب امام بخاری کو بہت ستایا تو انھوں نے کہا کہ تم اپنی کاپیوں کو سامنے رکھ کر سنتے رہو، میں وہی احادیث بیان کرتا ہوں، امام بخاری رح نے اسی مجلس میں کل پندرہ ہزار احادیث اسی ترتیب کے ساتھ جس ترتیب سے استاد نے بیان کی تھی بعینہ سنادیں، اور تمام طلبہ منھ دیکھتے رہ گئے، اور امام بخاری رح سے احادیث سنکر اپنی کاپیوں میں اصلاح کی، اس کے بعد بخاری کی وہاں بڑی قدر و منزلت ہوئی۔

امام کے مشہور استاذ علامہ بیکندی نے کہا تھا کہ محمد بن اسمٰعیل جب شریک درس ہوتے ہیں تو مجھ پر ایک تحیر سا طاری ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ سلیم بن مجاہد جب ان کے پاس آئے تو فرمایا کہ اگر آپ کچھ دیر پہلے آجاتے تو ایک ایسے طالب علم سے ملاقات کرادیتے جسے ستر ہزار احادیث یاد ہیں انھیں یہ سنکر حیرت ہوئی اور امام بخاری رح کی تلاش شروع کر دی، جب ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ کیا آپ کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں، آپ نے اس پر فرمایا کہ اس دعویٰ پر شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، مجھے تو اس سے زیادہ احادیث یاد ہیں، بلکہ ان تمام احادیث کے سلسلہ سند سے متعلق جتنے لوگ ہیں ان میں سے اکثر کے مقامات سکونت اور تاریخ وفات کا بھی پتہ دے سکتا ہوں اور میں نے جس قدر صحابہ اور تابعین کے اقوال روایت کئے ہیں، ان کے بارہ میں یہ بھی بتلا سکتا ہوں کہ وہ کون کون سی آیات و احادیث سے لئے گئے ہیں۔

یہ تمام واقعات، اس وقت تک کے ہیں جب تک کہ امام بخاری رح

نے حصولِ علم کے لئے بخاری سے باہر کا کہیں سفر نہیں کیا تھا، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو علم حدیث کی خدمت کا جو کام لینا تھا اس کے شایان شان استعداد دے کر ان کو پیدا فرمایا تھا اور ان کی خدمت حدیث پر ان کی کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ الجامع الصحیح شاہد عدل ہے۔

اس طرح علوم وفنون کی کرن نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی اور ہر ایک جماعت وافراد اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے اپنے جانشین چھوڑتے چلے گئے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔ آئندہ آنے والے ہر گروہ میں سے اچھے اور نیک لوگ اس علم کو حاصل کریں گے اور پھر اس علم کے غلو کرنے والوں کی تحریف مٹائیں گے، غلط کاروں کی غلطیوں کو رفع کریں گے، اور جاہلوں کی تاویلوں کا رد کریں گے۔ یعنی ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے نیک اور اچھے عالموں کو پیدا کرے گا جو دین میں غلو اور تشدد کرنے والوں کا رد کریں گے اور سچی اور حق بات کو ظاہر کریں گے نہ افراط سے کام لیں گے نہ تفریط سے، بلکہ دین کو اس کی اصل معتدل صورت میں پیش کریں گے، من وعن پوری ہوئی اور ہر آنے والی نسل نے اپنی انتھک کوششوں سے علم وعرفان کے تلاطم کو ساکت نہ ہونے دیا، جن کو بھی تاریخ اسلام سے ادنیٰ درجہ کی مناسبت ہوگی وہ بخوبی واقف ہیں کہ افراد کے بدلنے سے مراکز علم بھی بدلتے رہے معلم کائنات خاتم الانبیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبع فیض ہونے کی وجہ سے علم کا پہلا مرکز مدینہ منورہ بنا، اور نبوت کے عہد مسعود کے بعد ایک طویل مدت تک، علم اپنے اس مقدس وطن سے

شرق و غرب کو فیضیاب کرتا رہا، اور ارشاد نبوت خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم کے مطابق زمانہ صحابۂ کرام، زمانہ تابعین عظام اور زمانہ تبع تابعین باحترام یہ مقدس وطن علم اپنی علمی مرکزیت کی وجہ سے مرجع خلائق بنا رہا خبر نبوی ؐ کے مطابق ان تین زمانوں کی مقررہ مدت پوری ہوئی تو اس وطن علم کے علماء میں رفتہ رفتہ کمی آنی شروع ہو گئی، اور عہد بنو امیہ میں مرکز اقتدار مدینہ منورہ سے منتقل ہو کر براہ شام سرزمین بغداد کی جانب منتقل ہو گیا تو علم نے بھی اپنا وطن اقامت بغداد کو بنا لیا، علم کا یہ وطن اقامت بغداد کئی صدیوں کی طویل مدت تک برقرار رہا، لیکن تلک الایام نداولھا بین الناس کے تحت سیاست و اقتدار کی کشمکش نے بغداد سے تحمل علم کی صلاحیتوں کو چھینا، اور علماء انتشار سے دوچار ہو کر متفرق ہوئے، اس وقت علم نے اپنی ضمنی شاخوں کو اپنی وطنیت سے سرفراز فرمایا لیکن انھیں وہ طویل مدت نہ مل سکی جو بغداد کو میسر آئی تھی اور اس کے بعد مغلیہ حکومت کے آغاز کے ساتھ علم نے اپنی عزت وطنیت ہندوستان کے دارالحکومت شہر دہلی کو بخشی۔

سرزمین ہند میں علم کو معارف حقائق، لطائف اور نکات آفرینی کا ذوق لطیف بھی بغداد جیسا میسر آیا، یہ ناقابل انکار کارنامہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح نے اپنے تدبر، تفکر، تعمق علمی سے انجام دیا اور مجدد الف ثانی نے اسلام سے متصادم قوتوں کو پاش پاش کر کے اسلام کے الف ثانی کو تجدیدی شوکت عطا فرما کر وہ احسان فرمایا کہ جس سے برصغیر تا قیامت عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے سوانح و حالات اور کارنامے اور ان کی ظاہری و باطنی کمالات کے بیان سے پہلے حدیث تجدید اور اس

کی تخریج وتشریح اور مجددیت کی حقیقت کا بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ قارئین کے لئے مجدد کا لفظ غیر مانوس نہ رہے۔

حدیث تجدید اور اس کی تخریج

مجدد کی اصطلاح ایک حدیث سے ماخوذ ہے جس کو اصحاب ستہ میں سے امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، اس حدیث کا متن یہ ہے

ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (سنن ابی داؤد باب ما یذکر فی قرن المائۃ ص۔۔ ج۲) اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کریگا جو اس کیلئے اس دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔

اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے (ص۵۲۲ ج۴)

ملا علی قاری رح نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ابو داؤد اور حاکم کے علاوہ طبرانی کی معجم اوسط کا بھی اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے اور سند رجال کے بارے میں لکھا ہے سندہ صحیح ورجالہ کلہ ثقات (مرقاۃ ص۲۴۸ ج۱) اور کنز العمال میں اس حدیث کو روایت کرنے والے محدثین میں امام بیہقی کا اور ان کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کا بھی حوالہ دیا ہے (کنز العمال ص۲۳۵ ج۶)

مُجدّدِیّتْ کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر جو گوناگوں احسانات فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی ہدایت کیلئے اور اپنے قرب و رضاء اور جنت کا ان کو مستحق بنانے کیلئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، انسانی دنیا کے آغاز سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ سلسلہ جاری فرمایا، انسانی دنیا کے آغاز سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ جب اور جس خطۂ زمین میں انسانوں پر گمراہی کا غلبہ ہوا اور انھیں آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی ان میں بھیجکر ان کی رہنمائی اور دستگیری فرمائی، اس طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ جاری رہا اور انسانوں کی روحانی استعداد فطری طور پر بھی اور انبیاء علیہم السلام کی مسلسل تربیت و تعلیم کے ذریعہ بھی برابر ترقی کرتی رہی، یہانتک کہ اب سے کوئی چودہ سو برس پہلے جب انسانیت روحانی استعداد کے لحاظ سے گویا بالغ ہوگئی، اور دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان اسی زمانہ میں روابط اور تعلقات بھی قائم ہونے کی صورتیں پیدا ہوگئیں، اور آمد و رفت کے وہ وسائل پیدا ہونے لگے جن کی وجہ سے ایک طرف کے علوم و افکار دوسری طرف منتقل ہونا ممکن ہوگیا، اور مختلف حصوں میں بٹی ہوئی دنیا جب اس طرح ایک دنیا بن گئی تو حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ اب ایک ایسی کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری انسانی دنیا کو عطا فرمادیا جائے جو سب قوموں کے حسب حال ہو اور جس میں آئندہ کبھی کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو، اور

ایک ایسے نبی و رسول کے ذریعہ اس ہدایت اور اس دین کو بھیجا جائے جو سب ملکوں اور سب قوموں کا نبی ہو اور پھر اس نبی پر نبوت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے۔

حکمت خداوندی نے اس فیصلہ کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ بھیجے ہوئے مقدس صحیفہ قرآن مجید میں ختم نبوت اور تکمیل دین کا اعلان بھی فرما دیا، پھر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس وسیع اور عالمگیر پیمانہ پر اس دین حق کی تبلیغ واشاعت ہوئی اور آپ کی دعوت وتعلیم کے نتیجہ میں جو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی انقلاب دنیا میں برپا ہوا اور پوری دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت وہدایت کا جیسا دروازہ کھلا، اور آپ کا اتباع کر کے دنیا کی مختلف قوموں میں جتنے لوگ حق آگاہ اور خدا رسیدہ بنے اور دنیا میں تہذیبوں اور تمدنوں کے ہزاروں انقلابوں کے باوجود انسانی زندگی کے انفرادی واجتماعی تمام شعبوں میں رہنمائی کیلئے آپ کا لایا ہوا دین قریباً ڈیڑھ ہزار سال سے آج تک جیسا کافی ثابت ہو رہا ہے، یہ سب باتیں ہر سلیم الفطرت انسان کیلئے ہر حسی معجزہ سے بڑھ کر اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ بے شک ساری انسانی دنیا کے لئے آپ نبی برحق اور خاتم الانبیاء ہیں، اور آپ کا لایا ہوا دین کامل ومکمل اور آخری دین ہے۔

پھر جس حکمت خداوندی نے ختم نبوت اور تکمیل دین کا یہ فیصلہ کیا اسی کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ دوسرے عام نبیوں کی طرح خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عمر طبعی دی جائے گی، چنانچہ بعثت کے ۲۳ سال بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا گیا، اور آپ کے بعد قیامت

تک کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیکر اس کا ایک ظاہری انتظام اس عالم تکوین میں یہ تجویز کیا کہ ہر زمانہ اور ہر دور کی ضرورت کے مطابق ایسے لوگ آپ کی امت میں پیدا ہوتے رہیں جو اس دین کی حفاظت و خدمت ہی کو اپنا وظیفۂ حیات بنائیں، چنانچہ ماضی کی تاریخ اور حال کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنھوں نے دین کی تعلیم و تعلم اور حفاظت و خدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنایا، یہاں تک کہ آج بھی جبکہ مادہ پرستی اور دنیا طلبی پوری انسانی دنیا پر گویا چھائی ہوئی ہے امت محمدی میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے افراد موجود ہیں جو دین کے تعلیم و تعلم اور اس کی حفاظت و خدمت ہی کے کسی کام کو اپنی زندگی اور اپنی توانائیوں کا مصرف بنائے ہوئے ہیں، یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے تجویز کئے ہوئے احکام و انتظام اور اس کی مشیت کے اسی فیصلہ کا ظہور ہے جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ دین قیامت تک کیلئے اور دنیا کی ساری قوموں کے لئے تھا، اور مختلف انقلابات سے اس کو گذرنا تھا، اور دنیا کی ساری قوموں اور ملتوں اور ان کی تہذیبوں سے واسطہ پڑنا تھا، اور ہر مزاج و قماش کے لوگوں کو اس میں آنا تھا، اس لئے قدرتی طور پر ناگزیر تھا کہ جس طرح نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی آسمانی تعلیم و ہدایت میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزشیں ہوئیں، اور عقائد و اعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی، اسی طرح خدا کی نازل کی ہوئی اس آخری ہدایت و تعلیم میں بھی تحریف و تبدیل کی کوششیں کی جائیں، اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کیمطابق ڈھالنے کے لئے حقائق دینیہ کی غلط تاویلیں کریں، اور سادہ لوح عوام ان

کے دجل و تلبیس کا شکار ہوں اور اس طرح یہ امت بھی عقائد و اعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے، اس لئے سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس دین حق کی حفاظت کیلئے ایک خاص انتظام یہ بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگانِ خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص بصیرت و فہم عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام اور سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں اور اسی کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں ڈالا جائے اور اس راہ میں ایسی عزیمت بھی ان کو عطا کی جائے کہ ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی وہ اسی قسم کے ہر فتنہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں، اور دین حق کے چشمۂ صافی میں الحاد و بدعت کی کوئی آمیزش نہ ہونے دیں اور امت کے عقائد اور اعمال میں جب کوئی زیغ یا فساد پیدا ہو یا غفلت اور بے دینی کا غلبہ ہو تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار لشکر کی طرح وہ اس کی بیخ کنی کیلئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ جد و جہد کریں، اور کوئی لالچ اور کوئی خوف ان کے قدم نہ روک سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اس ضرورت کا بھی تکفل فرمایا اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حکمت الٰہی کے اس فیصلے کا اعلان فرمایا کہ ــــــ:

اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے حامل و امین اور محافظ ہوں گے، وہ اہل افراط و تفریط کی تحریفات اہل زیغ و ہویٰ کی تراشی ہوئی بدعات اور حق ناآشنا مدعیوں کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے، اور اس کو اس کی اصل شکل میں (جس میں کہ وہ ابتدا میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا تھا) امت کے سامنے پیش کرتے

رہیں گے، اسی کام کا اصطلاحی عنوان تجدید دین ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے یہ کام لے وہی مُجَدِّدِیْن ہیں۔

بس یہی ہے اس حدیث تجدید کی اور اس مضمون کی سب حدیثوں کی روح اور مراد، اور اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کار تجدید میں ہر دور کے ان سب بندگان خدا کا حصہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی اس قسم کی خدمات لیں، اس طرح امت میں مجدد کی تعداد صرف ۱۳ / ۱۴ ہی نہ ہوگی۔ (جن کی تعیین میں اختلاف ہو اور ہر حلقہ اپنے ہی کسی بزرگ کے مجدد ہونے پر اصرار اور دوسروں سے تکرار کرے) بلکہ اللہ کے ہزاروں بندے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی ایسی خدمتیں مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں لی ہیں سب ہی اس کار تجدید میں حصہ دار ہوں گے اور سب ہی مجددین میں ہوں گے۔

ہاں ایسا بے شک ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانہ میں اپنے کسی بندہ سے کوئی بہت بڑا تجدیدی کام لیا ہے اور اس کے ذریعہ دین کے بہت سے شعبوں کی تجدید کرائی ہے اور کبھی کسی سے اس سے کم درجہ کا اور دین کے کسی خاص شعبہ میں تجدیدی کام لیا ہے اور یہ فرق ایسا ہے جو نبیوں رسولوں کے کاموں اور ان کے درجوں میں بھی رہا ہے تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض، چنانچہ اس امت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں، ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بہت ممتاز ہے، اسی طرح اس اخیر دور میں جس کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک ہزار سال گذرنے کے بعد سے ہوتا ہے، امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیاء شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک میں لیا، وہ بھی اسلام کی پوری

تاریخ میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے، اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدد الف ثانی ایسا مشہور ہوگیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے، صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔

اسی طرح بارہویں صدی ہجری میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے دین کی تجدید وحفاظت اور احیاء شریعت کا عظیم کارنامہ ہندوستان میں انجام دیا جس کی وجہ سے وہ بھی اپنے وقت کے مجدد کہلائے ان کے بعد ان کی اولاد واحفاد نے بھی دین کے خاص خاص شعبوں میں تجدیدی کام انجام دیئے اور رسوم وخرافات اور شرک وبدعات کے ختم کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

بطلِ جلیل حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رح کو تجدید دین واحیاء شریعت کے کاموں کی وجہ سے تیرہویں صدی ہجری کا مجدد کہا گیا، صدی مذکور میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح نے مدارس ومکاتب کے قیام کے ذریعہ تجدید دین اور احیاء شریعت واماتت بدعت وازالہ رسم ورواج کا عظیم کارنامہ انجام دیا جس کی سب سے بڑی کڑی دارالعلوم دیوبند ہے جس نے ہزاروں مصلحین، مجددین اور علماء ربانیین پیدا کئے۔

اسی طرح حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو ان کی خدمات تجدیدی کی بنیاد پر چودہویں صدی ہجری کا مجدد شمار کیا گیا اور ان سے پہلے اور بعد کے بہت سارے علماء نے دین کے خاص خاص شعبوں میں تجدیدی واصلاحی کارنامے انجام دیئے انھیں مجددین ومصلحین اور علمائے ربانیین کے حالات اور کارنامے آنے والے اوراق میں آپ پڑھیں گے۔

☆

امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی

حضرت شیخ احمد سرہندی

رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب آپ کا نام مبارک احمد، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبدالاحد، نسب شریف آپ کا اٹھائیس واسطہ سے امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی) بن مخدوم عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالحی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبداللہ بن شعیب، بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین بن علی فرّخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصغر بن عبداللہ الواعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ

بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبداللہ بن حضرت عمر الفاروق رضؓ۔
آپ کے آبار کرام میں بڑے بڑے علماء کاملین اور فقراء واصلین گذرے ہیں، خصوصاً آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد بہت بڑے عالم اور سلسلہ چشتیہ میں بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے اور طریقہ قادریہ میں بھی صاحب اجازت تھے تمام کتب درسیہ منقولات اور معقولات کا درس دیتے تھے، اور مریدوں کو فیوض باطنی سے سیراب کرتے تھے، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

وطن اور ولادت باسعادت

وطن قدیم آپ کے آبائے کرام کا بعد مدینہ طیبہ کے شہر کابل تھا مگر کوئی بزرگ ہندوستان تشریف لائے اور مقام سرہند ان کو پسند آیا وہیں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں آپ کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی اور وہیں آپ کے اولاد واحفاد کا مدت دراز تک قیام رہا، سرہند اس وقت ایک بڑا شہر تھا لیکن اب صوبہ پنجاب کا ایک قصبہ ہے۔ حضرت نے اپنے مکتوب میں جابجا اس شہر مبارک کی عظمت وبرکت کا بیان فرمایا ہے، چنانچہ مکتوب ۱۹۵ حصہ سوم دفتر اول میں فرماتے ہیں۔

سرہند کہ اعظم بلاد اسلام است چند سال است کہ قاضی ندارد۔	سرہند جو ایک بڑا اسلامی شہر ہے کئی سال سے قاضی نہیں ہے۔

ولادت سراپا بشارت ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ یوم جمعہ بوقت نصف شب ہوئی، آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ تمام جہاں میں ظلمت پھیلی ہوئی ہے، سور، بندر، ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں، یکایک میرے سینہ سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت

ظاہر ہوا اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اس کے سامنے تمام ظالموں اور زندیقوں اور ملحدوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے جاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔

صبح کو حضرت مخدوم نے اس خواب کی تعبیر حضرت شاہ کمال کیتھلی (یہ سلسلہ قادریہ کے پیرزادے اور بڑے باکمال بزرگ تھے، حضرت امام ربانی سے منقول ہے کہ فرماتے تھے سلسلہ قادریہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے بعد شاہ کمال کیتھلی کا مثل کم نظر آتا ہے) سے دریافت کی، انھوں نے فرمایا کہ تمکو ایک لڑکا پیدا ہوگا اس سے الحاد و بدعت کی ظلمت دور ہوگی، سبحان اللہ کیا سچا خواب تھا اور کیسی صحیح تعبیر تھی۔

تحصیل علم: حفظ قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد جس میں آپ کا بہت کم وقت صرف ہوا، تحصیل علم میں مصروف ہوئے، اکثر کتب درسیہ اپنے والد بزرگوار سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں، تصوف کی کتابیں بھی مثل تعرف، اور عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ اپنے والد ماجد ہی سے پڑھیں، ان اطراف میں مولانا کمال کشمیری معقولات کے پڑھانے میں مشہور تھے، ان سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔ کتب حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے حاصل کی، اور اس زمانے میں ایک مقدس عالم حضرت قاضی بہلول بدخشانی تھے، ان سے حسب ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی، امام واحدی کی تفسیر بسیط، اور تفسیر وسیط، اور اسباب النزول، اور قاضی بیضاوی کی تفسیر، صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی، اور جامع صغیر للسیوطی اور قصیدہ

بردہ، غرضیکہ ہر علم و فن کو اس کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا اور سند لی،

تحصیلِ طریقت:- ابتدا میں آپ نے طریقہ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی اور اس کا سلوک مکمل کیا، پھر طریقہ قادریہ بھی اخذ کیا، بیعت اور تعلیم طریقہ قادریہ کی اپنے والد صاحب سے پائی، اور خرقہ خلافت حضرت شاہ سکندر نبیرۂ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے حاصل ہوا، حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق امام ربانی سے منقول ہے کہ فرماتے تھے کہ آفتاب کو آدمی کسی طرح دیکھ بھی لیتا ہے مگر حضرت شاہ سکندر کے قلب پر بوجہ نورانیت اور چمک کے کسی کی نظر نہیں ٹھہر سکتی الغرض سترہ برس کی عمر میں آپ جامع کمالات ظاہر و باطنی بن کر اپنے والد کے سامنے ہی کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔

باایں ہمہ کمالات طریقہ نقشبندیہ کی طلب آپ کے قلب اطہر میں موجزن ہوئی اور یہ طلب بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہونچ گئی، اور یہ عشق اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا، یہاں تک کہ ۱۰۰۸ھ میں جب کہ آپ کے والد بزرگوار نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی اور آپ حج بیت اللہ کے ارادہ سے اپنے وطن مبارک سے روانہ ہو کر دہلی پہونچے تو ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی جن سے غالبًا پہلے کی شناسائی تھی، انھوں نے بر سبیل تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا، اس ذکر کو سن کر حضرت امام ربانی کا عجیب حال ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ خواجہ سے ملنے گئے، بیعت کرنا چہ معنی دہلی میں قیام کرنے کا اس وقت خیال بھی نہ تھا، حضرت خواجہؒ کی طبیعت بہت دیر آشنا تھی مگر خلاف عادت حضرت امام سے پہلی ہی ملاقات میں بہت بشاشت و محبت سے ملے اور حج کا ارادہ سنکر فرمایا کہ حج تو موجبِ

سعادت ہے لیکن کوئی مانع نہ ہو تو کم سے کم ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یہاں ہماری صحبت میں قیام کرو، حضرت امام نے بلا عذر قبول فرما لیا۔

حضرت خواجہ کی صحبت نے اس قدر تیزی کے ساتھ اثر کیا کہ دو ہی دن کے اندر آپ نے بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے خلافِ معمول بلا استخارہ فوراً آپ کو داخلِ سلسلہ فرما لیا، اور ذکر کی تلقین فرما کر قلب پر توجہ کی، قلب اسی وقت ذکر میں مشغول ہو گیا، اور یوماً فیوماً نہیں بلکہ لحظہ بلحظہ حالاتِ باطنی میں ترقی شروع ہوئی اور انتہا میں پہونچ کر جو حالات پیش آئے وہ تو مالا عین رأت ولا اذن سمعت کا مصداق ہیں۔

حضرت امام ربانی نے ڈھائی مہینہ دہلی میں قیام فرمایا، اس قلیل مدت میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی، اس کے بعد حضرت امام دو مرتبہ اور سرہند سے دہلی اپنے مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ کل تین صحبتیں اپنے شیخ کی آپ کے لئے کافی ہو گئیں۔

حضرت امام ربانی جب تیسری مرتبہ حضرت خواجہ صاحب سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب میں نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو استخارہ کیا، استخارہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا اور میں اپنا لعاب دہن اسکے منہ میں ڈال رہا ہوں، اور وہ اپنے منقار سے شکر میرے منھ میں دے رہا ہے میں نے اپنے پیر و مرشد خواجہ امکنگی سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت پیر مرشد نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے، ہندوستان میں تمھاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ظاہر ہو گا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملیگا، حضرت خواجہ نے اس تعبیر کا مصداق امام ربانی

مجدد الف ثانی کو فرمایا، نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب ہندوستان آتے ہوئے
شہر سرہند پہونچا تو واقعہ میں یہ معلوم ہوا کہ میں ایک قطب کے پڑوس میں اترا ہوں
اور اس قطب کا حلیہ بھی مجھے بتایا گیا، صبح کو جس قدر درویش اور گوشہ نشین لوگ
سرہند میں تھے میں سب سے ملا لیکن نہ وہ حلیہ کسی کا تھا نہ قطبیت کی کوئی صفت
کسی میں پائی خیال ہوا کہ شاید ان لوگوں میں آئندہ کوئی ایسا شخص ظاہر ہو جب تم کو
دیکھا تو تمھارا حلیہ بھی وہی پایا اور تم میں اس منصب کی قابلیت بھی محسوس ہوئی
نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ ایک بڑی مشعل آفتاب کے
مثل میں نے سرہند میں روشن کی ہے اور یہ محسوس ہوا کہ اس کی روشنی لحظہ بلحظہ
ترقی کر رہی ہے اور لوگ اس سے چراغ روشن کر رہے ہیں، یہ اشارہ بھی تمھارے
معاملہ کی طرف ہے مرید تو اپنے پیر کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں، حتی کہ بطور ضرب المثل
یہ مقولہ مشہور ہے

پیراں نمی پرند مریداں ہمیں پرانند

مگر ایسا کم ہوا ہے کہ پیر اپنے مرید کی تعریف کرے اور تعریف بھی ایسی جیسی کہ
حضرت امام ربانی کی ان کے پیر نے کی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کتاب ,,کلمات طیبات،،
مطبوعہ مکتبہ مجتبائی دہلی میں درج ہے جس زمانے میں حضرت امام ربانی ان
کی خدمت میں داخل سلسلہ ہوئے اپنے ایک مخلص کو لکھتے ہیں۔

شیخ احمد نام مردیست از سرہند	شیخ احمد نام کے ایک شخص ہیں جو سرہند
کثیر العلم قوی العمل روزے چند با فقیر	کے رہنے والے ہیں، کثیر العلم، قوی العمل
نشست و برخاست کردہ بسیار	چند روز اس فقیر کی صحبت میں رہے
عجائب از روزگار اوقات او مشاہدہ	اور ان میں عجیب حالات و کمالات

نمود بآں مانند کہ چراغ شود کہ عالمہا
ازاں روشن گردد والحمد للہ احوال
کامل اومرا بہ یقین پیوستہ واین
شیخ مشار الیہ برادران واقربا دارد
وہمہ مردم صالح واز طبقہ علماء اند چندے
را دعا گو ملازمت کردہ از جواہر علویہ
دانستہ استعدادہائے عجیب دارند
فرزندان آں شیخ کہ اطفال اند اسرار
الٰہی اند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتہا اللہ
نباتا حسنا و فقرای باب اللہ اند۔

مشاہدہ ہوئے جیسے کہ ایک چراغ ہے
جس سے سارا عالم روشن ہو گیا، الحمد للہ
ان کے حالات کاملہ پر مجھکو یقین ہے
شخص مذکور کے کئی بھائی اور رشتہ دار
ہیں سب مردان صالح اور طبقہ علماء
سے ہیں، ان لوگوں میں سے کچھ لوگوں
کو میں نے اپنی صحبت میں رکھا تو ان
کو جواہرات علویہ پایا، یہ لوگ عجیب
استعداد رکھتے ہیں، شیخ مذکور کے
صاحبزادے جو ابھی کمسن بچے ہیں اسرار
خداوندی ہیں، خلاصہ یہ کہ شجرۂ طیبہ ہیں جس کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین روئیدگی
عطا فرمائی، یہ لوگ خدا کے در کے فقراء ہیں۔

نیز حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ احمد آفتابے ست کہ مثل ما
ہزاراں ستارہا در سایہ او گم اند مثل
ایشاں دریں وقت زیر فلک نیست
ومثل ایشاں چند کس دریں امت
گذشتہ اند و ایشاں دریں وقت
از کمل محبوبان اند۔

شیخ احمد آفتاب ہیں جس کی روشنی
میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں
اس وقت ان جیسا اس آسمان کے
نیچے کوئی نہیں اور اس امت میں ان جیسے
لوگ بہت کم گذرے ہیں وہ اس
زمانے میں کاملین محبوب الٰہی میں سے ہیں

حضرت کی اتباعِ سنّت:۔

پابندیٔ شریعت کا بے نہایت اہتمام، پیرویٔ سنت کا بے اندازہ حرص، بدعات سے بیحد نفرت اور بے انتہا احتراز آپ کے خصائل حمیدہ میں سے تھا، ہمیشہ عزیمت پر عمل کرنا، رخصت کے قریب نہ جانا آپ کا نمایاں شعار تھا۔

عادات میں اور ذرا ذرا سی باتوں میں اتباع سنت کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے غرض کسی چیز میں کوئی فعل ان کا خلاف سنت کسی منکر اور معاند نے بھی نقل نہیں کی۔

ایک مرتبہ کسی خادم سے فرمایا کہ فلاں مقام پر لونگیں رکھی ہیں کچھ دانے لے آؤ، وہ چھ دانے لے آیا، اتنی ذرا سی بات میں ترک سنت آپ کو ناگوار ہوا، اور ناراضگی کے لحظہ میں فرمایا کہ ہمارے صوفی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ عدد طاق کی رعایت سنت ہے، اللہ وتر یحب الوتر، فرمایا کہ میں تو وضو میں منہ دھوتے وقت یہ خیال رکھتا ہوں کہ پہلے داہنے رخسارے پر پانی پڑے کیونکہ تیامن بھی سنت ہے، عمامہ بھی بطریق مسنون باندھتے تھے اور جمعہ کے دن، نیز عیدین میں عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے۔

نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کی پابندی فرماتے تھے، سنت عصر اور سنت قبل عشاء بہت کم ترک فرماتے تھے جو دعائیں خاص اوقات کیلئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں مثلاً صبح و شام کے وقت سونے اور بیدار ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ ان دعاؤں کا ایسا التزام تھا جیسے کسی سے طبعی فعل بے قصد و بے ارادہ صادر ہو جاتے۔

تہجد کے لئے نصف شب اٹھنے کا معمول تھا اور ہر دو رکعت کے بعد توبہ واستغفار اور درود شریف اور دعاؤں کے بعد مراقبہ فرماتے تھے، یہ سلسلہ فجر تک قائم رہتا تھا، فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اشراق تک اپنے اصحاب کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھتے تھے، قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز میں خود بھی کرتے تھے اور حلقہ کے وقت کسی حافظ سے بھی سننے کا معمول تھا، اور یوں جب کوئی قاری اچھا پڑھنے والا آجاتا تو اس سے بھی پڑھواتے تھے۔

نماز چاشت کے بعد جو فقرار حاضر خانقاہ ہوتے ان کو کھانا تقسیم ہوتا اور خود بھی اسی وقت قلیل مقدار میں کچھ کھاکر قیلولہ فرماتے۔

ہر روز تقریبًا ایک سو علمار وصلحار و حفاظ کو آپ کے باورچی خانہ سے کھانا ملتا تھا، رمضان المبارک کے روزے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے پورے مہینہ میں تراویح پڑھتے تھے، اور کم از کم ایک ختم قرآن تراویح میں ضرور ہوتا تھا، بیس رکعت تراویح پڑھتے، کبھی رمضان کا مہینہ سفر میں آجاتا تو بھی معمولات میں ذرا کمی نہ ہوتی۔

حقوق عباد ادا کرنے میں بھی ذرہ برابر کوتاہی نہ فرماتے، بیماروں کی عیادت کو تشریف لے جاتے، جنازوں میں شرکت فرماتے۔

اہل وعیال کی خبر گیری، صاحبزادوں کی اور مریدوں کی تعلیم و تربیت علوم شرعیہ کا زبانی اور کتابی درس پھر اپنے نفس کے حقوق ان سب کاموں کو روزانہ باحسن وجوہ انجام دیتے۔

الغرض کہ کسی چیز میں ان کا کوئی عمل سنت کے خلاف نہ ہوتا تھا اور فرمایا کرتے تھے جو کچھ حاصل ہوا اتباع سنت سے حاصل ہوا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے

علوم ظاہرہ سے سرفراز فرمایا، حدیث پڑھی، تفسیر پڑھی، فقہ پڑھی، گویا تمام علوم ظاہرہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کمال بخشا، اسکے بعد مجھے خیال ہوا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ صوفیاء کرام کیا کہتے ہیں، ان کے پاس کیا علوم ہیں، چنانچہ ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے علوم حاصل کئے، صوفیاء کرام کے جو چار سلسلے ہیں سہروردیہ، قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، ان سب کے بارے میں دل میں یہ جستجو ہوئی کہ کون سا سلسلہ کیا طریقہ تعلیم کرتا ہے، سب کی سیر کی اور چاروں سلسلے میں جتنے اعمال، جتنے اشغال، جتنے اذکار، جتنے مراقبات، جتنے چلے ہیں وہ سب انجام دیئے، سب کچھ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا مقام بخشا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے خلعت پہنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اتنا اونچا مقام بخشا کہ اصل کو پہونچا، پھر اصل سے ظل کو پہونچا، حتی کہ میں ایسے مقام پر پہونچا کہ اگر اس کو زبان سے ظاہر کردوں تو علماء ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگادیں، اور علماء باطن مجھ پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگادیں، لیکن میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعتاً اپنے فضل سے یہ سب مقامات عطا فرمائے، اب سارے مقامات حاصل کرنے کے بعد میں ایک دعاء کرتا ہوں، اور جو شخص اس پر آمین کہے گا انشاء اللہ اس کی بھی مغفرت ہو جائیگی، وہ دعاء یہ ہے۔

اے اللہ مجھے نبی کریم ؐ کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا کر، آمین۔ اے اللہ مجھے نبی کریم ؐ کی سنت پر زندہ رکھ، آمین۔ اے اللہ مجھے نبی کریم ؐ کی سنت پر زندہ رکھ، آمین، اے اللہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ہی موت عطا فرما، آمین (اصلاحی خطبات)

علم کامل ہونے کے باوجود آپ مقلد حنفی تھے، تقلید کو اپنے لئے ضروری

سمجھتے تھے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم و اجتہاد کی رفعت اور ان کے ورع و تقویٰ کی عظمت جا بجا اپنے مکتوب میں رقم فرماتے ہیں مکتوب ۵۵، دفتر دوم حصہ ہفتم ص ۱۴ میں ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رح کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سی ہے کہ ان کو ورع و تقویٰ کی برکت اور اتباع سنت کی دولت سے اجتہاد و استنباط میں وہ درجہ علیا حاصل ہوا کہ دوسرے اس کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ (چند سطروں کے بعد) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست نے ان کی دقتِ فقاہت کو سمجھا، اس لئے فرمایا کہ تمام فقہاء ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ (چند سطروں کے بعد) بغیر کسی تکلف و تعصب کے عرض کیا جا رہا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت نظر کشف میں دریائے عظیم کے مانند نظر آتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور تھالوں کے مانند نظر آتے ہیں (چند سطروں کے بعد) عجب معاملہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تقلید سنت میں سب سے آگے ہیں، اور احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح لائق اتباع سمجھتے ہیں، اور ان کو اپنے اجتہاد پر مقدم کرتے ہیں، اسی طرح قول صحابی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت کی وجہ سے اپنے اجتہاد پر مقدم رکھتے ہیں، دوسرے مجتہدوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے (چند سطروں کے بعد) فقہ کے بانی ابو حنیفہ رح ہیں، فقہ کے تین حصے انہی کے لئے تسلیم کئے گئے ہیں، باقی چوتھائی میں سب شریک ہیں، وہ صاحب خانہ ہیں، دوسرے ان کے عیال ہیں، باوجود مذہب حنفی کے التزام کے امام شافعیؒ سے گویا مجھکو محبت ذاتی ہے، میں ان کو بزرگ جانتا ہوں اس لئے بعض اعمال نافلہ میں ان کے منصب کی تقلید کرتا ہوں، لیکن کیا کروں کہ دوسروں کو باوجود فراوانی علم اور

کمال تقویٰ کے امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کے مانند پاتا ہوں۔

امام ربّانی مجدّد الف ثانی کے سامنے تین بڑے فتنے

مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گذرے اور اس نے دوسرے ہزار میں قدم رکھا اس وقت پورے عالم میں خاص کر ہندوستان میں اسلام پر ہر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر یہ تین راستے ہیں جن سے گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آرہے ہیں، ایک ارباب حکومت جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور سیاسی مفاد کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے (اسلامیت) سے بیگانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندویت سے آشنا بنا دیا ہے۔

دوسرے علماء سوء جن کا مطمح نظر صرف اچھی طرح دنیا کا کمانا، ارباب اقتدار اور امرائے وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا، اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کیلئے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

تیسرے وہ گمراہ صوفیاء جو شریعت کو "ظاہر پرستوں" کا کھلونا سمجھتے ہیں، اور "طریقت وحقیقت" کے مقدس ناموں سے انھوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی، اور جس میں عارف کامل بننے کے باوجود ہر گناہ اور لذت نفس کے ہر طریقے کے لئے پوری گنجائش ہے۔

یہ تھے فتنوں کے تین سرچشمے، جن میں سے ہر ایک کا دوسرے سے اتصال تھا، حضرت امام ربانی کے زمانے میں ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت تھی، اور سلطنت اپنے پورے جاہ و جلال پر تھی، آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ جلال الدین اکبر کے عہد سلطنت میں گذرا، اس کے بعد نور الدین جہانگیر کا زمانہ آیا، پہلی سلطنت ہر طرح کی ضلالت و گمراہی، بدعت حتی کہ شرک میں مبتلا تھی "تاریخ دعوت و عزیمت" میں بہت تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے، مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

" بادشاہ کو مجتہد مطلق اور مطاع برحق بنا دینے کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ ظہور اسلام پر ایک ہزار سال گذر رہے ہیں اور دوسرے ہزار سال کا آغاز ہو رہا ہے، اس نئے ہزار سال سے دنیا کی ایک نئی عمر شروع ہو گی اس کے لئے ایک نیا دین، ایک نیا آئین، ایک نیا شارح، اور ایک نیا حاکم چاہئے، اور اس کے لئے اکبر جیسے صاحب تاج و نگیں، اور امام عادل اور عاقل سے بڑھ کر کوئی موزوں نہیں، اس فیصلہ کی تمام تبدیلیاں شروع کر دی گئیں، جن سے یہ خیال مملکت میں عام اور پختہ ہو جائے، چنانچہ سکہ پر (جو ہر ایک کے ہاتھ میں جاتا ہے اور جس سے بڑھ کر کوئی اشتہار نہیں۔ الف کی تاریخ ثبت کر دی گئی، تاریخ عالم میں ایک حد فاصل قائم کرنے کے لئے اور اس کو دو دوروں میں تقسیم کرنے کے لئے تاریخ الفی کے نام سے ایک نئی تاریخ کی تدوین کا کام علماء کے ایک بورڈ کے سپرد ہوا، اس میں سنین میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا گیا، لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ "اس صاحب زمان کا وقت آ گیا ہے جو ہندو مسلمان کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہو گا، اور وہ بادشاہ کی ذات

قدسی صفات ہے، اسی سے دین الہٰی اکبر شاہی کا آغاز ہوا جس میں توحید کی بجائے (عبادت آفتاب کی شکل میں) شرک صریح، کواکب پرستی، ایمان بالبعث بجائے عقیدۂ تناسخ تھا، اکبر با قاعدہ بیعت لیتا تھا، اس دین میں داخل ہونے والوں سے جو کلمہ پڑھوایا جاتا تھا اس میں لاالٰہ الااللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ شامل کیا جاتا تھا، کلمہ کے ساتھ ایک اقرار نامہ بھی ہوتا تھا جس میں کہا جاتا تھا۔ میں اپنی خواہش اور رغبت اور دلی شوق کے ساتھ مجازی و تقلیدی دین اسلام سے جو باپ داداؤں سے سنا اور دیکھا علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الہٰی میں داخل ہوتا ہوں، اور اس دین کے اخلاص کے چار مرتبوں یعنی ترک مال، ترک جان ترک ناموس و عزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں" اس دین میں سود، جوئے اور شراب، اور لحم خنزیر کی حلت تھی، اور ذبیحہ گاؤ کی ممانعت، قانون نکاح میں ترمیمات کی گئی تھیں، پردہ اور رسم ختنہ کی ممانعت تھی، جسم فروشی کے کاروبار کو منظم کر دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ مقرر کر دی گئی تھی، اور اس کیلئے قانون بنا دیا گیا تھا، تدفین کے طریقہ میں بھی ترمیم کر دی گئی تھی، غرض ایک مستقل ہندی اکبری دین کی تدوین ہوئی تھی، جس میں فطرت انسانی کے قانون قدیم کے مطابق اس دین اور طریقہ زندگی کا پلڑا جھکا ہوا تھا، جس کی طرف طبعی میلان اور تسکین نفس کا سامان تھا اور خارجی دملی و سیاسی مصالح اس کی ترجیح کے حق میں تھے۔

مورخ اسلام مولانا سید سلیمان ندوی رح لکھتے ہیں۔

" اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گذر گئے، اور مسافر کے آغاز سفر پر ہزاروں برس گذر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا، جب عجم کے ایک جادوگر نے اکبر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سال عمر پوری ہو گئی، اب وقت ہے

کر ایک شاہنشاہ امی کے ذریعہ بنی امی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین منسوخ ہوکر دین
الہٰی کا ظہور ہو۔ مجوسیوں نے آتشکدے گرمائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے،
برہمنوں نے بت آراستہ کئے۔ اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ
کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس بیچ میل تحریک کا جو اثر
ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو " دلستان مذاہب " کا مطالعہ کرے
کتنے زنار دانوں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں
زنار نظر آئیں گے، بادشاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سر سجدہ میں پڑے
اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیں گے، اور
مسجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دے گی۔

تعالیٰ شانہٗ ۔ اللہ اکبر

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی ۔
" راستہ صاف کرو کہ راستہ کا چلنے والا آتا ہے، ایک فاروقی مجدد، فاروقی
شان سے ظاہر ہوا، یہ احمد سرہندی تھے ۔ یہ سلطنت اکبری کے حالات ہیں
جلال الدین اکبر کی وفات کے بعد نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا، اس سلطنت
کو نفس اسلام کے ساتھ کوئی عداوت اور دشمنی نہیں تھی، مگر سلطنت اور
بادشاہت کا نشہ بہت بڑھا ہوا تھا، اور نئے بادشاہ پر الشباب شعبۃ
من الجنون کا جن بھی سوار تھا، حتیٰ کہ شاہی دربار کی تعظیم یہ تھی کہ لوگ بادشاہ
کو سجدہ کریں، سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ بھی بزور سلطنت حاصل کر لیا گیا تھا
خلاصہ یہ ہے کہ اکبر کا زمانہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کیلئے تیاری کا
زمانہ تھا، ادھر اس کا انتقال ہوا، اور جہانگیر تخت پر بیٹھا کہ آپ میدان
میں اتر پڑے، قریب قریب اس وقت آپ کی عمر کے چالیس سال پورے

ہو چکے تھے۔

امام ربّانی مجدّد الف ثانی کا تجدیدی جہاد :-

ابتدا ابتدا میں آپ کو بڑے بڑے مصائب اٹھانا پڑے، آپ نے آیت کریمہ یا نبی اقم الصلوٰۃ وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابك پر بڑی اولوالعزمی سے عمل کرکے ایک بہترین نمونہ دنیا کیلئے چھوڑا۔

حالت یہ ہوئی کہ جاہل صوفیاء اور دنیا دار علماء کو اپنی کساد بازاری کے خطرے نے مخالفت پر آمادہ کیا، اور روافض کو نورجہاں بیگم کی وجہ سے جو امیدیں اپنے مذہب کی اشاعت اور دین اسلام کے فنا کرنے کی قائم ہو گئی تھیں، یہاں تک وہ کامیاب ہو چکے تھے کہ صوفی اور تفضیلی دو مترادف لفظ سمجھی جانے لگی تھیں، حضرت امام ربانی کی ذات اقدس ان کو سدّراہ نظر آئی۔ ان سب نے مل کر ایک ایسی منظم اور مکمل سازش کی اور حضرت امام ربانی کے خلاف ایسا زبردست پروپیگنڈہ کیا جو کامل مصداق وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال، کا تھا، بادشاہ جہانگیر کو چند مکتوبات قدسیہ کے حوالے قطع وبرید کے ساتھ سنائے گئے اور ان کا غلط مطلب سمجھا کر سخت برہم کیا گیا، از انجملہ ایک بات یہ سمجھائی گئی کہ شیخ احمد اپنے کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے افضل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچا کہ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا، آپ تشریف لے گئے اور بادشاہ کو اصل حقیقت سمجھا کر کامل طور پر مطمئن کر دیا، مخالفوں نے جب دیکھا کہ ہمارا کیا دھرا سب خاک میں ملا

جاتا ہے، تو فوراً ایک دوسرا فریب اپنایا بادشاہ سے کہا حضور یہ شخص بڑا خطرناک ہے، سلطنت کا باغی ہے، دیکھیے تمام علماء کرام سجدۂ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں، مگر یہ شخص اپنے مکتوب میں اس شرعی فتویٰ کی برابر مخالفت کرتا رہا، اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کو حکم دیا جائے کہ حضور کو سجدہ کرے، یہ کبھی اس حکم پر عمل نہ کریگا، یہ بات بادشاہ کے دلمیں اتر گئی، اور بادشاہ نے اپنے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا، حضرت امام ربانی نے اس حکم پر عمل کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ از روئے نص قرآنی خالق کے لئے مخصوص ہے، اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہوگی کہ ایک مخلوق اپنی ہی جیسی عاجز و محتاج مخلوق کو سجدہ کرے، یہ سنکر جہانگیر کی وہی حالت ہوئی جو افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی سنکر شاہ ایران خسرو پرویز کی ہوئی تھی، اسی غیظ و غضب کی حالت میں حضرت امام ربانی کے قتل کا حکم صادر ہوا مگر پھر کچھ سوچ کر قتل کے بجائے غیر محدود وقت کیلئے قید کا حکم سنایا گیا، اور اجین ریاست گوالیار کا قیدخانہ آپ کے قدوم میمنت سے رشک جنت بنا ؎

بلے ہر جا رسد حورا سرشتے ÷ اگر دوزخ بود گردد بہشتے

قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے، بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا، خواب کیا دیکھا کہ قسمت جاگ اٹھی، دیکھا کہ اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بطور تاسف کے اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا، اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی، مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوایا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں، گو یہ چیز حضرت

کے لئے قید سے کم تکلیف دہ نہ تھی، لیکن کام جو بنا وہ اسی سے بنا، بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکّٰی کر دیا، پھر تو وہ آپ کا غلام تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی، شراب و کباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید و شاید۔

وہی بادشاہ جس کے غرور اور بدمستی کی یہ حالت تھی کہ اپنے لئے سجدہ کراتا تھا، سجدۂ تعظیمی کے جواز کے فتوے علماء سے لئے تھے وہی بادشاہ آخر عمر میں کہتا ہے کہ "میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرونگا وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ: اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائیگا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔"

حضرت امام ربانی رح ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کے صلب سے شاہجہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہجہان کے بعد اورنگ زیب جیسا جامع کمالات صوری و معنوی بادشاہ پیدا ہوا۔

جہانگیر کے اقبال نے یہاں تک ترقی کی کہ سرہند میں حضرت امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا، کھانا اگرچہ بالکل سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔

حضرت امام ربانی رح کے وصال کے سینکڑوں سال گذرنے کے بعد آج بھی حضرت کی یہ کرامت زندہ اور تابندہ ہے اور مزار اقدس پر حاضری دینے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ وہاں کے سادہ کھانےمیں جو لذت ہے دوسری

جگہ کے پر تکلف کھانے میں نہیں ہے۔

راقم الحروف کی بھی ایک مرتبہ حضرت مستری احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ و مجاز شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حاضری ہوئی وہاں کے سادہ کھانوں میں ایسی لذت محسوس ہوئی معلوم ہوتا تھا کہ ایسا کھانا ہم نے کبھی کھایا ہی نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جن کا مشکوٰۃ شریف پر مقدمۂ علم حدیث ہے کی مخالفت ایک لحاظ سے بادشاہ کی مخالفت سے زیادہ اذیت رساں تھی انھوں نے ایک رسالہ بھی حضرت امام ربانی کے خلاف تصنیف فرمایا۔ ناواقفوں اور غیروں کے پتھر کی وہ چوٹ نہیں لگتی جو اپنوں کے پھول کی لگتی ہے، شیخ ممدوح حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین و مستفیدین میں سے تھے، حضرت امام ربانی نے مکتوبات قدسیہ میں کئی جگہ حضرت شیخ کا تذکرہ فرمایا ہے، اور دو ایک مکتوب بھی ان کے نام ہیں حضرت شیخ کی مخالفت چونکہ بدنیتی کے ساتھ نہ تھی، لہذا حق تعالیٰ نے ان کو بہت جلد تنبہ فرمایا اور مخالفت سے رجوع کی توفیق دی، بالآخر وہ بھی حضرت امام ربانی کے غایت درجہ معتقد ہو گئے، جس کا ذکر انھوں نے اپنے مکاتیب میں کیا ہے، المختصر یہ مصائب اس طرح ختم ہو گئے اور آخر نتیجہ رہا کہ حق کی فتح ہوئی، اور دشمن ذلیل وخوار ہوتے۔ اور حضرت امام کے اثرات طیبات روزافزوں ترقی کرتے چلے گئے، حضرت ممدوح نے جو خطوط اپنے مخلصین کو ان مصائب میں مبتلا ہوتے کی حالت میں لکھے ہیں ان کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے، تفصیلات کے لئے مکتوبات امام ربانی کا مطالعہ کریں۔

حضرت امام ربّانی کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا:۔

ان تمام اہل نظر اور انصاف پسند حضرات کا جن کی گیارھویں صدی کی اسلامی تاریخ پر عمومی اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے اسلام کی حفاظت و تقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفریں کام انجام پایا جس کو حدیث کی سادہ و معروف اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے، اور جس نے ان کے سلسلہ میں ایسی شہرت حاصل کی ہے کہ وہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے، اور جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

یہ کام کیا تھا؟ روح دفکر اسلامی کی جلا وتازگی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سدباب، اور نبوت محمدی، اور شریعت اسلامی کی صداقت و ابدیت پر از سرنو اعتقاد، اعتماد بحال کرنا، بدعات کی کھلی ہوئی تردید و مخالفت، حتی کہ "بدعت حسنہ" کے وجود سے بھی انکار اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدموں کے جمانے اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے ختم کرنے، اور ہندوستان میں ایک ایسا تجدیدی دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور کامیاب کوشش، جس کے نتیجہ میں ایک طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر متمکن ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفار وتلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی اور باطنی طور پر اسی سلسلہ سے وابستہ اور منسوب ہے، اور جس نے اشاعت و ترویج کتاب وسنت ان کی تفہیم و ترجمانی، اور ان کے سلسلہ درس وتدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ

تربیت باطنی، اصلاحِ عقائد و رسوم کے عظیم الشان کام اور پھر آخر میں جہاد و سعی اعلاء کلمۃ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں اسلام کو قائم اور شجرہ اسلام کو پھلتا پھولتا رکھنا، بلکہ اس کو عالم اسلام میں دینی علوم بالخصوص علم حدیث، اور فکر و دعوت اسلامی کا مرکز بنا دیا (تاریخ دعوت و عزیمت)

حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے، آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے، الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا، الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا اور الف اول میں خود ذات اقدس و اطہر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی، آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گذرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد مجدد نظر آتے ہیں، کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے، کوئی فقہ شافعی کا، کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی تصوف کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدّد ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجددین کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی، اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت تامہ حاصل ہے، آپ سے پہلے کے مجددین کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کیلئے ہوتا تھا، اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لئے ہے

آپ کے سوا دوسرے مجددین کی مجددیت نہ معلوم امت کے کتنے لوگوں کے علم میں نہ آئی، اور نہ معلوم کتنوں کی مختلف فیہ رہی، جو اختلاف کہ معاندانہ یا معاصرانہ ہو تو وہ قطعاً قابل لحاظ نہیں مگر جو اختلاف

کہ شرائط مجددیت کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو وہ بیشک قابل لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کی مجددیت کو ان چیزوں سے بھی محفوظ رکھا، آپ کی مجددیت کا تمام امت کو دنیا کے ہر گوشہ میں علم ہوا اور جو لوگ اس معاملہ میں اہل حل و عقد ہو سکتے ہیں ان سب نے آپ کی مجدّدیت کو تسلیم کیا۔

مجددیت کے لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کو اپنے مجدد ہونے کا علم ہو مگر حضرت امام ربانی کو اپنے مجدد ہونے کا علم قطعی طور پر حاصل تھا

مجدد کی سب سے بڑی پہچان اس کے کارنامے ہیں، حمایت دین، اور اقامت سنت اور ازالۂ بدعت میں اس کی خاص شان ہوتی ہے، غیر معمولی کوشش اس سے ظہور میں آتی ہے اس کی کوشش کا غیر معمولی نتیجہ توقع سے بہت زائد نکلتا ہے۔

حضرت امام ربانی نے کیسی کیسی کوششیں مذکورہ بالا دینی خدمات کے لئے کیں اور کیسا انہماک اور کیسا شغف آپ کو اس میں تھا مکتوبات قدسیہ کو دیکھنے سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، پھر ان کوششوں پر کیسے غیر معمولی ثمرات توقعات سے بدرجہا زائد مرتب ہوئے اس پر عالم اسلامی کی تاریخ ماضی و حال شاہد عدل ہے۔

وفات حسرت آیات:۔

۲۸ صفر سنہ ۱۰۳۴ھ (ایک ہزار چونتیس) میں بعمر ۶۳ سال، اور یہی عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی ہے، اپنے وطن مبارک سرہند میں آپ نے وفات پائی قبر شریف آپ کی زیارت گاہ عالم ہے

وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ برس کی معلوم ہوتی ہے، اتباع سنت میں جس کو اتنا شغف ہو بے اختیاری چیزوں میں منجانب اللہ سنت کی مطابقت اس کو عطا ہوتی ہے۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرہویں شب کو عبادت کیلئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا، یہ سنکر حضرت امام نے فرمایا کہ تم تو بطور شک کے کہہ رہی ہو کیا حال ہوگا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا گیا۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کے سب کام صاحبزادوں کے سپرد کر دیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار و اشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے، سوائے نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے، نفل روزوں کی اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔

وسط ذی الحجہ میں حضرت کو ضیق النفس کی بیماری لاحق ہوئی اور تپ محرقہ شروع ہوئی جو یومًا فیومًا ترقی کرتی گئی، انھیں ایام میں ایک روز فرمایا کہ حضرت پیران پیر کو میں نے دیکھا بڑی مہربانی مجھ پر فرمائی۔

۱۲ محرم الحرام کو فرمایا کہ اب چالیس پچاس دن کے اندر اندر تجھ کو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

جس رات کی صبح کو آپ دنیا سے جانے والے تھے حسب معمول تہجد کی نماز کے لئے اٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھی اور خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمارداری کی بہت تکلیف اٹھائی، اب آج یہ

تکلیف ختم ہے، اخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا، ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب غسل کے لئے لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ نماز کے طریقہ پر ہاتھ باندھے ہوئے بائیں ہاتھ کی کلائی پر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے ہیں، مخدوم زادوں نے انتقال کے بعد ہاتھ پھیلا دیئے، لیکن غسل کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک پہلی ہیئت کے مطابق حالت نماز کی طرح بندھ گئے، یہ حالت آخر تک قائم رہی، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ تبسم فرما رہے ہیں گویا ؎

ہم چناں زی کہ وقت رفتن تو
ہمہ گریاں شوند تو خنداں

ہاتھوں کو کتنا ہی الگ کیا جاتا وہ نماز کی کیفیت میں ایک دوسرے پر خود بخود آجاتے، تجہیز وتکفین کا سامان سب سنت کے مطابق کیا گیا، نماز جنازہ حضرت کے فرزند ثانی حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی، اور اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے، یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے قلب کے انوار وہاں چمکتے ہیں۔

روضۂ مبارک کی تعریف میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی مہاجر مدنی نے چند اشعار نظم فرمائے ہیں جو تبرکاً درج کئے جاتے ہیں،

اے خاک پاک روضۂ عبیری و عنبری ؛ کامل جہاں ز بوی تو مدہوش گشتہ اند
ساقی نشاند بر تو خوش آبے کہ اہل دہر ؛ عاقل بہ پشت آمدہ مخمور رفتہ اند

سرے زخاک خلد تو داری کہ اہل ارض ؛ یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے ترا ز تربت یثرب سرشتہ اند ؛ پنہاں ز روم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
ایں خاک احمدی است بذات احمد نگر ؛ نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
اہلاً و مرحبا پے زوار تو ے ؛ اقفال بعد بر رخ اعدات بستہ اند
یارب مکن خلاص ازیں خاک در مرا ؛ بدحال آں کساں کہ ازیں خاک رفتہ اند
شیرے بخواب ناز بہ پہلوئے دو شبل ؛ یارب چہ رازہاست کہ اینجا نہفتہ اند
تنہا غنی نہ نغمہ مدح تو ساز کرد ؛ کروبیان عرش ہمیں گونہ گفتہ اند

اے روضۂ مبارک کی خاک پاک تو عبیر و عنبر ہے جس کی خوشبو سے سارا عالم مدہوش ہو گیا ہے۔ تم پر ساقی نے ایسا نفیس پانی چھڑکا کہ جب دنیا والے آئے تھے تو باہوش فرد تھے، لیکن جب تیری زیارت کر کے واپس چلے تو مست و مدہوش تھے، تجھ میں سرزمین جنت کا وہ راز پوشیدہ ہے کہ زمین والے تیری ایک ہلکی خوشبو پا کر آسمان پر پہونچ گئے، نہیں نہیں بلکہ تو خاک یثرب سے گوندھی گئی ہے اور شام و روم سب چھپا کر تجھ کو سرہند میں رکھا گیا ہے، یہ خاک احمدی ہے، خدا کی قدرت دیکھو کہ ایک کو نہیں لاکھوں کو اس خاک در سے زندگی ملی۔ تیری زیارت کو آنے والوں کے لئے ہر طرح خوش آمدید ہے، لیکن تیرے دشمنوں کے سامنے بعد دری کے قفل لگا دیئے گئے ہیں (تا کہ وہ نہ آسکیں) خداوند تو مجھ کو اس خاک در سے رہائی نہ دے کیونکہ وہ لوگ بدنصیب ہیں جن کو اس خاک در کی غلامی سے رہائی مل گئی، ایک شیر اپنے دو بچوں کے پہلو میں محو خواب ناز ہے، یارب اس میں کیا راز ہے کہ وہ یہاں پوشیدہ ہیں۔ صرف غنی ہی تیری مدح میں نغمہ سرا نہیں ہے بلکہ کروبیاں عرش میں بھی یہی گفتگو ہے

باقیاتِ صالحات:-

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر باقیات صالحات کا ایک ایسا سلسلہ چھوڑ گئے جو انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہنے والا ہے، اور جس قدر فیوض و برکات اس سلسلہ سے امت مرحومہ کو پہونچے اور پہونچ رہے ہیں، سب کا ثواب آپ ہی کے اعمال نامے میں ہے۔

باقیات صالحات کے سلسلہ میں مختصراً صرف دو چیزوں کا بیان یہاں کیا جاتا ہے، اول آپ کے ذریات طیبات، دوم آپ کے خلفاء

ذرّیاتِ طیّبات:-

آپ کی ذرّیات طیبات کا حال یہ ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی نظر میں ہی ان کو پہچان لیا تھا اور ان کو جواہر علویہ فرمایا تھا، اور لکھا تھا کہ استعداد ہائے عجیب دارند، اسرار الٰہی اند، شجرۂ طیبہ اند، فقراء باب اللہ اند، دلہائے عجیب دارند۔

آپ کے سات فرزند ہوتے، جن میں شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ بچپن میں، اور محمد اشرف حالت شیرخوارگی میں فوت ہوئے، حق تعالیٰ نے آپ کے چار فرزندوں کو عمر عطا فرمائی، اور یہ چاروں ولی، کامل و مکمل تھے فرزند اول خواجہ محمد صادق جو حضرت امام ربانی کے سامنے ہی درجۂ کمال پر پہونچ کر وفات پاگئے، آپ کی وفات کا بڑا صدمہ حضرت کو ہوا، مکتوبات قدسیہ میں اس صدمہ کا اور آپ کے کمالات کا ذکر موجود ہے، آپ کی ولادت

۱۰۰۰ھ اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں ہوئی، افسوس کہ عمر بہت کم پائی یعنی ۲۴ سال کی عمر میں عالم فانی سے رحلت فرما گئے، ان کی وفات کے بعد حضرت امام ربانی ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق، اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور رحمت تھے، چوبیس سال کی عمر میں وہ کچھ پایا کہ بہت کم لوگوں نے پایا ہوگا، علوم نقلیہ وعقلیہ کے درس وتدریس کو حد کمال پہونچا دیا تھا، حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی شرح مواقف اور اسی قسم کی انتہائی کتابیں پڑھاتے ہیں۔

فرزند دوم:۔ حضرت محمد سعید ملقب بخازن الرحمۃ، آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح بچپن ہی سے صلاح وتقویٰ کے پیکر تھے، خود حضرت امام ربانی فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعید چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے غلبہ ضعف کے عالم میں دریافت کیا کہ بیٹا! کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا: حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ) کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہ کو لکھ بھیجے، حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے جواب دیا کہ تمھارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اچک لی۔

آپ جب سن تمیز کو پہونچے تو علوم ظاہریہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے کچھ تعلیم اپنے والد بزرگوار سے کچھ اپنے بڑے بھائی سے اور کچھ شیخ طاہر لاہوری سے حاصل کی۔ اور تحصیل علم کے زمانہ میں ہی حضرت امام ربانی کی توجہ سے سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت سے مشرف ہوئے، آپ کی ولادت ماہ شعبان ۱۰۰۵ھ اور وفات ۲۷ جمادی الاُخریٰ ۱۰۷۰ھ میں ہوئی مزار مبارک سرہند میں ہے۔

فرزند سوم:۔ حضرت خواجہ محمد معصوم ملقب بہ عروۃ الوثقیٰ، طریقہ کی اشاعت

آپ سے بہت زیادہ ہوئی، دہلی کی مشہور مرجع عالم خانقاہ آپ ہی کے سلسلہ کی ہے، آپ کے قدرے تفصیلی حالات خلفاء کے بیان میں آئیں گے ولادت باسعادت ۱۰۰۷ھ اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں ہوئی، مزار مبارک سرہند میں ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

فرزند چہارم :۔ حضرت خواجہ شاہ محمد یحییٰ، حضرت امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۹ سال کی تھی، تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی، وفات ۱۰۹۶ھ میں ہوئی، ان صاحبزادوں کے علاوہ تین صاحبزادیاں تھیں

امام ربّانی کے خلفاء :۔

اب رہا سلسلہ آپ کے خلفاء کا تو حقیقت حال یہ ہے کہ جو حضرات بلاواسطہ آپ کے خلفاء ہیں ان کا شمار نہیں ہوسکا، چہ جائیکہ بالواسطہ خلفاء بھی ان میں شامل کر لئے جائیں، بلاشبہ دنیا کے جس جس گوشہ میں مسلمان آباد ہیں آپ کا سلسلہ بھی وہاں پہونچا، اور پھلا اور پھولا۔

یہاں پر حروف تہجی کے اعتبار سے ان میں سے مشاہیر کی فہرست درج کر دی جاتی ہے، پھر دو اہم ترین خلفاء (حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری) جن سے سلسلہ مجددیہ کی اشاعت سب سے زیادہ ہوئی، کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائیگا۔

(۱) حضرت سید آدم بنوری (۲) مولانا احمد برکی (۳) مولانا احمد دیبنی، (۴) مولانا امان اللہ لاہوری (۵) مولانا بدرالدین سرہندی (۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (۷) شیخ حسن برکی (۸) شیخ حمید بنگالی (۹) حاجی خضر خاں

افغانی (۱۰) میر صغیر احمد رومی (۱۱) شیخ طاہر بدخشی (۱۲) شیخ طاہر لاہوری (۱۳) خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں (۱۴) خواجہ عبد اللہ عرف خواجہ خورد۔ (۱۵) شیخ عبد الحی حصاری (۱۶) مولانا عبد الواحد لاہوری (۱۷) شیخ عبد الہادی فاروقی بدایونی (۱۸) مولانا فرخ حسین ہروی (۱۹) مولانا قاسم علی (۲۰) شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (۲۱) سید محب اللہ مانکپوری (۲۲) شیخ محمد صادق کابلی (۲۳) مولانا محمد صالح کولابی (۲۴) مولانا محمد صدیق کشمی (۲۵) حافظ محمود لاہوری (۲۶) شیخ نور محمد پٹنی (۲۷) مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی (۲۸) مولانا یار محمد قدیم (۲۹) شیخ یوسف برکی (۳۰) مولانا یوسف سمرقندی

حضرت خواجہ محمد معصوم الملقب بہ عروۃ الوثقیٰ

آپ امام ربانی کے تیسرے خلف الرشید اور خلیفہ راشد ہیں، امام ربانیؒ کے فرزندوں میں سب سے زیادہ صورۃً اور معنیً اپنے والد کے مشابہ اور ان میں سب سے زیادہ مشہور اور بابرکت تھے، جب آپ سن تمیز کو پہونچے تو علوم ظاہرہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے، بیشتر کتابیں اپنے والد بزرگوار سے اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں، اور کچھ کتابیں اپنے بڑے بھائی شیخ محمد صادق سے پڑھیں، اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر تحصیل طریقت کی والد ماجد نے بلند مقامات کی بشارت دی، والد ماجد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے۔

شیخ مراد بن عبد اللہ قزانی " ذیل الرشحات " میں لکھتے ہیں کہ آپ اپنے والد ماجد کی طرح اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، آپ نے دنیا کو روشن کر دیا اور اپنے توجہات اور بلند حالات کی برکت سے

جہالت وبدعت کی تاریکیوں کو کافور کردیا، ہزاروں انسان اسرار الٰہی کے محرم ہوئے، اور آپ کے شرف صحبت کے سبب بلند حالات تک پہونچے، نو لاکھ انسانوں نے آپ سے بیعت کی جن میں آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار ہے۔ **سلسلہ مجددیہ معصومیہ** کی زیادہ تر اشاعت ان کے دو فرزندان گرامی حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی اور حضرت خواجہ محمد نقشبند سے ہوئی۔

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی رح:۔

آپ حضرت خواجہ محمد معصوم رح کے خلف الرشید اور خلیفہ راشد ہیں، حضرت خواجہ محمد معصوم کے طریقہ کی اشاعت ان ہی سے ہوئی، خواجہ سیف الدین سرہندی نے اپنے والد ماجد خواجہ محمد معصوم رح کے حکم سے دارالسلطنت دہلی میں طرح اقامت ڈالی، آپ کے ہاتھوں اس مرجع عالم خانقاہ کی بنیاد پڑی۔

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی کا خاص ذوق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تھا، اسی بناپر ان کے والد ماجد نے ان کو محتسب الامت کا خطاب دیا، نہایت قوی التاثیر صاحب جذب وتصرف تھے، لوگ ایک اضطراب واستغراق کی حالت میں ان کی خانقاہ میں پڑے رہتے تھے، رجوع عام کا یہ حال تھا کہ روزانہ چودہ سو آدمی دونوں وقت ان کے مطبخ سے اپنی خواہش اور ذوق کے مطابق کھانا پاتے تھے، ان کی ولادت سنہ ۱۰۴۹ھ میں اور وفات سنہ ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔

⁂

سید نور محمد بدایونیؒ :-

خواجہ سیف الدین کے بعد ان کے خلیفہ سید نور محمد بدایونیؒ نے ان کی جگہ کو آباد اور ان کی خانقاہ کو نور محمدی سے منور رکھا، ان کی وفات ۱۱۳۵ھ میں ہوئی۔

مرزا مظہر جانِ جاناں :-

حضرت سید نور محمد بدایونی کے خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ تھے، جنھوں نے ۳۵ سال تک اپنے انفاسِ قدسیہ سے دلوں کو گرم و منور رکھا، ان کی ولادت ۱۱۱۱ھ اور وفات ۱۱۹۵ھ میں ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلفاء میں حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچی مصنف "معمولات مظہریہ" اور بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مصنف "التفسیر المظہری"، "و مالا بد منہ"، اور مولانا غلام یحییٰ بہاری جیسے سر آمد روزگار علماء و مشائخ تھے لیکن مرزا صاحب کے سلسلہ بلکہ طریقہ مجددیہ کی عالمگیر اشاعت ان کے خلیفہ ارشد حضرت شاہ غلام علی بٹالوی کے لئے مقدر تھی۔

حضرت غلام علی بٹالویؒ :-

آپ مرزا مظہر جان جاناں کے ارشد خلفاء میں سے ہیں اور مرزا صاحب کے سلسلہ بلکہ طریقہ مجددیہ کی عالمگیر اشاعت ان ہی کے ذریعہ ہوئی، آپ کا اصل نام عبداللہ تھا، شاہ غلام علی کے نام سے شہرۂ آفاق ہوئے

آپ درحقیقت تیرہویں صدی میں سلوک الی اللہ اور تزکیہ واحسان کے مجدد ہیں۔ جن پر عجم و عرب کے طالبین نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، ہندوستان کا کوئی ایسا شہر نہ ہوگا جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو، صرف ایک انبالہ شہر میں آپ کے پچاس خلفاء تھے، سرسید احمد خاں مرحوم، "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں۔

"میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر، چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی، اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے، حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہ رہتا تھا، اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔

حضرت شاہ غلام علی کے بڑے بڑے جلیل القدر خلفاء ہوئے ہیں، لیکن ان کے سلسلہ کی اشاعت شاہ احمد سعید بن شاہ ابوسعید سے ہوئی۔

حضرت شاہ احمد سعیدؒ:۔

آپ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے اصل جانشین اور ان کے

سلسلہ کو چار دانگ عالم میں پھیلانے والے ہیں، آپ شاہ ابو سعید مجددیؒ کے صاحبزادے ہیں، آپ نے اپنے والد حضرت شاہ ابو سعید کی وفات کے بعد ۱۲۵۰ھ میں حضرت شاہ غلام علی اور اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے سجادہ کو رونق بخشی، اور ۲۳ برس تک سلسلہ مجددیہ کی اشاعت میں سرگرم رہے اور ۱۸۵۷ء میں مجبوراً ہندوستان کو اور اپنے آباؤ اجداد کی خانقاہ کو خیرباد کہا۔ اور محرم ۱۲۷۴ھ میں دہلی سے روانہ ہوکر اسی سال شوال میں مکہ مکرمہ پہونچے، پھر مدینہ طیبہ میں مستقل طور پر اقامت اختیار کی اور دو سال بقید حیات رہ کر وہیں آسودۂ خاک ہوئے، دو سال کے اس قلیل عرصہ میں ترک اور عرب سینکڑوں کی تعداد میں آپ سے بیعت ہوئے

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے خلفاء کا استقصاء بہت دشوار ہے "مناقب احمدیہ میں اسی حضرات کے نام مذکور ہیں ہندوستان میں ان کے سلسلہ کی اشاعت شیخ دوست محمد قندھاری کے ذریعہ ہوئی، جن کے خلیفہ اعظم خواجہ عثمان دامانی نے ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے قصبہ موسیٰ زئی میں بیٹھ کر فضاء کو عشق کی حرارت سے معمور و مخمور کردیا، ان کے خلیفہ اعظم خواجہ سراج الدینؒ نے اس سلسلہ کو دور تک پہونچایا، اسی طریقہ سے حضرت شاہ احمد سعید صاحبؒ کے سلسلہ کی اشاعت ان کے تین صاحبزادے اور برادر خورد شاہ عبدالغنی صاحب سے ہوئی۔

شاہ عبدالرشید صاحب، شاہ محمد مظہر صاحب، شاہ محمد عمر صاحب:-

یہ تینوں حضرات شاہ احمد سعید صاحبؒ کے فرزندان ہیں اور خلفاء بھی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ ہندوستان میں ان کے سلسلہ کی اشاعت ہوئی،

شاہ احمد سعید صاحب کے چھوٹے فرزند شاہ محمد عمر صاحب کے صاحبزادہ حضرت
شاہ ابوالخیر مجددی تھے جن سے دوبارہ خانقاہ آباد ہوئی۔

حضرت شاہ عبدالغنی رحؒ

آپ حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے چھوٹے بھائی اور خلیفہ راشد ہیں
جنھوں نے درس حدیث اور سلوک و تصوف کو اس طرح جمع کیا جس کی نظیر
حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی ذات کو مستثنیٰ کر کے ملنی مشکل ہے۔
شیخ کامل ہونے کے ساتھ وہ حدیث میں استاذ الہند اور شیخ وقت
تھے جن کے حلقۂ تدریس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اور مولانا رشید احمد
گنگوہی رح جیسے علماء اعلام تیار ہوئے، ہندوستان میں حدیث کا سکہ رواں
ہوا اور دیوبند اور مظاہر علوم جیسے عظیم مدارس درس حدیث کے مرکز قرار
پائے، ۱۸۵۷ء میں وہ بھی اپنے برادر معظم کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت
کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کی اور حرمین شریفین
میں مدت العمر خدمت حدیث میں مشغول رہے، اور عرب و عجم کو فیض پہونچا کر بقیع
میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ اور وفات ۱۲۹۶ھ
میں ہے۔ شاہ عبدالغنی صاحب کے تین نامور خلفاء ہوئے۔

(۱) مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی جو صاحب الدلائل کے نام سے
مشہور ہیں، ان کی وفات ۱۳۳۳ھ میں ہے۔

(۲) شاہ ابو احمد مجددی بھوپالی، جن کی وفات ۱۳۴۲ھ میں ہے

(۳) حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی مہتمم اول دارالعلوم دیوبند، وفات
۱۳۰۸ھ میں ہوئی، ان ہی کے خلیفہ راشد حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی

تھے جن کی وفات ۱۳۴۷ھ میں ہے، ایک عرصہ دراز تک حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی سے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کو رونق رہی ہے۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے ہندوستان سے ہجرت کر جانے کے بعد یہ خانقاہ والاشان جو نصف صدی سے زائد مدت تک آباد و معمور تھی خالی ہو گئی، بالآخر اسی خاندان والاشان کے چشم و چراغ اور اس سلسلہ کے ایک جلیل القدر شیخ حضرت شاہ ابوالخیر مجددی نے جو شاہ احمد سعید صاحب کے صاحب نسبت و باکمال پوتے تھے اس کو آباد کیا، اور جلد وہ خانقاہ مرجع خلائق بن گئی۔

شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددیؒ:۔

آپ شاہ ابوالخیر مجددی کے فرزند اور خلیفہ تھے، آپ کے بعد آپ کے پوتے شاہ انس مجددی خانقاہ کے جانشین ہیں اور اس وقت خانقاہ انھیں سے آباد و معمور ہے

حضرت خواجہ محمد نقشبند المعروف بہ حجۃ اللہ نقشبند:۔

حضرت خواجہ محمد معصوم الملقب بہ عروۃ الوثقیٰ کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد نقشبند جو حجۃ اللہ نقشبند کے نام سے مشہور ہیں، حضرت خواجہ محمد معصوم نے ان کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا تھا، اور ان کی وفات کے بعد وہ ہمہ تن ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے، ولادت ۱۰۳۴ھ اور وفات ۱۱۱۴ھ میں ہے۔

۞

خواجہ محمد زبیرؒ:-

آپ خواجہ محمد نقشبند کے خلفاء میں تھے، آپ خواجہ محمد معصوم رح کے پوتے ہوتے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے خواجہ محمد زبیر بن ابی العلاء بن خواجہ محمد معصومؒ، آپ کی وفات ۱۱۵۱ھ میں ہے، آپ کی طرف طالبین کا ایسا رجوع ہوا جو اس عہد میں کمتر کسی طرف ہوا ہو گا، جب آپ مکان سے مسجد تشریف لاتے تھے تو امراء اپنے دوشالے اور پگڑیاں مکان سے مسجد تک بچھاتے تھے تاکہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑے،

خواجہ محمد زبیر رح نے بڑے بڑے خلفاء یادگار چھوڑے ان میں تین مشہور ہوئے۔

(۱) حضرت شاہ ضیاء اللہ جن کے خلیفہ شاہ محمد آفاق ہیں۔
(۲) حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیب جن کے فرزند و خلیفہ خواجہ میر درد دہلوی ہوئے
(۳) حضرت خواجہ عبدالعدل جن کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی ہیں جو مترجم قرآن و فرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ:-

آپ حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کے نامور خلیفہ راشد ہیں، آپ بڑے پایہ کے بزرگ، شیخ طریقت و صاحب نسبت تھے، حضرت شاہ غلام علیؒ فرماتے تھے کہ جس نے نسبت مجددی مجسم نہ دیکھی ہو وہ حضرت خواجہ ضیاء اللہ صاحبؒ کو دیکھے۔

☫

حضرت شاہ محمد آفاق رحؒ

آپ حضرت خواجہ ضیاء اللہ رحؒ کے خلیفہ ارشد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبول عام عطا فرمایا، اور شہرۂ آفاق بنایا، دہلی سے کابل تک لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا، کابل تشریف لے گئے تو زماں شاہ، شاہ افغانستان نے بیعت کا شرف حاصل فرمایا۔

اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحؒ

آپ حضرت شاہ محمد آفاق رحؒ کے خلیفہ ارشد تھے، جن کے ذریعہ ارشاد و اصلاح کا عظیم کارنامہ انجام پایا، جن کے جذب قوی، نفس گرم، زہد و تجرید، اتباعِ شریعت، علمِ سنت و حدیث اور عشقِ الٰہی وحب نبوی نے نصف صدی سے زائد تک ہندوستان و بالخصوص شمالی ہند کی فضا کو گرم اور منور رکھا، اور خود انھیں کے الفاظ میں عشق کی دکان کی گرم بازاری رہی۔

مولانا حکیم سید عبدالحی مصنف "نزہۃ الخواطر" تحریر فرماتے ہیں۔

"عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، اور تحائف و ہدایا کی بارش ہوئی، بڑے بڑے امراء اور رؤساء دور دراز اور دشوار گذار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوتے اور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی، اور ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی جو اس زمانہ میں کسی شیخ طریقت کو حاصل نہیں تھی۔

جہاں تک آپ کے کشف و کرامت کا تعلق ہے وہ حد تواتر کو پہونچ گئی ہیں اور اس بارے میں اولیاء متقدمین میں بھی سیدنا عبدالقادر جیلانی رحؒ کے

علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت مولانا سیّد محمّد علی مونگیری رح:۔

آپ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رح کے نامور خلیفہ راشد تھے، آپ کے ذریعہ ان کے سلسلہ کی اشاعت سب سے زیادہ ہوئی، اپنے شیخ ہی کی اجازت اور حکم سے، بہار کے ضلع مونگیر کو اپنی دعوت وتبلیغ اور ارشاد واصلاح کا مرکز بنایا اور خانقاہ رحمانی کی بنیاد ڈالی جو آج بھی معمور وآباد ہے، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کے بانی اور اول ناظم ہیں، آپ کے خلیفہ راشد آپ ہی کے فرزند ارجمند حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رح تھے، اور اس وقت خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین حضرت امیر شریعت کے صاحبزادۂ محترم اور خلیفہ راشد حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم ہیں۔

سلسلۂ احسنیہ کے بانی حضرت سیّد آدم بنوریؒ اور ان کے مشائخ کبار

شیخ کامل، عارف باللہ، ولی کبیر، حضرت آدم بنوریؒ بن اسمٰعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی کاظمی بنوری، آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ان خلفاء کبار میں سے ہیں جن سے ان کے سلسلہ کی اشاعت ہوئی، آپ نے حضرت مجدّد الف ثانی رح کے ایک مرید حاجی خضر خاں افغانی سے ملتان میں روحانی استفادہ کیا، اور ان کے حکم سے

حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر طریقت کی تحصیل کی، آپ سے ایک خلق نے استفادہ کیا، آپ سے چار لاکھ مسلمانوں نے بیعت کی، اور ان میں سے ایک ہزار نے علم و معرفت کا وافر حصہ پایا۔

آپ کے والد ماجد کو خواب میں آپ کی پیدائش کی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ملی تھی، سرہند کے قریہ بنور میں آپ کی ولادت و نشو و نما ہوئی، آپ نے ۲۳ شوال المکرم ۱۰۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا، اور جنت البقیع میں قبر سیدنا عثمان رضؓ کے پاس دفن ہیں۔

حضرت سیدآدم بنوری رحؒ اگرچہ حضرت مجدد کے طریقۂ عالیہ کے خوشہ چیں اور ان کے آغوش تربیت کے پروردہ ہیں لیکن اپنی استعداد عالی اور فطرت ارجمند کی بنا پر سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ میں بھی ایک خاص رنگ کے حامل اور ایک ذیلی طریقہ کے بانی ہیں، جس کو بہت سی مجتہدانہ خصوصیات کی بنیاد پر "طریقہ احسنیہ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اور آپ کے سلسلہ میں ہندوستان کے ممتاز ترین علماء، محدثین، اساتذۂ وقت، ناشرینِ کتاب وسنت، داعی و مصلح، عظیم مدارس دینیہ کے بانی اور مصنف و محقق آئے، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز، داعی الی اللہ و مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ، اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ مسند الہند حضرت اسحاق دہلوی، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، اسی "سلسلہ احسنیہ" کے شیوخ کبار کے ذریعہ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل اور اس میں صاحب اجازت و خلافت ہیں، حضرت سیدآدم بنوریؒ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ تھی جن کا استقصاء بہت مشکل

ہے، لیکن ان کے سلسلہ کی اشاعت حسب ذیل چار خلفاء سے ہوئی۔

۱۔ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی ولادت ۱۰۳۳ھ اور وفات ۱۰۹۲ھ

۲۔ حضرت شیخ سلطان بلیادی۔

۳۔ حضرت حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی۔

۴۔ شیخ محمد شریف شاہ آبادی

حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی اور سلسلۂ ولی اللٰہیہ:۔

حضرت سید آدم بنوریؒ کے تیسرے خلیفۂ ارشد جن سے ان کے سلسلہ کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی تھے، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی انھیں کے خلیفہ اور تربیت یافتہ تھے، حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کا سلسلہ جس میں حضرت سید احمد شہید اور پھر ان کے توسط سے حضرت عبدالرحیم شہید ولایتی، میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ اور ان کے توسط سے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پھر حضرت تھانویؒ کے توسط سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ، حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا ابرارالحق صاحب وغیرہم، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے توسط سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

حضرت شاہ عبدالرحیم کے خلفاء میں حضرت شاہ مولانا عبدالقادر رائپوری رح اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانی تبلیغ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو سلسلۂ احسنیہ مجددیہ سے انتساب ہے، اور وہ اس طریقہ میں مجاز و صاحب ارشاد ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام ربانی
شیخ عبد الحق محدث دہلوی

آپ اپنے وقت کے امام ربانی، مصلح اعظم، محی سنت، قاطع بدعت محقق بے مثال، مصنف با کمال اور گیارہویں صدی ہجری کے عظیم محدث تھے

ولادت:۔

آپ کی ولادت اسلام شاہ سوری کے زمانہ میں ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۲ء میں دار السلطنت دہلی میں ہوئی۔ آپ کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے، ان کے اجداد میں سب سے پہلے آغا محمد ترک تیرہویں صدی عیسوی یعنی سلطان علاء الدین خلجی کے دور حکومت میں ۶۹۶ء میں ہندوستان تشریف لائے، سلطان نے ان کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کو اپنے امراء کی جماعت کے ساتھ گجرات کی مہم پر روانہ کر دیا، آغا محمد گجرات کی فتح کے بعد وہیں مقیم ہو گئے۔ آغا محمد ترک کے ایک سو ایک بیٹے تھے لیکن ایک حادثہ میں سو لڑکے فوت ہو گئے اور صرف ایک لڑکا معز الدین باقی بچا اور اس سے اس خاندان کا سلسلہ چلا، اس صدمہ سے نڈھال ہو کر آغا محمد ترک پھر واپس دہلی تشریف لاتے اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہو گئے۔

۱۷ ربیع الآخر ۷۳۹ھ کو آپ نے وفات پائی اور وہیں مدفون

ہوئے، ملک معز الدین سے ہی اس خاندان کا سلسلہ چلا، ان کے بعد ان کے بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی عزت وشہرت حاصل کی، ان کے کئی بیٹے تھے، ان کے بیٹے شیخ فیروز نے خاندان کو چار چاند لگا دیئے، تمام علوم میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے، شیخ فیروز ۸۶۰ھ میں بہرائچ کے کسی معرکہ میں شہید ہوئے، جب ان کی بیوی حاملہ تھیں، کچھ روز کے بعد ان سے شیخ سعداللہ حضرت شیخ کے دادا پیدا ہوتے اور اپنے زمانے کے کامل شیخ ہوئے، ۲۲؍ ربیع الاول ۹۲۸ھ کو ان کا انتقال ہوا، اور انھوں نے اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے، شیخ رزق اللہ اور شیخ سیف الدین۔

انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر ۸؍ سال تھی، اور پھر یہی آٹھ سالہ بچہ دہلی کا نہایت باعزت انسان کہلایا اور پھر اسی کے گھر میں علم کا وہ آفتاب طلوع ہوا جس کو آج ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تعلیم و تربیت:

آپ تین سال ہی کے تھے کہ آپ کے والد ماجد نے بڑی شفقت سے آپ کی پرورش اور تربیت کا اہتمام کیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے دل میں علم کی لگن اور ذہن میں علم کے صحیح نظریئے بھی قائم کر دیئے۔

ابتدائی تعلیم قرآن پاک کی آپ نے خود ہی دلائی، جسکی برکت یہ تھی کہ صرف تین ماہ میں حضرت شیخ نے پورا کلام پاک ختم کر لیا، اس کے بعد آپ ایک ماہ میں لکھنا سیکھ گئے، اس قدر کم عرصہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لینا حضرت شیخ کی غیر معمولی ذہانت کی دلیل ہے۔

اس کے بعد والد کی زیر سرپرستی آپ نے فارسی عربی کی تعلیم شروع کی، آپ نے جس علم کی طرف بھی توجہ کی بہت جلد اس کو حاصل کرلیا، بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی اور پندرہ سولہ سال میں مختصر و مطول غرض اٹھارہ برس کی عمر میں آپ تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ حاصل فرما چکے تھے، اس دوران میں آپ نے علمار ماورالنہر سے بھی اکتساب علم کیا۔

عبادت و ریاضت کی ابتداء

شیخ رح نے ابتدا ہی سے علومِ ظاہر کے ساتھ علوم باطن کا بھی پورا خیال رکھا، شیخ سیف الدین نے ان کے قلب میں عشقِ حقیقی کے ایسے جذبات پھونک دیئے تھے جو آخر عمر تک ان کے قلب و جگر کو گرماتے رہے، اور عبادت و ریاضات کے ساتھ اپنے وقت کے علماء و مشائخ کی صحبت میں رہنے لگے، عام لوگوں کی صحبت اور میل جول سے ہمیشہ متنفر رہے، یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا، جب کہ شرع کی بے حرمتی اور بدعات اپنے عروج پر تھیں، اکبر بادشاہ اور اس کے امرار نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ لگ جائیں، لیکن جس کی قسمت میں تجدید علوم اسلامی اور ترویج شرع لکھی ہوئی تھی وہ اس ماحول میں کیسے ٹھہر سکتا تھا، اس دور کے مذہبی حالات سے گھبرا کر شیخ حجاز تشریف لے گئے۔

شیخ محدث رح کا سفر حجاز:

حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں براہِ مالوہ و گجرات و احمد آباد ۹۹۶ھ ۱۵۸۷ء میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے اور رمضان

سے کافی عرصہ قبل آپ مکہ معظمہ پہونچ گئے تھے، چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ میں انھوں نے وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری و مسلم کا درس لیا اور پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں انھوں نے علم کی تکمیل کرائی اور سلوک طریقت کی راہوں سے آشنا کیا، شیخ کی انتہائی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو ایسا رہبر کامل مل گیا، غرض شیخ عبدالوہاب متقی سے پورا پورا اکتساب علم کیا اور ان سے حد درجہ متأثر ہوئے انھی کے ساتھ رمضان گذارنے کے علاوہ فریضۂ حج بھی ساتھ ادا کیا، بعد ازاں آپ اپنے شیخ کے حکم سے ان کے زیر نگرانی حرم کے ایک حجرہ میں عبادت و ریاضت کرتے رہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو عشق تھا، جب دیار محبوب میں پہونچے تو برہنہ پا ہو جاتے، چار بار زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور حجاز میں تین سال قیام فرمایا۔

حجاز سے ہندوستان کو واپسی:

علم و عمل کی تمام وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے شیخ عبدالحقؒ کو واپس ہندوستان جانے کا حکم فرمایا، لیکن حضرت شیخ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی، لیکن شیخ کے حکم سے مجبور ہو گئے اور یہ ارادہ کیا کہ بغداد کے راستہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار کی زیارت کر کے ہندوستان واپس ہو جاؤں، لیکن شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہ سے اجازت نہیں دی، آخر شوال ۹۹۹ھ میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لئے اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

شیخ محدثؒ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے، یہاں آکر دیکھا تو اکبر کے مذہبی افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے، اسلامی شعار کی کھلی تضحیک کی جا رہی تھی، ایسے روح فرسا حالات میں شیخ عبدالحقؒ نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی، اور قرآن و حدیث کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔

بیعت وخلافت:۔

شیخ نے ابتداء میں اپنے والد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، حضرت سید موسیٰ گیلانیؒ جو سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ تھے ان سے شیخ محدثؒ کو بہت عقیدت تھی چنانچہ ۶؍ شوال ۹۸۵ھ میں سید موسیٰ سے وابستہ ہوئے، اور انھوں نے اپنی خلافت سے نوازا۔

شیخ عبدالوہاب متقی سے مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی جن سے شیخ کی ملاقات کا ذکر اوپر گذر چکا، حضرت خواجہ باقی باللہؒ مشہور ترین بزرگ تھے جن کی پوری زندگی احیاء سنت و اماتت بدعت میں گذری، شیخ محدثؒ نے آپ کے دست حق پرست پر بھی بیعت کی۔

آپ کے علمی واصلاحی کارنامے :-

معارج الولایت میں شیخ محدث کے متعلق لکھا ہے

"در دفع زندقہ والحاد میکوشد۔"

چنانچہ شیخ کی خدمات، اصلاح رسم ورواج امات بدعت وضلالت کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مجدد الف ثانی کے سامنے جتنے فتنے تھے، جس کے تذکرے مجدد الف ثانی کے حالات میں آئے ہیں وہی سارے فتنے شیخ محدث کے سامنے بھی تھے، شیخ محدث کی تصانیف کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے بھی ہر اس گمراہی کی نشاندہی کی ہے، جس کے خلاف مجدد صاحبؒ نے آواز اٹھائی تھی، حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے لیکن مختلف انداز میں، مجدد صاحب کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور برہم زنی کے نعرے ہیں، تو شیخ محدث کے یہاں بھی ماحول سے سخت نفرت اور احیاء سنت کا غیر معمولی جذبہ ہے، مجدد صاحبؒ کی طرح وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات نہیں کہتے، لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدّد صاحب نے کہا ہے۔

(۲) علم حدیث میں شیخ کے انہماک کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ بدعت وگمراہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے خلاف اگر کوئی دیوار کھڑی کی جاسکتی ہے تو وہ صرف علوم حدیث کی اشاعت ہے، ان کے ایک معاصر میر عبدالاولؒ نے لکھا ہے۔

"جہت حفظ امن وعافیت ودفع مرض فتنہ اشتغال بہ علوم حدیث واجب دید وضرر سموم حوادث را باین تریاق فاروق بمندفع گردانید۔"

اور خود ان کا بھی عقیدہ تھا، اسی کے ماتحت انھوں نے حدیث کے خزانوں کو عوام کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔

(۳) مدارج النبوۃ کی تصنیف سے شیخ کا مقصد یہ تھا کہ عہد اکبر کے فتنوں کا سدّباب ہو سکے۔

(۴) عہد اکبری کا ایک زبردست فتنہ نظریۂ الفی تھا، یہ خیال عوام میں پھیلایا جا رہا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ہزار سال تھی، اس مدت کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ احکام اسلامی اور شریعت اسلامی کے اتباع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ شیخ محدث نے نہایت شد و مد اور قوت استقلال کے ساتھ اس غلط نظریہ کی تردید کی، اور بتایا کہ احکام اسلامی ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے ہیں ان کے لئے زمان و مکان کی پابندیاں بے معنی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور ترویج علوم حدیث

اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق رح کی خدمات مختصراً مندرجہ ذیل ہیں

(۱) ایک ایسے دور میں جبکہ علم حدیث شمالی ہندوستان میں تقریباً ختم ہو چکا تھا انھوں نے اپنی مسلسل اور پرخلوص جد و جہد سے اس کو ازسرنو زندہ کیا۔

(۲) کتب احادیث کو اپنے زمانے کے نصاب و منہاج کا ایک لازمی جزو بنا دیا، خود انھوں نے اپنے مدرسہ میں کتب حدیث کے باقاعدہ درس کی ابتدا کی، ان کے بیٹے اور پوتوں نے اپنے مدرسہ کی اس خصوصیت کو برقرار رکھا۔

(۳) فارسی زبان میں کتب احادیث کی منتقل کرنے کی باقاعدہ کوشش

کی، اور اس طرح علوم دین کے وہ خزانے جو عوام کے دسترس سے باہر تھے ہر کہ ومہ کے لئے کھل گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں،

"حضرت شاہ عبدالغنی محدث جس دور علم و تعلم کے بانی ہوئے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ علم حدیث کے متعلق فارسی زبان میں جو ملک کی عام زبان تھی تصنیف وتالیف کی بنیاد ڈالی گئی"۔

عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے میں شیخ محدثؒ کو بڑی مہارت تھی، نواب صدیق حسن خان کا خیال ہے "در ترجمہ عربی بفارسی یکے از افراد ایں امت است مثل او دریں کاروبار خصوصاً دریں روزگار احدے معلوم نیست"۔

(۴) شیخ محدثؒ نے مشکوٰۃ پر خاص توجہ کی، ان کو مشکوٰۃ سے وہی تعلق تھا جو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو مؤطا امام مالک سے تھا، انھوں نے مشکوٰۃ کی شرح عوام و علماء کی ضروریات کے پیش نظر عربی اور فارسی دونوں زبان میں لکھی تھی، اسی طرح شاہ ولی اللہؒ نے مؤطا کی شرح (مصفی اور مسوی) فارسی اور عربی میں لکھی۔

(۵) مشکوٰۃ کو دیگر کتب احادیث پر ترجیح دینے کے اسباب یہ تھے (۱) مشکوٰۃ میں صحاح کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں (۲) مشکوٰۃ کی ترتیب بہت اعلیٰ ہے (۳) جامعیت کے اعتبار سے مشکوٰۃ کی خاص اہمیت ہے (۴) مشکوٰۃ صرف صحابی کا نام اور کتاب کا ذکر کرتا ہے مکمل سلسلۂ اسناد بیان نہیں کرتا، اس طرح مبتدیوں کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہوگیا ہے پڑھنے والے کی توجہ حدیث کے مضمون پر مرتکز ہو جاتی ہے اور وہ اسناد

کے الجھنوں سے آزاد ہوجاتا ہے
۵ مشکوٰۃ پر شافعیت کا رنگ زیادہ اجاگر محسوس ہوتا ہے، شیخ عبدالحق نے اپنی شرح لکھ کر اس کو حنفیت کا رنگ دیدیا۔
۶ علم حدیث کی ترقی کے لئے ضروری تھا کہ حجاز اور وہاں کے محدثین سے براہِ راست تعلق پیدا کیا جائے، شیخ عبدالحق نے علم حدیث حجاز میں حاصل کیا، اس کے بعد ہندوستان میں محدث بننے کے لئے حجاز میں قیام اور علماء حجاز سے استفادہ ضروری سمجھا جانے لگا، ہندوستان میں علم حدیث کے سلسلہ میں بیشتر روایات شیخ محدث ہی نے قائم کیں، ان روایات پر شاہ ولی اللہ دہلوی نے نہ صرف پوری طرح عمل کیا بلکہ پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور فقہ و حدیث میں تطبیق

شیخ عبدالحق دہلوی کی علمی خدمات کا ایک اہم اور شاندار پہلو یہ ہے کہ انھوں نے تقریباً نصف صدی تک فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش کی اس مسئلہ پر شیخ محدث کے افکار و رجحانات کا خلاصہ اسطرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۱) فقہ اسلامی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جانی چاہیئے، اسلئے کہ اس کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے، اور وہ ایک ایسی روح کی پیداوار ہے جس پر اسلامی رنگ چڑھ چکا تھا۔

(۲) فقہ حنفی پر یہ اعتراض درست نہیں کہ وہ محض قیاس اور رائے کا نام ہے اس کی بنیاد محکم طور پر حدیث پر ہے۔

(۳) مشکوٰۃ کا گہرا مطالعہ فقہ حنفی کی برتری کو ثابت کرتا ہے۔

(۴) فقہ حنفی کو دیگر مذاہب پر ترجیح دینے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ انصاف سے بہت قریب معلوم ہوتی ہے، اور بفہم زود تر در آید۔

(۵) ایک ایسے دور میں جب کہ مسلمانوں کا سماجی نظام نہایت تیزی سے انحطاط پذیر ہو رہا تھا، جب اجتہاد گمراہی پھیلانے کا دوسرا نام تھا، جب علماء کی حیلہ بازیوں نے بنی اسرائیل کی حیلہ باز فطرت کو شرما دیا تھا اگر کوئی راہ عافیت کی ہو سکتی تھی تو وہ تقلید کی تھی

مضمحل گردد چو تقویم حیات ؛ ملت از تقلید می گیرد ثبات

راہ آبار و کہ ایں جمعیت است ؛ معنی تقلید ضبط ملت است

اجتہاد اندر زمان انحطاط ؛ قوم را برہم ہمی پیچد بساط

ز اجتہاد عالمان کم نظر ؛ اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

فقہ و تصوّف میں ارتباط اور حقیقی تصوف کی حمایت

حجۃ الاسلام علامہ ابن قیمؒ نے اعلام میں لکھا ہے لابد من امرین احدھما اعظم من الاخر وھو النصیحۃ للہ ولرسولہ وکتابہ وتنزیہہ عن الاقوال الباطلۃ المناقضۃ والثانی معرفۃ ائمۃ الاسلام ومقادیرھم وحقوقھم ومراتبھم وان فضلھم لا یوجب قبول کل ما قالوا، ولا یوجب اطراح اقوالھم۔

یعنی صحیح راہ حق و اعتدال کی یہ ہے کہ دو اصل ہیں، اور دونوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ایک یہ کہ ہر حال میں کتاب و سنت اور نصوص شرعیہ کو مقدم رکھنا چاہئے، اور اسی پر حکم و عمل کرنا چاہئے، دوسری یہ کہ تمام ائمہ اسلام اور علماء حق سے حسن ظن اور محبت و ارادت رکھنی چاہئے

اور ان کے مراتب و حقوق کی رعایت سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئے، تصوف کے معاملہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رہ کا مسلک بالکل یہی تھا، وہ ائمہ اسلام صوفیہ صافی اور علمار حق کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ شریعت و سنت کو سب پر مقدم جانتے تھے، اور اس معاملہ میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت جائز نہیں سمجھتے تھے، اس ضمن میں ان کی خدمات اور عقائد کا نچوڑ یہ ہے۔

(۲) حقیقی تصوف اسلام کی روح اور ایمان کی جان ہے، اس کی اساس و بنیاد شریعت و سنت ہے، مسخ شدہ تصوف کا رد و انکار جس قدر ضروری ہے حقیقی تصوف کی حمایت اسی قدر لازمی ہے، شیخ عبداللہ نیازی رہ کو اس سلسلہ میں انھوں نے تفصیل سے اپنے خیالات سے آگاہ کیا ہے۔

(۳) صوفیہ صافی۔ اسلام کی دینی تاریخ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔

اصل عنوان صوفیہ مرتبہ عظیم و مقام رفیع و مسلک طریق مستقیم است۔

انوار سنت اور مکاشفات سر حقیقت ہیں، انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن و حدیث کے بعد سب سے زیادہ عزت و احترام کے قابل ہے، اسلئے اس کا ایک ایک حرف اس ذہن کی پیداوار ہے جس پر قرآن و حدیث کا رنگ خوب رچ چکا تھا، فرماتے ہیں اگرچہ علم تفسیر و حدیث بالذات برہمہ مقدم است، اما در حقیقت تصوف تفسیر کتاب خدا و شرح سنت رسول و مداول و نتیجہ آنہا است

(۴) شریعت و طریقت میں فرق کرنا گمراہی کی دلیل ہے، جو لوگ شریعت پر عامل نہیں وہ صوفیہ کہلانے کے مستحق نہیں، انھیں باطنیہ یا حشویہ کہنا چاہئے، بزرگوں سے ان کی نسبت صحیح نہیں۔

فرماتے ہیں، حاشا للہ کہ ایشاں را با پیراں نسبتے و پیراں را با ایشاں عنایت باشد پیران اہل حق اند و از ارباب صدق از اہل بطلان و کذب کہ راضی شوند۔

شیخ محدث کا اعتقاد تھا کہ کل حقیقۃ ردتھا شریعۃ فھی زندقۃ جو حقیقت شریعت کو رد کردے وہ زندقہ ہے، انھوں نے خواجہ جنید بغدادیؒ کے اس قول پر اپنے فکر کی عمارت تعمیر کی تھی۔

"بنائے طریقت ما بر کتاب و سنت است و ہرچہ مخالف کتاب و سنت است و مصادم از آنست مردود و باطل است"

(۵) شیخ محدثؒ کے زمانے میں صوفیہ و مشائخ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت سے بے توجہی برت رہے تھے، اور مشائخ متقدمین کا سارا نظام اصلاح و تربیت بے روح و بے جان ہو چکا تھا۔ فرماتے ہیں۔

ایں نوع تربیت دریں زماں منعدم شدہ و انقطاع پذیرفتہ است،

اس لئے شیخ محدثؒ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ ہم عصر مشائخ کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ شیخ کے لئے ضروری ہے کہ مریدوں کی باطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا سب سے اہم کام سمجھ کر انجام دے۔

(۶) شیخ محدثؒ کا ابتدائی زمانہ جس ماحول میں گذرا تھا اس پر وحدۃ الوجود کا رنگ غالب تھا، ان کے والد ماجد شیخ امان پانی پتیؒ کے مرید تھے اور اس مسئلہ پر ایمان رکھتے تھے، جب شیخ محدثؒ حجاز سے واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ وحدۃ الوجود کی مخالفت نہایت شد و مد سے کر رہے ہیں، شیخ محدثؒ نے ان حالات میں اعتدال کی راہ اختیار کی، نہ انھوں نے حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی خیالات کی تردید کی اور نہ ان کی تصانیف کا درس دیا، اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی طرح وہ یہ کہتے تھے کہ،

شیخ اکبرؒ کی تصانیف میں زہر بھی ہے اور قند بھی جو ان دونوں میں تمیز کر سکے وہ ان کی تصانیف کو ضرور پڑھے۔

(٦) ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تصانیف کی طرف سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہی نے توجہ فرمائی، اور ان کے ترجمہ کر کے تصوف کے اعلیٰ خیالات کی ترویج و تبلیغ میں معاون ہوئے۔

تصانیف

آپ کی کل تصانیف کی تعداد ساٹھ ہیں، ان تصانیف کے موضوع مختلف ہیں لیکن مقصد ایک ہے جیسا کہ انھوں نے خود کتاب الرسائل میں کہا ہے کہ وہ اس بات پر مامور تھے کہ سوائے سنت و شریعت کے کسی موضوع پر گفتگو نہ کریں چنانچہ ان کی تمام ادبی کاوشوں کا محور و مرکز شریعت و سنت ہی ہے۔

تفسیر

تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی۔ شرح صدور تفسیر آیت النور۔ تحصیل الغنائم والبرکات بہ تفسیر سورۃ والعادیات۔

حدیث

اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ترجمہ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین۔ جامع البرکات منتخب شرح المشکوۃ۔ جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین، رسالہ اقسام الحدیث، رسالہ شب برات۔ ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ۔ الاکمال فی اسماء الرجال، شرح سفر السعادۃ، اسماء الرجال والرواۃ۔ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ۔ تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارۃ۔

عقائد

تکمیل الایمان ، تقویۃ الایمان ۔

فقہ

فتح المنان فی تائید النعمان ۔ ہدایت الناسک الی طریق المناسک

تصوف

تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف ، تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف شرح فتوح الغیب ترجمہ غنیۃ الطالبین ، انتخاب المثنوی المولوی المعنوی ، توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب والاوراد ، مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین ، نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ ، جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندی ، رسالہ وجابہ ۔

اخلاق

آداب الصالحین ، آداب اللباس ، آداب المطالعہ والمناظرۃ ، تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب ۔

تاریخ

جذب القلوب الی دیار المحبوب ، ذکر ملوک ، رسالہ نورانیہ سلطانیہ ۔

سیر و تذکرہ

مدارج النبوۃ ، اخبار الاخیار ، احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر ، انوار الجلیلہ فی احوال المشائخ الشاذلیۃ ۔ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الآثار ۔ ترجمہ زبدۃ الآثار ، مطلع الانوار البہیۃ فی الحلیۃ الجلیۃ النبویۃ ۔

علم نحو

حاشیۃ الفوائد الضیائیہ ۔ افکار الصافیہ فی ترجمۃ کتاب الکافیہ

ذاتی حالات

اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث ۔ تالیف قلب الالیف ، زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین ، وصیت نامہ ۔

وفات :

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے سال تک فضائے ہند کو منور رکھا غروب ہوگیا ۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون آپ کی وصیت کے مطابق حوض شمسی کے کنارے سپرد خاک کیا گیا ۔ اور شیخ نورالحق نے نماز جنازہ پڑھائی ، آپ کی تاریخ ولادت شیخ اولیاء اور تاریخ رحلت فخر عالم ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا فرزانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

آپ اپنے دور کے محدّث اعظم، مفسر اعلیٰ اور امام علم و فن، عظیم مفکر و مصلح اور بارہویں صدی ہجری کے مجدّد تھے۔

نام و نسب نام ولی اللہ، کنیت ابو محمد، بشارتی نام قطب الدین احمد اور تاریخی نام عظیم الدین ہے، ولادت سے پہلے آپ کے والد محترم شاہ عبد الرحیم نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خواب میں زیارت کی، انھوں نے فرزند کی بشارت دی، اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے ذہن میں یہ بات نہ رہی، اور انھوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا گیا اور شاہ صاحب کے بعض احباب نے ان کی تاریخ پیدائش عظیم الدین سے نکالی ہے، آپ کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر فاروق تک، اور والدۂ محترمہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہونچتا ہے، آپ نسلاً عربی و نسباً فاروقی ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔

شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی خازن بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن خطابؓ۔

اس نسب نامہ میں متعدد جگہ لفظ "ملک" ناموں کے ساتھ آیا ہے، جس کے متعلق شاہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں، یہ زمانۂ قدیم میں تعظیمی لقب جانا جاتا تھا، جیسے ہمارے زمانے میں "خان"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے آباؤ اجداد زمانۂ قدیم سے ہی دینی و دنیوی وجاہت کے مالک رہے ہیں۔

ولادت باسعادت آپ کی ولادت حضرت مجدد الف ثانی رح کی وفات کے اسی سال بعد اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۴ر شوال المکرم ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۳ء بروز چہارشنبہ بوقت طلوع آفتاب آپ کے ننہال قصبہ پھلت ضلع مظفرنگر میں ہوئی۔

والد ماجد عارف باللہ شیخ کامل حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رح آپ کے والد ماجد ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات، کمالات و کرامات میں خود ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام انفاس العارفین ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے خرقہ خلافت یافتہ

ایک عظیم شیخ طریقت تھے، آپ کو شیخ ابوالقاسم اکبرآبادیؒ سے خلافت اور اجازت بیعت حاصل تھی۔

دوسری طرف شاہ عبدالرحیم صاحبؒ جید عالم اور محدث وفقیہ بھی تھے آپ فقہ حنفی کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے اور فقہی جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کے ایک دوست شیخ حامد جن کو اورنگ زیب نے فتاوئ عالمگیری کی تدوین کا نگراں مقرر کیا تھا، وہ آپ کی تنگدستی سے واقف تھے، ازراہ دوستی فتاوے کی تدوین میں اپنا شریک کار بنانا چاہا اور تنخواہ کی امید دلائی، آپ نے قبول نہ کیا صاف انکار کردیا، لیکن جب اس کی خبر آپ کی بیوہ ماں کو ہوئی تو وہ برہم ہوئیں اور نوکری کرلینے کا حکم دیا آپ نے محض بیوہ ماں کی دل جوئی اور خاطرداری کیلئے شیخ حامد کا شریک بننا منظور کرلیا، اس ملازمت کی خبر آپ کے مرشد کو ہوئی تو انھوں نے نہ صرف اظہار ناراضگی کیا بلکہ اسکے ترک کردینے پر اصرار کیا، آپ نے والدہ کا عذر کیا مگر انھوں نے اس کا بالکل خیال نہ کیا اور برابر اصرار کرتے رہے، حتی کہ ملازمت چھوڑ دینے کا حکم دیدیا، آپ نے اس موقعہ پر بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا، چنانچہ آپ نے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت آپ ہی دعاء فرمادیں نوکری خود بخود چھوٹ جائے، کیونکہ میرے چھوڑنے سے والدہ کی آزردگی کا اندیشہ ہے، چنانچہ انھوں نے دعاء فرمائی اور وہ دعاء اس طرح قبول ہوئی کہ ایک روز عالمگیر نے خلاف معمول اچانک تدوین فتاویٰ کے ملازمین کی فہرست طلب کی، اور بلا وجہ شاہ عبدالرحیم کا نام قلمزد کردیا، اور پھر حکم دیا کہ "اگر خواستہ باشد ایں قدر زمین بدہید" یعنی اگر شاہ عبدالرحیم چاہیں تو ان کو اتنی زمین دیدی جائے، گویا نوکری چھوڑ کر اب جاگیردار بنائے جانے

کی تجویز ہوئی مگر آپ اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ فرمانِ شاہی کے بموجب جب آپ سے رائے پوچھی گئی تو باوجود تنگیٔ معاش کے جو جواب دیا وہ آپ کی شانِ توکّل کی آئینہ دار ہے، فرماتے ہیں" قبول نہ کردم و شکرانہ بجا آوردم و حمد خدا تعالیٰ گفتم" نوکری چھوڑی جاگیر کو نظر انداز کیا اور صبر و شکر کے ساتھ اپنے اسی فقر و فاقہ پر خدمت خلق کرتے ہوئے زندگی گذار دی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رح اگرچہ اپنے نامور اور فخر روزگار صاحبزادہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح شہرۂ آفاق نہ بن سکے اور وہ خود شاہ ولی اللہ کے والد کی حیثیت سے زیادہ پہچانے گئے مگر یہ بھی ایک واقعی اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رح کے تمام فضل و کمال اور علم و معرفت کی بنیاد اور اساس ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم رح کی تعلیم و تربیت ہے جیسا کہ مفکر اسلام مولانا عبیداللہ سندھی تحریر فرماتے ہیں کہ ۔

" شاہ ولی اللہ رح کی فکری تربیت اور ان کی علمی اساس میں ہم ان کے والد شاہ عبدالرحیم رح صاحب کو اصل مانتے ہیں، شاہ عبدالرحیم رح نے خود اپنے نامور صاحبزادے کو تعلیم دی تھی، چنانچہ انھوں نے شاہ ولی اللہ کو قرآن کا ترجمہ تفسیروں سے الگ کر کے پڑھایا، اور اس طرح قرآن کا اصل متن ان کے لئے قابلِ توجہ بنایا، پھر آپ نے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو صحیح طریقہ پر حل کیا، اور اسے اپنے صاحبزادے کے ذہن نشین کیا، نیز شاہ عبدالرحیم صاحب رح ہی نے حکمت عملی کو اسلامی علوم میں ایک باوقار اور اہم مقام دیا اور اپنے صاحبزادے شاہ ولی اللہ کو خاص طور پر تلقین کی، الغرض یہ تین چیزیں قرآن کے متن کو اصل جاننا، وحدۃ الوجود کا صحیح حل اور اسلامی علوم میں حکمت عملی کی غیر معمولی اہمیت شاہ ولی اللہ کے علوم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہ

تینوں کی تینوں شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔"

(شاہ ولی اللہؒ اور ان کا فلسفہ) (مصنفہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

شاہ عبدالرحیمؒ نے اپنے صاحبزادے کو اخلاق وتہذیب کی اعلیٰ تعلیم وتربیت سے بھی آراستہ کیا، آپ اپنے صاحبزادے کو اکثر شیخ سعدی کا یہ شعر سنایا کرتے تھے ؎

آسائش دوگیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

زندگی کی راحت دو باتوں میں پوشیدہ ہے، ایک یہ کہ دوستوں کے ساتھ لطف وکرم کا برتاؤ کیا جائے اور دشمنوں کے ساتھ خاطر ومدارات کا سلوک اختیار کیا جائے۔

والدۂ ماجدہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی والدہ ماجدہ شیخ محمد پھلتی کی صاحبزادی فخر النساء ہیں، جو شرعی علوم اور آداب طریقت اور اسرارِ حقیقت سے آراستہ وپیراستہ تھیں، اسم بامسمیٰ عورتوں کے طبقہ میں قابلِ فخر مقام رکھتی تھیں۔

تعلیم وتربیت جب آپ نے اپنی عمر کے پانچویں سال میں قدم رکھا تو والد ماجد نے تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا، اور آپ نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت ارکان وفرائض بھی معلوم کر لئے، اسی سال والد بزرگوار نے نماز روزہ شروع کرایا تاکہ پابندی فرائض کی عادت پڑے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ رسم سنت بھی اسی سال عمل میں آئی، ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کر دیئے، اور ایک سال کے اندر

ان کو مکمل فرمالیا۔ اس کے بعد آپ نے صرف و نحو کی طرف توجہ فرمائی اور دس برس کی عمر میں علم نحو کی معرکۃ الآرا کتاب شرح جامی تک پہونچ گئے، اور نہ صرف فارسی کی نوشت و خواند میں مہارت حاصل کرلی بلکہ عربی صرف و نحو پر عبور حاصل کرلیا، شاہ صاحب نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ "دس سال کی عمر میں ایک حد تک مطالعہ کی راہ کھل گئی تھی"، صرف و نحو سے فراغت کے بعد آپ نے معقولات کی طرف توجہ فرمائی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے فراغت حاصل کرلی، پندرہ سال کی عمر میں تمام متداولہ درسی علوم کی تکمیل کرکے ارباب فضل و کمال کے زمرہ میں شامل ہوکر ایک مقام خاص کے مالک ہوگئے۔

تحصیل علوم کی تفصیل امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کی تعلیم اکثر اپنے والد بزرگوار کے پاس ہوئی، جس کی تفصیل آپ نے اس طرح بیان کی ہے علم حدیث میں مشکوٰۃ شریف تمام و کمال پڑھی، لیکن چند روز علالت کی وجہ سے کتاب البیع سے کتاب الادب تک کا حصہ چھوٹ گیا۔ صحیح بخاری شروع سے کتاب الطہارۃ تک شمائل ترمذی اول سے آخر تک پڑھی، علم تفسیر میں بیضاوی اور تفسیر مدارک کے کچھ حصے باقاعدہ پڑھے اور باقی حصہ کا خود مطالعہ کیا، اس کے علاوہ کامل غور و فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درس قرآن، اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا، اور یہی میرے حق میں "فتح عظیم" کا باعث ہوا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کی دو جلدیں تھوڑے حصہ کے علاوہ پوری پڑھیں، اصول فقہ میں حسامی اور توضیح و تلویح کا درس لیا، منطق میں شرح شمسیہ کامل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ پڑھا، علم کلام میں شرح عقائد

کامل اور خیالی اور شرح مواقف کا کچھ حصہ پڑھا، علم طب میں موجز فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ، علم نحو میں کافیہ، شرح ملا جامی، علم معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر المعانی کا وہ حصہ پڑھا جس پر ملازادہ کا حاشیہ ہے، ہیئت و حساب میں بعض رسائل پڑھے، تصوف و سلوک میں عوارف المعارف اور رسائل نقشبندیہ پڑھے، علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص، خواص اسماء و آیات میں والد صاحب کا ایک مجموعہ پڑھا، جس کی انھوں نے چند مرتبہ اجازت بھی دی، اثنائے تحصیل میں اپنے زمانہ کے امام حدیث شیخ محمد افضل سیالکوٹی کی خدمت میں بھی آتے جاتے اور علوم حدیث میں ان سے استفادہ کرتے رہے۔

اجازت تجوید و قرأت شاہ صاحبؒ نے فن قرأت و تجوید کی تکمیل مشہور قاری مولانا محمد فاضل صاحب سندھی سے کی تھی جو دہلی کے شیخ القراء اور اپنے زمانہ کے ماہر فن شمار کئے جاتے تھے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے قرآن کو اول سے آخر تک بروایت حفص عن عاصم (صالح ثقہ) حاجی محمد فاضل سندھی سے ۱۱۴۳ھ میں پڑھا اور انھوں نے دار السلطنت دہلی کے شیخ القراء شیخ عبد الخالق سے پڑھا۔

شادی شاہ صاحبؒ کی دو شادی ہوئی، پہلی شادی چودہ سال کی عمر میں آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ پھلتی کی صاحبزادی سے ۱۱۲۸ھ میں ہوئی، ان سے ایک صاحبزادے شیخ محمد پیدا ہوئے، جنھوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی، شاہ صاحب نے ان کے لئے ایک ابتدائی رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا، شمائل ترمذی کے درس میں

شاہ عبدالعزیز رحؒ کے شریک تھے۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد قصبہ بڑھانہ منتقل ہو گئے اور مدت العمر وہیں رہ کر وفات پائی اور قصبہ بڑھانہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے، اسی بنا پر شاہ صاحب ابو محمد کنیت کرتے تھے، شیخ محمدؒ کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ جو ان کے ساتھ ہی مدفون ہیں مقالات طریقت میں آتا ہے، لیکن کتابوں میں ان کو منقطع العقب لکھا ہے۔

شاہ صاحب کی دوسری شادی پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوئی جو سونی پت کے رہنے والے تھے، اور سید ناصر الدین شہیدؒ کی اولاد میں سے تھے، ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی) تولد ہوئے جو ہندوستان میں دین کی نشاۃ ثانیہ کے "ارکان اربعہ" ہیں، اور ایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں، ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتی سے ہوا، وہ صاحب اولاد تھیں ان کا سلسلہ جاری رہا۔

اجازت بیعت ووفات والد ماجد

آپ کی عمر کے سترہویں سال والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور اسی حالت مرض میں آپ کو بیعت و ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، مدرسہ رحیمیہ اور خانقاہ رحیمیہ کی جو بساط بچھائی تھی اس کا انتظام شاہ صاحب کے سپرد فرمایا اور ۱۲ر صفر المظفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء بروز بدھ اس مرتاض صوفی اور فقید المثال عالم نے درس و ارشاد کی مسند اپنے بلند اقبال بیٹے (شاہ ولی اللہ) کے لئے خالی کر دی۔

☆

درس و تدریس

والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ نے مستقل طور پر مسند درس دارشاد کو رونق بخشی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے علم و فضل اور کمالات ظاہری و باطنی کا شہرہ دور دور تک پہونچ چکا تھا، ہر طرف سے تشنگان علوم و معارف جوق در جوق آتے اور زانوئے تلمذ بچھاتے، تقریباً بارہ سال تک آپ کتب دینیہ اور معقولات کا درس دینے میں مشغول رہے

علمی استغراق

دوران درس و تدریس میں آپ کو ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقعہ ملا، اسی زمانے میں آپ نے مذاہب اربعہ کی فقہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا، اور ان احادیث کو بھی بامعان نظر دیکھا جن سے حضرات ائمہ اپنے اقوال و مذاہب کی سند لاتے ہیں اور اسی وقت سے فقہار محدثین کا طریقہ بھی آپ کے دل نشین ہوا، آپ کا یہ زمانہ نہایت استغراق اور محویت کا گذرا، آپ نے نہایت تحقیق کاوش سے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اور رات دن انتہائی انہماک کے ساتھ کتب بینی میں مشغول رہے، آپ ان دنوں کھانا بھی کم کھاتے اور آرام بھی کم کرتے اور درس و تدریس کے بعد جو وقت ملتا اسے صحت کتب میں صرف کرتے۔

سفر حجاز

جب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے یہ محسوس کیا تھا کہ اسلام کو ہندوستان آئے ہوئے صدیاں بیت چکیں مگر علم حدیث آج بھی ضرورت سے بہت کم ہے تو موصوف نے اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے مسلسل تین سال حجاز مقدس میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا تھا اور پھر ہندوستان واپس آکر انھوں نے اور ان کے بعد ان کی اولاد نے اس کی اشاعت میں بڑی

کوشش فرمائی تھی مگر نامساعد حالات کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکام ہوئے
حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی استوار کردہ
بنیادوں کے کچھ مٹے ہوئے نشانات ابھی باقی ہیں اگر جد و جہد کر کے ان بنیادوں
پر مضبوط عمارت نہ تعمیر کی گئی تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قائم بھی رہ سکیں گی، غور و
فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہونچے کہ علم حدیث اس کے معدن حجاز مقدس سے
حاصل کرنا چاہیئے، چنانچہ زیارت حرمین شریفین کا شوق دامنگیر ہوا اور ۱۱۴۳ھ
مطابق ۱۷۳۱ء کے اواخر میں حجاز روانہ ہو گئے۔

فیوض حرمین خانۂ کعبہ اور روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر روحانی
مشاہدات و مکاشفات کی صورت میں شاہ صاحب
پر جو فیضان ہوا اس کو آپ نے "فیوض حرمین" میں قلمبند کیا ہے۔ فرماتے
ہیں کہ "اللہ پاک کی سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے سرفراز فرمایا وہ
یہ ہے کہ ۱۱۴۳ھ اور اس کے بعد کے سال میں مجھے اپنے مقدس گھر کے حج
کی اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی توفیق عنایت فرمائی،
لیکن اس سلسلہ میں اس نعمت سے بھی کہیں زیادہ بڑی سعادت جو
مجھے میسر آئی وہ یہ تھی کہ اللہ پاک نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات
باطنی اور معرفت حق کا ذریعہ بنایا، اور اسی طرح اس نے نبی علیہ السلام
کی اس زیارت کو میرے لئے بصیرت افروز بنایا۔
شاہ صاحب نے حرمین شریفین میں کل چودہ ماہ قیام فرمایا، اور
اس زمانہ کے قیام میں آپ نے اپنی اشراقی قوت سے روضۂ انور صلی اللہ
علیہ وسلم سے کسب فیض کیا اور بڑے بڑے علماء و مشائخ سے استفادہ
بھی۔

شاہ صاحب کے حجازی اساتذہ

یوں تو شاہ صاحبؒ نے حجازِ مقدس میں متعدد علماء و مشائخ سے علم حدیث اور باطنی فیض حاصل کیا مثلاً شیخ سنادی، شیخ احمد قاشی سید عبدالرحمٰن ادریسی، شمس الدین محمد بن علا بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد علی اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری، لیکن اس سلسلہ میں جن مشائخ سے آپ بہت قریب ہوئے وہ یہ ہیں۔

(۱) شیخ ابو طاہر محمد ابراہیم کردی مدنی، انھوں نے آپ کو سند حدیث بھی عطا فرمائی اور سارے سلاسل کو جامع خرقہ خلافت و اجازت بھی اپنے دست مبارک سے پہنایا، موصوف حضرت شاہ صاحبؒ کی فطری ذہانت اور خداداد بصیرت کے بڑے مداح تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے" ویسند عنی اللفظ وکنت اصحح منہ المعنی" یہ الفاظ کی سند تو مجھ سے لیتے ہیں مگر ان سے حدیث کے معانی میں حاصل کرتا ہوں۔

جب شاہ صاحبؒ نے حجاز سے واپسی کا ارادہ کیا اور آخری بار خدمت میں حاضر ہوئے تو والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا۔

نسیت کل طریق کنت اعرفہ
الا طریقاً یودینی الی ربعکم

جن راستوں سے واقف تھا سب بھول گیا۔ سوائے ایک راستہ کے جو آپ کے دیار تک پہونچاتا ہے تو شیخ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور بہت متاثر ہوئے، اور نہایت خلوص سے شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا کی۔

سراج الہند امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رہ نے لکھا ہے۔

"میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استاذ

محترم سے عرض کیا "ہر چہ خوانده بودم فراموش کرده ام اِلّا علم دین" میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا بجز علم حدیث۔ تو یہ سنکر شیخ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دی۔

(۲) شیخ وفد اللہ بن شیخ سلیمان مغربی، شاہ صاحب نے ان کی مجلس درس میں مؤطا امام مالک بروایت یحییٰ بن یحییٰ اول سے آخر تک پڑھ کر تمام مرویات کی سند نہایت قلیل عرصہ میں حاصل فرمائی۔

(۳) مفتی مکہ شیخ تاج الدین بن قاضی عبد المحسن قلعی حنفی، ان کی مجلس درس میں شاہ صاحب نے صحیح بخاری، کتب صحاح کے بعض مشکل مقامات، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار، اور مسند دارمی کی سماعت کی شیخ نے خصوصیت کے ساتھ شاہ صاحب کو تحریری اجازت نامہ عنایت فرمایا

حجاز سے واپسی

حجاز مقدس کے چودہ ماہ قیام میں علمی صحبتوں اور عمیق مطالعہ کتب اور امداد غیبی سے آپ نے حدیث و فقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا اور اواخر ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں آپ نے دوبارہ ارکان حج ادا فرمائے، اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں وطن مالوف دہلی کا رخ کیا، پورے چھ ماہ آتے آتے راستہ میں لگ گئے، اور بتاریخ ۱۴ رجب المرجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بصحت و عافیت دہلی رونق افروز ہوئے، واپسی کی خبر سنکر تمام اہل شہر علماء و فضلاء اور صوفیاء کرام نے آپ کا خیر مقدم کیا، یہاں کچھ روز آرام کرنے کے بعد آپ نے سلسلہ درس شروع فرما دیا، مدرسہ رحیمیہ کو آپ نے جدوجہد کا مرکز بنایا طلباء جوق در جوق اطراف ہند سے آ آکر مستفید ہونے لگے، اور اپنے تجدیدی اور اصلاحی کاموں کا آغاز فرمایا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ نے فتح القرآن کے نام سے قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ فرمایا اور مختصر تفسیری حواشی لکھے، سورہ بقرہ اور سورۃ نساء کا ترجمہ سفر حجاز سے پہلے ہو چکا تھا اور اس اہم تجدیدی کام کی تکمیل واپس آکر فرمائی۔

حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہ کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں کا خلاصہ

(۱) اشاعت قرآن (۲) اشاعت حدیث
(۳) اصلاح عقائد و معاشرت (۴) حقیقی اسلامی تصوف کا تعارف۔
(۵) اخلاقی تربیت کا مسنون طریقہ (۶) فقہی اور اجتہادی اختلافات میں اعتدال کی تلقین (۷) اس وقت کی مسلم حکومت کو اخلاقی زوال اور سیاسی انتشار سے بچانے کی منظم جدوجہد۔ (۸) ولی اللٰہی تحریک اصلاح و تجدید کو چلانے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنے والی جماعت کی تربیت۔

اشاعت قرآن قرآن کریم امت کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کا واحد موثر ترین نسخہ ہے، اس کتاب ہدایت سے دور رہ کر امت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، شاہ صاحب سے پہلے

امت کے اندر عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے اسے کون سمجھ سکتا ہے۔ اور کون اس کی حقیقت کو پا سکتا ہے، شاہ صاحب نے اس خیال کی تردید میں سب سے پہلا کام یہی کیا کہ عام امت کو کلام الٰہی سے قریب کر دیا کہ وہ اس پر غور و فکر کر کے اسلام اور صراط مستقیم کو پا سکے، چنانچہ خود شاہ صاحب رسالہ "تحفۃ الموحدین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن کریم اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت سے علوم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو، اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (الجمعۃ ۲) خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا، پڑھتا ہے وہ پیغمبر اُن ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے،

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پڑھ اور آپ کے اصحاب بھی ان پڑھ تھے مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں تو وہ ان کو سنکر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ برائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو صدرہ سمجھنے اور قاموس جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں، اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں جو قرآن و حدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں، ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ط (الجمعۃ ۳) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ مگر جب کہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن و حدیث کو سنیں تو انھیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن و حدیث کافی ہو سکتی ہیں، اور فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" (القمر ۲۲) اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا، کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟، یہ کیونکر ہو سکتی ہے کہ "کافیہ" پڑھنے والے اور "شافیہ" جاننے والے تو اسکے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کریں، اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرماتا ہے "افلا یتدبرون القرآن" (محمد ۲۴) قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے پس اگر قرآن آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیوں کر کیا جائے" ام علی قلوب اقفالھا" (محمد ۲۴) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں، باوجودے کہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے، قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے۔

چنانچہ اس زعم باطل کو مٹانے اور ختم کرنے کے لئے شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو مختصر ہونے کے علاوہ بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے، ابتدا میں لکھتے ہیں یقول الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم ولی اللہ بن عبدالرحیم ایں رسالہ است در قواعد ترجمہ مسماۃ بالمقدمۃ فی قوانین الترجمۃ کہ در وقت تسوید ترجمۂ قرآن

قلم بہ ضبط آں جاری شد" اور اصول تفسیر میں "الفوزالکبیر" کی تصنیف بھی دعوت الی القرآن اور اشاعت علم قرآن کی ایک مضبوط کڑی ہے، اگرچہ مختصر ہے لیکن حقائق و دقائق اور اسرار و حکم پر مشتمل ہے۔ درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بنیاد پر لکھ دیئے ہیں دوسری کتابوں کے سیکڑوں صفحات کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم

شاہ صاحبؒ کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمۂ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ لینی شروع کر دی تھی، اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا، اس ضرورت اور انقلاب حال کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے محسوس کیا، اور شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے پچاس برس بعد انھوں نے بامحاورہ اردو میں اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آئی ہو ابھی تک علم میں نہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے بعد انھیں کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین صاحب نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا جو اپنی احتیاطوں اور

مصنف کے علمی تبحر و اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول، اور بعض حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا با محاورہ ترجمہ اور بعض حلقوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تحت اللفظ ترجمہ رائج اور قابل ترجیح قرار پایا، اور اس کے بعد اردو ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہو گیا، جس کی تعداد کا استقصاء ایک دشوار کام اور مستقل تحقیقی بحثوں کا طالب ہے۔

درس قرآن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ نے ترجمۂ قرآن کے علاوہ درس قرآن کا بھی سلسلہ جاری فرمایا، اور شاہ صاحب کے درس قرآن کا آخری دور آیت اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ تک ہوا، ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہیں سے درس قرآن شروع فرمایا اور تقریباً ۶۲، ۶۳ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرہویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اس کو خواص و عوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے اصلاح عقائد کا جو عظیم الشان کام انجام پایا اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس قرآن کا آخری دور ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم تک ہوا، پھر یہاں سے شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے شروع کیا۔

اشاعت حدیث شاہ صاحبؒ سے پہلے ہندوستان میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج نہ تھا بلکہ خود حدیث کا جو سرمایہ ہندوستان میں انھوں نے پڑھا تھا وہ کل یہ تھا، پوری مشکوٰۃ بجز چند ابواب اور بخاری شریف کا ایک حصہ یعنی کتاب الطہارۃ تک، سب سے پہلے صحاح ستہ کو ہندوستان میں رواج دینے

والے شاہ صاحبؒ ہیں۔
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں "علم حدیث پدرمن از مدینہ منورہ آوردہ چاردہ ماہ حرمین بسر بودہ سند کردہ" (ملفوظات ۹۳)
میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے تھے، چودہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی۔
شاہ صاحب حرمین شریفین سے ارادوں کی تکمیل کے لئے ہندوستان واپس ہوئے تھے، ان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کو سب سے زیادہ اہم رکھا، مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے استاذ حدیث سے آپ نے ارشاد فرمایا "ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردہ ام الّا علم حدیث" میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا بجز علم حدیث کے۔

شاہ صاحب کا درس حدیث

شاہ صاحبؒ جب حجاز مقدس سے ہندوستان واپس تشریف لائے تو یہاں آکر صرف تین مشغلہ اختیار فرمایا۔ (۱) قرآن کریم کے معارف بیان کرتے (۲) تصنیف و تالیف کا کام کرتے (۳) حدیثِ پاک کا درس دیتے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ حرمین شریفین میں درس حدیث کے تین طریقے ہیں (۱) سرد (۲) بحث و تحقیق (۳) امعان و تعمق، یعنی ہر ہر لفظ اور اس کے متعلقات پر مالہ و ماعلیہ پر بحث کی جائے، اس طریقہ کو شاہ صاحبؒ نے واعظوں اور قصہ خوانوں کا طریقہ قرار دیا ہے اور دوسرے طریقہ کو مبتدیوں کے لئے مفید بتلایا ہے، اور پہلا طریقہ دورۂ حدیث کے لئے قرار دیا ہے، اس لئے شاہ صاحب کے یہاں مشکوٰۃ شریف

بحث وتحقیق سے اور صحاح ستہ سرداً ہی پڑھائی جاتی تھی، البتہ صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں ان پر طلباء کو متنبہ کیا جاتا تھا، آج ہمارے مدارس میں صحاح ستہ کی تدریس جس کو دورۂ حدیث کہتے ہیں، اس کے بانی اول فی الواقع حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی کی ذات گرامی ہے۔

شاہ صاحب کے سلسلہ حدیث کی مقبولیت

آج ہندوستان میں علم حدیث کا جو زور وشور ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی کڑی حضرت حجۃ الاسلام امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے مخلصانہ جدوجہد پر ختم ہوتی ہے حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی سے امیر خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکا رہیگا حضرت نانوتوی رح کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں، ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، ان سے مل کر مولانا نانوتوی رح ان کے علم سے بہت متأثر ہوئے اور درخواست کی کہ حدیث کی اسناد اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا کہ تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے استاذ مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا، محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی کس کے شاگرد ہیں، کہا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے، شاہ عبدالعزیز کا نام سنکر رکے، اور بولے میں ان کو جانتا ہوں، اور اس کے بعد فرمایا شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے، یونہی جہاں

شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں ہے۔

مصر کے مشہور و معروف عالم علامہ رشید رضا مرحوم "مفتاح کنوز السنۃ" کے مقدمہ میں ہندوستانی علماء کا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد علم حدیث سے جو اشتغال رہا ہے اور اس میدان میں جو ان کی خدمات ہیں جس کا سلسلہ الحمد للہ اب بھی جاری ہے، اس کا اعتراف علامہ موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر یقضی علیھا بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والحجاز منذ القرون الخ اور ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کے ساتھ اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق، حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا۔ علامہ موصوف درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے سلسلوں کا اعتراف کر رہے ہیں، شاہ صاحب کے بعد ہندوستانی علماء نے علم حدیث کی کیا خدمات انجام دی ہیں، اس پر مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب کا مقام عظمت

بقول مولانا نسیم احمد فریدی بلاشک و شبہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وقت کے مجدّد، حکیم الامۃ، امام علم و فن، مصلح امت اور ہمدرد انسانیت ہیں، وہ بیک وقت ایک عظیم الشان عالم دین بھی ہیں اور درویش باصفا بھی، مفسر و محدث بھی ہیں اور مفکر و متکلم بھی، مدرس

د معلم بھی ہیں اور مؤلف و مصنف بھی، ماہر سیاسیات بھی ہیں اور رموز آشنائے معاشیات بھی، دریائے حکمت و معرفت کے غواص بھی ہیں اور اسرار شریعت کے محرم خاص بھی۔

ولیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

آپ کے معاصر علماء نے جو علوم و معارف میں اپنی مثال آپ تھے آپ کے مقام عظمت کا اعتراف کیا ہے اور بڑی قدر و منزلت سے آپ کا ذکر کیا ہے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح فرماتے ہیں ـــــ مثل ایشاں در محققان صوفیاء کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گذشتہ باشند (کلمات طیبات ص۸۴) ان اہل تحقیق صوفیاء میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع ہیں اور نیا علم بیان کیا ہے حضرت شاہ صاحب جیسے بس چند ہی لوگ گذرے ہوں گے۔

مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی اپنے رسالہ "فخر الحسن" میں آپ کو اس طرح یاد فرماتے ہیں " شیخ صاحب المقامات العالیۃ والکرامات الجلیلۃ الشیخ ولی اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ۔

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز رح صاحب فرماتے ہیں آیۃ من آیات اللہ ومعجزۃ لنبیہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی شاہ صاحب اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت اور اس کے نبی کریم ؐ کا معجزہ ہیں

نواب صدیق حسن خاں "اتحاف النبلاء" میں تحریر فرماتے ہیں "اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شود، اگر شاہ صاحب کا وجود گذشتہ زمانہ میں صدر اول میں ہوتا تو تمام مجتہدوں کے

پیشوا اور مقتدا مانے جاتے۔

علامہ شبلی رقمطراز ہیں کہ "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔

تحدیث نعمت و تحمید الٰہی

جس مقام و منصب اور عظمت و رفعت سے آپ کو سرفراز کیا گیا تھا اس سے آپ بخوبی واقف تھے، جس کا اظہار بطور تحدیث نعمت آپ نے متعدد جگہ فرمایا ہے، چند اقتباسات بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) جب میرا دورۂ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہوگیا تو اللہ نے مجھے خلعت مجددیت پہنائی پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (و تطبیق) کو معلوم کرلیا۔

(۲) ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں۔ مجھے خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اس زمانے کا مجدد وصی اور قطب ہوں، اگر خدا نے چاہا تو میری کوششوں سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہوجائے گی (تفہیمات)

(۳) مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس آخری دور کا "ناطق"، حکیم، قائد، اور زعیم بنایا۔ (ایضاً)

(۴) میرے ذہن میں ڈالا گیا کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہونچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے، یہ تیرا وقت ہے، افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو (ایضاً)

(۵) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قائم الزمان ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ جب

خیر کے کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کیلئے مجھے آلۂ کار بناتے ہیں۔

اس قسم کے بیسیوں اقوال آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں جو نہ بطور تعلی وخودستائی ہیں نہ بطریق فخر وغرور بلکہ یہ بطور تحدیث نعمت وتحمید الٰہی ہیں جیساکہ ارشاد ہے "واما بنعمة ربك فحدث"

وفات حسرت آیات

آپ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں قیام پذیر تھے کہ مرض الموت میں گرفتار ہو گئے، قلت غذا کی وجہ سے ضعف ونقاہت پہلے ہی سے لاحق تھی اب اس میں اور اضافہ ہو گیا، ۹ ذی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو بغرض علاج دہلی تشریف لائے، لیکن تقدیر تدبیر پر غالب ہوئی اور ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء کو بوقت ظہر یہ علم ومعرفت کا آفتاب جہاں تاب افق دہلی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور اپنے پیچھے بے شمار کواکب ونجوم کو چمکتا دمکتا چھوڑ گیا جو اس کی مستعار روشنی سے اب تک منور ہیں، تاریخ وفات "او بود امام اعظم دین" ہے حضرت شاہ عبدالرحیم کے مزار سے متصل "مہندیان" کے قبرستان میں آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔

اخلاق وعادات

اربابِ چمن مجھ کو بہت یاد کریں گے
ہر شاخ پہ اپنا ہی نشاں چھوڑ دیا ہے

شاہ صاحبؒ نہایت سادہ طبیعت، منکسر المزاج، نفیس الطبع، بلند ہمت، فراخ حوصلہ، جفاکش، بہادر وشجاع مستقل المزاج، ہمدرد غرباء ریاء ونمود سے خالی، ظاہری نمائش وشان وشوکت سے گریزاں اور بڑے مہمان نواز وفیاض تھے، متمول ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر

کرتے تھے، اکثر اوقات آپ کے دسترخوان پر سادہ روٹی اور بعض اوقات معمولی سبزی ہوتی تھی، شان بے نیازی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپنے کبھی شاہان وقت کی طرف چشم ارادت سے نہ دیکھا ؎

نظر ہے ابر کرم پہ درخت صحرا ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو

فقہی مسلک شاہ صاحب کا مسلک فقہا، محدثین کے طرز پر توسط واعتدال تھا آپ روایت و درایت کی روشنی میں طریقہ کار متعین فرماتے، اور جمہور علماء کے متفقہ طریقوں سے وابستہ رہتے علوم دینیہ اور امور شرعیہ میں آپ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے، اس لئے مذہب حنفی و شافعی میں رہتے ہوئے دونوں مذاہب کا خیال رکھتے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا سواد اعظم مسلک حنفی سے وابستہ تھا، شاہ صاحبؒ نے ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہندوستان کے مزاج اور یہاں کے فکر و تمدن دیکھتے ہوئے ائمہ فقہ کی تقلید کا درس دیا، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

"ساری امت یا امت کا معتد بہ حصہ ان چاروں مدون مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، پر متفق ہو چکا ہے کہ آج ہمارے زمانہ میں ان کی تقلید جائز ہے، اور اس میں کئی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں اور لوگوں کے دلوں میں خواہشات نے گھر کر لیا اور ہر آدمی اپنی رائے پر فخر کر رہا ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ ص۳۲۵)

خدا بخش لائبریری پٹنہ بہار میں بخاری شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے

جو شاہ صاحب کے درس میں رہا ہے، اس میں آپ کے تلمیذ محمد بن پیر محمد بن شیخ ابوالفتح نے پڑھا ہے، تلمیذ مذکور نے درس بخاری کے ختم کی تاریخ ۶ر شوال المکرم ۱۱۵۹ھ لکھی ہے اور جمنا کے قریب جامع فیروزی میں ختم ہونا لکھا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے دست مبارک سے اپنی سند امام بخاری تک تحریر فرماکر تلمیذ مذکور کیلئے سند اجازت تحدیث لکھی اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ یہ کلمات تحریر فرمائے "العمری نسبًا الدہلوی وطنًا الاشعری عقیدۃً، الصوفی طریقۃً، الحنفی عملاً والشافعی تدریسًا خادم التفسیر والحدیث والفقہ والعربیۃ والکلام ۲۳ر شوال ۱۱۵۹ھ"

اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ نے یہ عبارت لکھی ہے "بیشک یہ تحریر بالا میرے والد محترم کی لکھی ہوئی ہے، نیز شاہ عالم کی مہر بھی بطور تصدیق ثبت ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب مجتہدانہ شان رکھنے کے باوجود تقلید حنفی فرماتے تھے، اور عبارت مذکورہ شاہ صاحبؒ کے حنفی ہونے کا واضح اور بیّن ثبوت ہے۔

مشربِ طریقت

باب طریقت میں آپ چاروں سلسلوں سے مساوی نسبت رکھتے تھے اور طرق اربعہ نقشبندیہ قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ میں اجازت دیتے تھے۔

تصنیفات و تالیفات

ایک مصنف کی حیثیت سے بھی شاہ صاحب کا درجہ بہت بلند ہے، آپنے مروجہ طرز نگارش کو جو محض نامانوس اور پرشکوہ الفاظ کے طلسم اور فضول قافیہ پیمائی کے افسوں میں گھرا ہوا تھا وسعت بخشی اور اس قابل کر دیا کہ

وہ ان لفظی گورکھ دھندوں اور بیجا ثقالت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حکیمانہ خیالات اور علمی مضامین کو بطریق احسن پیش کر سکے، زمانہ ماضی میں سب سے پہلے ابن خلدون نے یہ خدمت انجام دی تھی، ان کے بعد آپ ہی ایک ایسے مصنف ہیں جنھوں نے اس اسلوب کو زندہ کیا۔

باوجود عجمی اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت و بلاغت کا بے نظیر نمونہ پیش کیا جس کی عظمت کا اعتراف اہل قلم نے بھی کیا ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی اسی کا ذکر کرتے ہوتے فرماتے ہیں کہ "عربی زبان میں انھوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشار کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے، شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر "جوامع الکلم" النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے، حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار انہی لغات اور انہی محاورات سے کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں،

ان کی بے شمار تصانیف ہیں، بعض مؤرخین دو سو سے زائد بتاتے ہیں مصنف "حیات ولی" نے ان کی تعداد ۵۱ بیان کی ہے، مولانا علی میاں صاحب نے ۵۳ کی تعداد تحریر کی ہے، لیکن یہ اختلاف محض اس سبب سے ہے کہ شاہ صاحب کے مختلف رسائل الگ الگ بھی شائع ہوتے ہیں اور کئی کئی رسالے ساتھ بھی چھپے ہیں۔

شاہ صاحب کی تصنیفات کے سلسلہ میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے یہ تمام کام جیسا کہ حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کل ستائیس اٹھائیس یا تیس برس سے بھی کم مدت میں انجام دیا ہے، اور وہ بھی نہایت

پرآشوب اور پرفتن زمانہ میں جو آپ کی منزلت علمی اور نمایاں فن کا ایک واضح ثبوت ہے، آپ کی چند مشہور اور متداول تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) **فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن** :- قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے جو سب سے پہلے ہندوستان میں طبع ہوا، یہ نہایت جامع، مانع اور مطلب خیز ترجمہ ہے، ترجمہ کے ساتھ جا بجا فوائد بھی ہیں جو نہایت مختصر مگر جامعیت اور اشکال کی گرہ کشائی میں بے مثل ہیں، اتنی مدت گذر جانے کے باوجود اب تک اسکے مقابل کا کوئی ترجمہ نہیں ہو سکا۔

(۲) **فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر** :-

عربی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر کا نہایت مختصر اور بے نظیر رسالہ ہے جس میں شرح غریب القرآن اور اسباب نزول پر جا بجا روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳) **الفوز الکبیر فی اصول التفسیر** :-

فارسی زبان میں اصول تفسیر کا ایک مختصر مگر نہایت جامع رسالہ ہے جس میں قرآن مجید کے علوم خمسہ تاویل حروف مقطعات، رموز قصص انبیاء اور اصول ناسخ و منسوخ پر نہایت مفید اور بصیرت افروز مقالات جس خوش اسلوبی سے بیان کئے ہیں وہ حضرت شاہ صاحب ہی کا حق ہے، علماء نے اس رسالہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر دینی مدارس کے نصاب میں داخل کیا ہے یہ فارسی رسالہ اردو اور عربی میں منتقل ہو گیا ہے۔

(۴) **حجۃ اللہ البالغہ** :-

حضرت شاہ صاحب کو یقین تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد دور "عقلیت" شروع ہونے والا ہے جس میں احکام شریعت کے متعلق اوہام و شکوک کی گرم بازاری ہو گی، اسی خطرہ کا سد باب کرنے کے کیلئے شاہ محمد عاشق پھلتی رح

کے اصرار پر آپ نے بالہام ربانی یہ بے نظیر کتاب ایسے عالم میں تحریر فرمائی جو محو استغراق کا عالم تھا، خطبۂ کتاب میں استخارہ کا حال بیان فرماتے ہیں "حضرت کالمیتۃ فی ید الغسال" اکثر اشارکتاب میں "علمنی ربی"، "الھمنی ربی"، فرماتے ہیں، یہ کتاب جس محدثانہ، متکلمانہ، فقیہانہ، اور فلسفیانہ انداز میں تصنیف ہوئی وہ حضرت شاہ صاحب ہی کا حق ہے، جس میں آپ نے تعلیمات اسلام کو مطابق فطرت اور دینی احکام کو مبنی بر عدل ہونا ثابت کیا ہے، ہر حکم الٰہی اور امر شریعت کے اسرار و مصالح نہایت بلیغ اور مدلل انداز میں بیان کئے ہیں جس سے ایک طرف تو متشکک و متردد حضرات کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوتا ہے اور دوسری طرف معترضین کے احکام اسلام پر معاندانہ اعتراضات کا منھ توڑ جواب مل جاتا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی یہ مایۂ ناز تصنیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی

افسوس یہ ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اور ہمارے حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد یہ کتاب یتیم ہوگئی ہے، اور اسکے درس کا سلسلہ دارالعلوم جیسے ادارہ میں موقوف ہوگیا ہے حالانکہ اس کتاب کی زبان بہت ہی آسان ہے اور معمولی غور و خوض کے بعد مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔

(۵) تاویل الاحادیث فی امور قصص الانبیاء:-

مکذبین انبیاء پر جو عذاب الٰہی آئے اور رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ

جن معجزات کا ظہور ہوا اس کتاب میں ان کو مطابق فطرت ثابت کیا گیا ہے۔

(۶) المسوّٰی من المؤطا۔

مؤطا امام مالک کی مبسوط عربی شرح ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اس شرح میں شاہ صاحب کا مجتہدانہ رنگ نمایاں ہوتا ہے، ہند و پاک اور مکہ مکرمہ سے شائع ہو چکی ہے۔

(۷) المصفّٰی شرح المؤطا:۔

مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے، اس میں آپ نے احادیث اور آثار کو الگ کر دیا ہے اور احادیث پر مجتہدانہ انداز سے بحث کی ہے۔

(۸) شرح تراجم ابواب صحیح بخاری:۔

شاہ صاحب نے امام بخاری کے تراجم ابواب کی اس طرح شرح کی ہے کہ تراجم ابواب اور احادیث میں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، یہ رسالہ عربی میں ہے ہمارے یہاں کے صحیح بخاری کے شروع میں ملحق ہے۔

(۹) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء:۔

یہ شاہ صاحب کی دوسری شہرۂ آفاق تصنیف ہے، اس میں آپ نے خلفائے راشدین کی خلافت کا حق ہونا آیات و احادیث اور تاریخ سے دلائل و براہین دیگر ثابت فرمایا ہے، اور شیعہ و سنّی کے باہمی نزاعات و اختلافات کو نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حل کیا ہے، یہ کتاب فارسی میں ہے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۱۰) التفہیمات الالٰہیۃ:۔

آپ نے اس کتاب میں معاشرے کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے، اس میں تصوف و سلوک کی باتیں بھی ہیں، بعض مقالات فارسی

میں ہیں اور بعض عربی میں، پوری کتاب دو جلدوں میں ہے، مجلس علمی ڈابھیل گجرات کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

(۱۱) الخیر الکثیر:۔

تصوف اور علم اسرار و حکم میں ایک معیاری کتاب ہے، یہ بھی مجلس علمی ڈابھیل گجرات سے شائع ہوئی ہے، اصل کتاب عربی زبان میں ہے اور ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

(۱۲) فیوض الحرمین:۔

قیام حرمین شریفین کے دوران جو فیوض و برکات بصورت خواب و القاء شاہ صاحب کو حاصل ہوئے یہ ان ہی کا مجموعہ ہے، اصل کتاب عربی زبان میں ہے، اور ترجمہ کے ساتھ بھی شائع ہوا ہے۔

(۱۳) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف:۔

اس کتاب میں فقہی اختلافات کے اسباب پر محققانہ بحث کی گئی ہے اور ہر طبقہ کے افراط و تفریط پر تنقید کی گئی ہے، نہایت مفید کتاب ہے، اور ترجمہ کے ساتھ کئی بار چھپ چکی ہے۔

(۱۴) عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد والتقلید:۔

اس عربی رسالہ میں شاہ صاحب نے اجتہاد اور تقلید کے مسائل پر نہایت محققانہ اور منصفانہ بحث کی ہے۔

(۱۵) البلاغ المبین:۔

یہ رسالہ رد بدعت و شرک اور دعوت توحید پر مشتمل ہے

(۱۶) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین:۔

تفضیل شیخین کے متعلق فارسی زبان میں اہم رسالہ ہے۔

(۱۷) **انسان العین فی مشائخ الحرمین :-**

یہ رسالہ شاہ صاحب کے عربی شیوخ واساتذہ پر مشتمل ہے۔

(۱۸) **الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین :-**

شاہ صاحب نے اس رسالہ میں ان بشارتوں کو ذکر فرمایا ہے جو آپ کو اور آپ کے نسبی یا روحانی بزرگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئیں، یہ رسالہ عربی میں ہے۔

(۱۹) **انفاس العارفین :-**

شاہ صاحب نے اس کتاب میں اپنے والد بزرگوار اور دوسرے خاندانی بزرگوں کے حالات وواقعات بیان کئے ہیں۔

(۲۰) **القول الجمیل :-**

یہ رسالہ وظائف واذکار اور طریقت کے چاروں سلسلوں کے بیان پر مشتمل ہے۔

(۲۱) **الطاف القدس** (۲۲) **ھمعات** (۲۳) **لمعات**۔

(۲۴) **سطعات :-** یہ چاروں رسالے تصوف میں ہیں، بقیہ کتابوں کے نام بغیر تعارف کے لکھے جاتے ہیں۔

(۲۵) مکتوبات مع مناقب امام بخاری وابن شیبہ۔

(۲۶) مکتوبات المعارف مع مکاتیب ثلثہ۔

(۲۷) المقالۃ الوصیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ۔

(۲۸) چہل حدیث (۲۹) اطیب النغم

(۳۰) الزہراوین (۳۱) شفاء القلوب

(۳۲) الہوامع شرح حزب البحر (۳۳) سرور المحزون فی ترجمۃ نور العین

(۳۴) رسائل تفہیمات (۳۵) المسلسلات

(۳۶) الذکر المیمون (۳۷) السر المکتوم

(۳۸) اعراب القرآن

(۳۹) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین۔

(۴۰) العقیدۃ الحسنہ۔ (۴۱) المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیۃ

(۴۲) شرح رباعیتین (۴۳) العطیۃ الصمدیۃ

(۴۴) فتح الودود فی معرفۃ الجنود (۴۵) الارشاد الی مہمات الاسناد۔

(۴۶) رسائل اوائل (۴۷) ما یجب حفظ للناظر

(۴۸) تاثر الاجداد (۴۹) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

(۵۰) رسائل تفہیمات (۵۱) رسائل دانشمندی

(۵۲) النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر۔

تحریکِ ولی اللّٰہی کے علمبردار

اور

تیرہویں صدی ہجری کے اہلِ عزیمت علماءِ ربانیین

وہ اکابر علم و جہاد جنھوں نے اپنے اپنے مخصوص ذوق اور مخصوص رجحان کے مطابق ولی اللّٰہی تحریک تجدید و اصلاح کو آگے بڑھایا وہ حسب ذیل ہیں

۱:۔ سراج الہند شاہ عبدالعزیز صاحبؒ۔
۲:۔ مفسر قرآن شاہ رفیع الدین صاحبؒ
۳:۔ امام المفسرین شاہ عبدالقادر صاحبؒ
۴:۔ امام المتقین شاہ عبدالغنی صاحبؒ
۵:۔ مجاہد اسلام شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ
۶:۔ محدث ہند شاہ محمد اسحاق صاحبؒ
۷:۔ بطلِ جلیل مصلح اعظم سید احمد شہید بریلویؒ
۸:۔ حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہ صاحبؒ
۹:۔ محدث وقت مولانا مملوک علی نانوتویؒ
۱۰:۔ ادیس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ
۱۱:۔ ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ علامہ فضل حق خیرآبادیؒ
۱۲:۔ امام الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ

سراج الہند
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

اپنے وقت کے عالم ربّانی، ماہر علوم وفنون، نامور محدث جلیل القدر مفسر، اور حضرت شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین تھے۔

نام ونسب:-

آپ کا نام شاہ عبدالعزیز، اور تاریخی نام غلام حلیم تھا، نسب نامہ شاہ ولی اللہؒ کے بیان میں گذر چکا ہے، آپ نسلاً عربی اور نسباً فاروقی تھے

ولادت:-

آپ کی ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۷۴۶ء بروز پنجشنبہ دارالسلطنت دہلی میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:-

شاہ عبدالعزیز پانچ برس کے تھے کہ قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور جلد ہی حفظ قرآن سے فارغ ہو کر فارسی زبان کی تعلیم شروع کردی اور تھوڑی ہی مدت میں نہ صرف یہ کہ فارسی زبان سیکھ لی بلکہ ادب فارسی پر زبردست عبور حاصل کر کے فارسی زبان کے ایک ماہر اور قادر الکلام ادیب بن گئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اکثر وبیشتر علوم اپنے جلیل القدر والد

ماجد شاہ ولی اللہ محدثؒ سے حاصل کیے۔ ابھی شاہ عبدالعزیزؒ کے علوم و فنون تشنۂ تکمیل ہی تھے کہ شاہ ولی اللہؒ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا جب کہ شاہ صاحب عمر کے ابتدائی حصہ میں تھے۔ اور اس وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۶؍ برس کی ہوگی۔ اول تو اس کچی عمر میں سایۂ پدری سے محرومی خود سانحۂ عظیمہ ہے، مگر آپ کے لئے اس حادثۂ فاجعہ میں مزید شدت اس لئے پیدا ہوگئی کہ گھر کے سب سے بڑے ہونے کے سبب گھر کی تمام تر ذمہ داری کا بوجھ اس ننھی سی جان پر آپڑا، مزید برآں اپنی تعلیم کے ساتھ تین چھوٹے بھائیوں کی تربیت و پرورش کا بار بھی آپ پر آگیا، کیونکہ والد صاحب کے انتقال کے وقت شاہ رفیع الدین صرف ۱۳؍ برس کے، شاہ عبدالقادر ۹؍ برس کے اور شاہ عبدالغنی ۵؍ برس کے تھے۔ اس لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر بھی نو عمر اور ننھے منھے بچوں کو تن تنہا چھوڑ کر چلا جانا بڑا شاق گذر رہا تھا۔

لہٰذا جب آپ کو اپنے مکاشفہ یا بیماری کی نوعیت سے اندازہ ہوا کہ سفر آخرت قریب ہے تو ان نونہالان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے بارے میں متفکر ہو کر بتقاضائے بشریت بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ: "الٰہی میرے بچے چھوٹے ہیں ان کا کیا ہوگا؟" جس کا جواب بارگاہ صمدیت سے فوراً ملنا ہی تھا، لہٰذا بواسطہ سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جواب دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لاکر فرمایا: ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) یہ بچے تیرے نہیں ہمارے ہیں پھر تو فکر کیوں کرتا ہے۔

اس جواب ایزدی پر شاہ صاحب کا مطمئن ہونا یقینی تھا لہٰذا یہ اللہ کا ولی اپنے چاروں نونہالوں کو مولائے کریم کی حفاظت میں دے کر

باطمینان تام اس دنیا سے رخصت ہوا، ادھر تائید غیبی نے ان ماہ پاروں کی دستگیری شروع فرمائی، اور اللہ رب العزت نے اپنے آغوش رحمت میں اس طرح پروان چڑھایا کہ ان میں سے ہر ایک آفتاب و ماہتاب علم و عرفان بن کر افق عالم پر اس طرح چمکا کہ صدیاں گذرنے پر بھی ان کی ضیاء پاشیوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اور آج بھی تمام عالم اسلام کے علماء کرام اور خصوصاً علماء ہند و پاک ان کے انوار علوم سے اکتساب نور کرنے پر مجبور ہیں، اور ان کا نظم خداوند تعالیٰ نے اس طرح پر فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تکمیل علم کے لئے نادرۂ روزگار اور ماہران علم وحدیث و قرآن اور صاحب نسبت ماہران طریقت تین شخصیتوں، شیخ نوراللہ بڈھانویؒ، شیخ محمد امین کشمیریؒ اور شاہ محمد عاشق بن شاہ محمد پھلتیؒ کو منتخب فرمایا، جن میں سے شاہ محمد عاشق پھلتی تو شاہ ولی اللہؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے بھی خصوصی تربیت یافتہ اور شاہ ولی اللہؒ کے محرم راز حضرات میں سے تھے۔ تو یہ حضرات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ پر جتنی بھی توجہ کرتے کم تھا، لہٰذا ان تینوں حضرات نے شاہ عبدالعزیزؒ کے سینہ کو علوم نبوت سے معمور کرنے میں پوری پوری سعی بلیغ فرمائی، اور ادھر شاہ صاحب نے بھی استفادہ اور اکتساب فیض کی جدوجہد میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور ان اکابر کے فیوض علمیہ اور روحانیہ سے بھرپور استفادہ فرمایا، اور حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، منطق، فلسفہ اور شعر و ادب میں، غرض کہ تمام علوم دینیہ و عصریہ میں ممتاز حیثیت اختیار فرمائی، اور خصوصیت کے ساتھ فن حدیث جس سے خاندانی حیثیت سے قلبی لگاؤ تھا خصوصی مہارت حاصل کرلی اور محدث جلیل نواب صدیق حسن خاں قنوجی تحریر فرماتے ہیں کہ:

شاہ عبدالعزیز بن شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی رحمہا اللہ استاذ الاساتذہ امام نقاد بقیۃ السلف حجۃ خلف اور دیار ہند کے خاتم مفسرین اور محدثین تھے۔ اور اپنے وقت میں علماء اور مشائخ کے مرجع تھے تمام علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنون عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ان کو جو دستگاہ حاصل تھی وہ بیان سے باہر ہے، کثرت حفظ وعلم، خوابوں کی تعبیر، سلیقۂ وعظ انشاء پردازی، تحقیقات نفائس علوم مذاکرہ اور مخالفوں کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ اپنے معاصرین سے ممتاز تھے۔

(اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء والمحدثین ص۲۹۶)

نیز مولانا سید عبدالحیٔ صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں، مرحوم اپنے علم وفضل، آداب ذکاوت و ذہانت، فہم وفراست اور سرعت حافظہ میں عالم کے اندر یگانۂ روزگار علماء میں سے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے درس وتدریس میں مصروف ہوئے، درس دیا اور فیض پہونچایا، یہاں تک کہ ہندوستان میں یکتا عالم ہوگئے، اور فضلاء نے ان سے اکتساب کمال کیا، بیشتر مقامات سے طلبہ محض ان سے پڑھنے کے لئے آتے اور ان پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے (نزہۃ الخواطر ص۲۶۸)

صاحب وقائع عبدالقادر رخان لکھتے ہیں کہ مولانا شاہ عبدالعزیز رح علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے اور علم ہیئت، ہندسہ، طبیعات، منطق، مناظرہ، اتفاق واختلاف ملل ونحل قیافہ تاویل، تطبیق مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے روزگار تھے۔

فن ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے منقول

میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے، اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے خواہ مخواہ یونانیوں میں سے افلاطون ارسطو اور متکلمین میں سے فخر الدین رازی وغیرہ کی اقوال کی تائید میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، اور اپنی تحقیقات کو فن معقول میں صاف صاف بیان کر دیتے تھے۔

بیعت وخلافت:۔

آپ نے اپنے والد ماجد کے پاس رہ کر ہی سلوک کی منزلیں طے کیں اور بیعت وارشاد کی اجازت سے مشرف ہوئے۔

درس وتدریس:۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ نے ان کی مسند تدریس وارشاد کو سنبھالا، آپ ہمیشہ درس حدیث اور تفسیر میں مصروف رہا کرتے تھے، آپ سے بڑے بڑے علماء نے استفادہ کیا، آپ عربی وفارسی کے زبردست نثر نگار اور شاعر تھے، حدیث وتفسیر کے ساتھ ساتھ مروجہ علوم کا بھی درس دیتے تھے، آپ کو ہر فن میں ید طولیٰ حاصل تھا، ۲۵ سال کی عمر میں آپ کو مختلف موذی امراض نے گھیر لیا، تو درس وتدریس کی خدمت میں اپنے دونوں بھائیوں شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کو بھی شامل کر لیا، اور مختلف موذی بیماریوں کے باوجود ۶۴ سال تک حدیث وقرآن کا درس دیتے رہے۔ آخری عمر میں آپ بینائی سے بھی محروم ہو گئے، لیکن وعظ وافتاء کا کام برابر جاری رہا۔

تقریر وخطابت:۔

شاہ صاحب ایک بہترین محدث اور عمدہ مفسر وماہر علوم عقلیہ ونقلیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے ممتاز خطیب اور مقرر بھی تھے۔

آپ کی شعلہ بار تقریر اس شان کی ہوا کرتی تھی کہ بڑے بڑے سنگدل موم ہوجایا کرتے تھے، شاہ صاحب کی مجلس وعظ میں ہر مذہب وملت کے لوگ جوق در جوق شریک ہوتے اور آپ کا طرز استدلال ایسا ہوتا تھا کہ سخت سے سخت کٹر متعصب کو بھی تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا تھا۔

مولانا رحیم بخش دہلویؒ کا بیان ہے کہ ہفتہ میں دو بار منگل اور جمعہ کو کوچہ چیلان (دہلی) میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی، جس میں عوام وخواص مورد ملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے، آپ کی معجزانہ تقریر میں وہ اثر ہوتا کہ مخالفین گھروں سے اعتراض کا ارادہ کرکے چلتے لیکن وہاں بجز سکوت وتسلیم کے کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوتی، آپ کا طرز بیان ایسا عجیب تھا کہ ہر مذہب وملت کا آدمی مجلس سے خوش ہو کر اٹھتا تھا، اور آپ کی کوئی بات کسی پر گراں نہیں گزرتی تھی، آپ کو خلق خدا کی خدمت کا خیال ہر وقت رہتا تھا، انتہا یہ ہے کہ زیادتی مرض کے زمانہ میں جب وعظ کا دن آیا تو آپ نے دوسروں کے سہارے بیٹھ کر وعظ شروع کیا، تقریر شروع ہوئی تو آپ نے سہارا دینے والوں کو بھی الگ کر دیا اور حسب معمول تقریر فرماتے رہے، لب و لہجہ سے کمزوری اور ناتوانی کے آثار نمایاں تھے مگر استقلال ایسے ہی اپنا رنگ جمائے ہوئے تھا۔

ذہانت وذکاوت:-

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنی ذہانت و ذکاوت اور عبقریت میں فرد یگانہ تھے، آپ کی تبحر علمی اور عبقریت کے بے شمار واقعات ہیں، ان تمام واقعات کا ذکر یہاں ممکن نہیں ہے، البتہ بطور تمثیل دو دو واقعے نقل کئے جاتے ہیں۔

مولانا فضل حق خیرآبادیؒ اور مولانا صدرالدین صاحبؒ جو علوم عقلیات فلسفہ منطق وغیرہ کے بڑے امام مانے جاتے تھے، اور دونوں عربی ادب کے بھی ماہر ادیب تھے، ایک مرتبہ ان دونوں نے ارادہ کیا کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے علم و فضل کا بڑا چرچا ہے، چلو ذرا امتحان کریں، کتنا اور کیسا علم رکھتے ہیں، راستے میں دونوں نے عربی زبان میں دو قصیدے لکھے اور آزمائش کے لئے آپس میں قصیدے باہم بدل دیئے، ایک کا قصیدہ دوسرے نے لے لیا۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، حضرت ہم نے کچھ لکھا ہے ذرا اس کو سن لیجئے، حضرت نے فرمایا سنایئے، دونوں نے دو قصیدے پڑھ کر سنائے، حضرت شاہ صاحب خاموش بیٹھے سنتے رہے، ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا کہ بڑے میاں کچھ سمجھے ہی نہیں بولتے کیا، پھر عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان قصیدوں کے متعلق کچھ فرمایا ہی نہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ کچھ کہدوں گا مگر پہلے تو یہ بتلاؤ کہ قصیدوں میں تبدیلی کہاں اور کیوں ہوئی، اب تو انھوں نے حیرت سے سوال کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا کہ میں نے آپ دونوں کی گفتگو اور طرز کلام سے دونوں کے مزاج و مذاق کا جو اندازہ لگایا ان قصیدوں کو ان سے مختلف پایا اس سے اندازہ ہوا کہ ان میں تبدیلی ہو گئی ہے اس کے بعد قصیدوں کے ایک ایک شعر پر اصلاح کے لئے فرمانا شروع کیا تو کوئی شعر بغیر اصلاح کے نہیں چھوڑا۔

ایک دفعہ ایک پادری صاحب شاہ صاحب کی خدمت میں آئے اور سوال کیا کہ آپ کے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، وہ کہنے لگے تو پھر انھوں نے بوقت قتل امام حسین فریاد نہ کی یا یہ فریاد سنی نہ گئی؟

شاہ صاحب نے کہا کہ نبی صاحب نے فریاد تو کی، لیکن انھیں جواب آیا کہ تمھارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے لیکن، ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰؑ کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔"

آپ کے نامور تلامذہ:۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے سامنے جن بڑے بڑے علماء وفضلاء اور مشائخ طریقت نے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رح، امام المفسرین شاہ عبدالقادر رح، حضرت شاہ عبدالغنی دہلوی رح امام العلماء مولانا رشید الدین دہلوی رح، مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہ بڈھانوی رح، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رح، سید قمرالدین سونی پتی رح حضرت مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی رح، مولانا امام الدین دہلوی رح مولانا صدر علی رامپوری رح، مولانا حیدر علی فیض آبادی، مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رح۔

تصانیف:

شاہ صاحب کی تمام تصنیفات علماء کے حلقوں میں بڑی وقعت اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، آپ کے اسلوب تحریر میں ایسی قوت اور فصاحت وبلاغت ہے کہ کان اس سے حلاوت پاتے ہیں، آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

(۱) **فتح العزیز**:۔ اسے آپ نے بیماری کی شدت کے ایام میں املاء کرایا، یہ کئی بڑی ضخیم جلدوں میں تھی، جس کا بڑا حصہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ضائع ہوگیا صرف آخر اور اول کی دو جلدیں محفوظ رہیں۔

(۲) **الفتاویٰ فی المسائل المشکلۃ**:۔ آپ کے فتوؤں پر مشتمل بڑی کتاب تھی۔

(۳) تحفۂ اثنا عشریہ :- ردّ شیعیت پر بہترین کتاب ہے۔
(۴) بستان المحدثین :- حدیث اور محدثین کے حالات پر مشتمل ہے لیکن نامکمل رہی۔
(۵) العجالۃ النافعہ :- فارسی میں اصول حدیث کی کتاب ہے۔
(۶) میزان البلاغۃ :- فن بلاغت پر ہے۔
(۷) میزان الکلام :- علم کلام پر ہے۔
(۸) السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل :- خلفاء راشدین کے فرق مراتب پر ہے، درسی کتابوں میں آپ کے حواشی بھی کافی ہیں۔

موذی امراض :-

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ ابھی ۲۵ برس کے ہوئے تھے کہ آپ کو متعدد اذیت رساں امراض نے گھیر لیا، جن کے سبب آپ جذام، برص میں مبتلا ہوئے اور بصارت بھی جاتی رہی، ملفوظات میں ہے کہ شاہ صاحب کو بائیس قسم کے خوفناک امراض لاحق تھے، مولانا مناظر احسن گیلانی رح نے امیر شاہ خاں صاحب سے نقل کیا ہے کہ دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا اور چھپکلی کا ابٹن ملوایا تھا، جس سے شاہ صاحب کو برص کا مرض ہو گیا تھا۔ (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ صـ ۲۶۵)

انھیں امراض میں عدم اشتہاء کا مرض اس حد تک بڑھ گیا کہ کئی کئی روز کسی چیز کے چکھنے کی بھی نوبت نہ آتی اور بخار کی طرح اس کی بھی باری آتی تھی، شاہ صاحب رح نے خود مناقب حیدریہ کی تقریظ میں لکھا ہے کہ اس تقریظ میں کوتاہی کے لئے معذرت خواہ ہوں، جو اعذار اور امراض کے سبب ہوئی جن کی وجہ سے بھوک بالکل ختم ہو گئی ہے اور کھانے کی

نوبت باری کے بخار کی طرح آتی ہے، ایسا غالباً پت کے غلبہ کے سبب سے ہے۔ قوی مضمحل ہو گئے حواس میں فرق آگیا، اعضا کمزور پڑ گئے، ہڈیاں اور ڈاڑھیں بھی کمزور ہو گئیں، امیر حیدر بن نور الحسنین بلگرامی صاحب کو حضرت نے جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں رقمطراز ہیں۔

اگر آپ اپنے محب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ بہت خراب ہے اور صبح وشام اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور ایسے ظاہری اور باطنی آلام گھیرے ہوئے ہیں، قرار و سکون چھن گیا ہے اور قلق و اضطراب بڑھ گیا ہے اور یہ سب ایسے امراض کے سبب ہے جس میں سے ایک مرض بھی آدمی کو پریشان اور غمزدہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسے بواسیر، سوزش معدہ اور آنتوں میں ریاح کا رکنا، اس حد تک فقدان اشتہار کہ کئی کئی رات دن کھانا چکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی، بخارات جب قلب کی طرف چڑھتے ہیں تو دم گھٹنے کی کیفیت ہو جاتی ہے، جب یہ دماغ کی جانب پہونچتے ہیں تو تکلیف دہ دردسر شروع ہو جاتا ہے جو ہاون دستہ کی ضرب کی طرح محسوس ہوتا ہے والی اللہ المشتکی وھو المستعان۔ یہ حالت ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتی چہ جائیکہ کوئی کتاب املا کرا سکے یا کوئی پیغام لکھوا سکے۔

وفات:-

اسّی سال کی عمر میں ۷ شوال المکرم ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ء میں آپ کی وفات ہوئی، دہلی کے مشہور قبرستان مہندیان میں اپنے والد صاحبؒ کے قریب مدفون ہیں۔

آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی نماز جنازہ پچپن دفعہ

پڑھی گئی۔

حکیم مومن خاں مومن نے تاریخ وفات کہی ہے۔

جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے
آگیا تھا کیا کہیں مردوں کے ایماں میں خلل
دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے
فقر دین، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

مفسر قرآن
حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی

آپ جلیل القدر مفسر و محدث، علوم عقلیہ و نقلیہ میں علامۂ وقت اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔

ولادت:-

آپ کی ولادت ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۴۹ء کو دہلی میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:-

آپ نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے علم حدیث حاصل کی، ابھی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، باقی تعلیم اپنے بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رہ سے حاصل کی، بیس برس کی عمر میں مروجہ تعلیم مکمل کی۔

درس و تدریس:-

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ آخری عمر میں جب کثرت امراض کی بنا پر درس و تدریس سے معذور ہو گئے تو اپنی جگہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کو مامور فرمایا، اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بھی، شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ رح اور شاہ عبدالعزیز رح کی مسند درس کی نہ صرف لاج رکھی بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے علمی وقار کو دوبالا فرمایا۔ اور آغاز ہی سے درس و تدریس

قضاء وافتاء اور تصنیف وتالیف کا ایسا پروقار انداز اختیار فرمایا جو شاہ ولی اللہ خانوادہ کے شایان شان ہو سکتا تھا، جس کا اعتراف شاہ عبدالعزیزؒ بڑے زوردار الفاظ میں فرمایا کرتے تھے، لہذا اپنے ایک مکتوب بنام شیخ احمد بن محمد شیروانیؒ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اب برادر یگانہ اور خلیق زمانہ کا وقت ہے جو نسباً میرے حقیقی بھائی ہیں، اور فنون علم وادب میں (جن کا لوگ مجھ سے انتساب کرتے ہیں) میرے شریک ہیں، وہ عمر میں مجھ سے کچھ ہی چھوٹے ہیں مگر فن وحکمت میں میرے برابر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کی پرورش میرے ہاتھوں کی، اور ان کی تکمیل کا مجھے ذریعہ بنا کر مجھ پر احسان کیا۔

سرسید مرحوم کا اعتراف کمال:-

اور سرسید احمد خاں مرحوم بانی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ جو شاہ ولی اللہ اور خاندان ولی اللہی کے بڑے مداح اور قدر دان تھے، خصوصاً شاہ عبدالعزیزؒ محدث اور شاہ رفیع الدین دہلوی سے بڑی عقیدت اور ارادت رکھتے تھے وہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے متعلق آثار الصنادید میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

دیارِ ہندوستان کے جمیع فضلاء کے نامی انھیں حضرت فیض موہبت کے مستفیضوں میں سے ہیں، ہر فن کے ساتھ اس طرح کی مناسبت تھی کہ ایک وقت میں فنون متباینہ اور علوم مختلفہ درس فرماتے تھے، جب ایک کی تعلیم سے دوسرے کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے۔ حضار خدمت کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسی فن میں جامۂ یکتائی ان کے قامتِ استعداد پر قطع ہوا ہے باوجود ان کمالات کے افاضۂ فیض باطن کا یہ حال تھا کہ جنید بغدادیؒ اور حسن بصریؒ، کہ اگر ان کے وقت میں ہوتے تو بیشک ولاریب اس میں اپنے

تئیں کمترین مستفیدان تصور کرتے۔

علمِ ریاضی میں مہارت:۔

حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رح صاحب تفسیرِ قرآن، حدیث، فقہ منطق وفلسفہ اور عربی زبان وادب میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ علم ریاضی میں بھی حیرت انگیز دستگاہ رکھتے تھے، آپ کو اس مشکل فن میں موجد ہونے کی حیثیت حاصل تھی، آپ کے معاصرین نے آپ کے اس وہبی کمال کے لئے لفظوں میں اعتراف کیا ہے، خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے لکھا ہے کہ مولوی رفیع الدین در ریاضیات چنداں ترقی کردہ اند کہ شاید موجد آں بودہ باشد۔ (مولوی رفیع الدین نے ریاضیات میں اس قدر ترقی کی کہ اس فن کے موجد نے بھی اس سے زیادہ نہ کی ہوگی)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ "در فن ریاضی مولوی رفیع الدین در ہند وولایت نخواہد بود"۔ (مولوی رفیع الدین کا فن ریاضی میں ہند اور ولایت میں مثل نہ تھا)

قرآن مجید کا اُردو ترجمہ:۔

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے ترجمہ کلام پاک کی جو انقلابی تحریک چلائی، اسے آپ کے جلیل القدر صاحبزادگان نے آگے بڑھایا، شاہ صاحب کے بعد سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رح نے قرآن مجید کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا، ان کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رح نے تحت اللفظ اردو ترجمہ فرمایا۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں میں جو واضح فرق ہے اس کو بڑے حد تک ظاہر کرتے ہوئے بابائے اُردو

مولوی عبدالحق مرحوم لکھتے ہیں۔

"یوں تو دونوں ترجمے لفظی ہیں لیکن شاہ رفیع الدین نے ترجمے میں عربی جملہ کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے، ایک حرف ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیا، ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اردو زبان کے محاورے میں کھپے یا نہ کھپے انھیں کرنا ضروری ہے۔

شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں اس قدر پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور اصل لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روزمرہ اور محاورے کا بھی خیال رکھتے ہیں، دوسری خوبی ان کے ترجمے میں ایجاز کی ہے، یعنی ہمیشہ وہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں پورا مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے۔"

مولوی عبدالحق کی بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر لفظی ترجمہ کا اہتمام کیا ہے، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ بامحاورہ ترجمہ بالکل ہی نہیں کیا ہے، بلکہ کہیں کہیں بامحاورہ ترجمہ بھی کیا ہے اور بڑا ہی دلچسپ کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح شاہ رفیع الدین کے تفسیری ذوق کے متعلق شیخ محمد شیروانی رح کو خط میں لکھتے ہیں کہ۔

شاہ رفیع الدین صاحب چند دنوں کے سفر کے بعد واپس آئے تو مجھے ایک مختصر مگر قیمتی رسالہ کا تحفہ دیا جو ایسے لطائف و نکات پر مشتمل ہے جن میں وہ منفرد ہیں، اور ان سے پہلے انھیں کسی نے نہیں لکھا، ان کی یہ انفرادیت آیت نور کی تفسیر اور اس کے اندر پوشیدہ معانی کی رونمائی کے سلسلہ میں ہے، پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ

اس باب میں ان کے بیانات ایسے حیرت انگیز ہیں جس کے ذریعہ انھوں نے مغز سخن کو ظاہر کر دیا، اور دلوں کے چراغ روشن کر دیتے اور اپنے اسلوب کی انفرادیت سے سعید روحوں کو تازہ دم کر دیا ہے۔

تصنیف و تالیف:۔

آپ کی بلند پایہ تصنیفات یہ ہیں۔

(۱) قرآن حکیم کا تحت اللفظ لفظی ترجمہ (۲) اسرار المجتہد مقدمۂ علم۔

(۳) اثبات شق القمر (۴) تفسیر آیت نور

(۵) تحقیق الوان (۶) آثار قیامت

(۷) حجاب (۸) برہان تمانع

(۹) عقد انامل (۱۰) شرح اربعین کافات

(۱۱) تکمیل الصناعہ (۱۲) عربی قصائد

نقلی اور روایتی علوم کے مقابلے میں آپ پر عقلی علوم اور حکمت و فلسفہ کا غلبہ تھا

اولاد:۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے چار صاحبزادے تھے۔ مولوی محمد موسیٰ، مولوی عیسیٰ، مولوی مخصوص اللہ اور مولوی حسن جان رحمہم اللہ، اور یہ چاروں صاحبزادگان بھی فضل و کمال میں ولی اللہی خاندان کے یادگار تھے۔

وفات:۔

آپ نے اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی حیات ہی میں ۶ر شوال المکرم ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء کو دہلی میں وفات پائی اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب پائینی کی طرف قبرستان مہندیان میں دفن ہوئے۔

امام المفسرین
حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی

آپ ہندوستان کے امام المفسرین، نامور محدث، فخر روزگار اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔

ولادت:۔

آپ کی ولادت ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء یا ۱۷۵۴ء میں دہلی میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:۔

ابتدائی تعلیم والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہ) سے حاصل کی، جب آپ کے والد ماجد کی وفات بچپن میں ہوگئی تو آپ نے اپنے برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز سے تعلیم حاصل کی۔

بیعت وخلافت:۔

حضرت شاہ عبدالعدول دہلویؒ سے طریقت کی تعلیم پائی اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔

درس وتدریس:۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے تصنیف وتالیف اور عبادت وریاضت

کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی ہمیشہ جاری رکھا، اس لئے آپ نے دہلی کے اکبر آبادی مسجد کا انتخاب فرمایا، آپ اس تاریخی مسجد میں ایک عرصے تک بیٹھ کر ظاہری اور باطنی علوم ومعارف کے دریا بہاتے، اور طالبان علم ومعرفت کو سیراب کرتے رہے، آپ کی اس ایمانی وروحانی درسگاہ سے فیض یاب ہونے والوں میں ابنائے اسلام کی مشہور ومقتدر شخصیتیں شامل ہیں۔

مولانا عبدالحیؒ بن ہبۃ اللہ بڑھانویؒ، مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ بن شاہ عبدالغنی دہلویؒ۔ مولانا فضل حق بن مولانا فضل امام خیرآبادیؒ، مرزا حسن علی شافعی لکھنویؒ۔ شاہ اسحاق محدث دہلویؒ، مولانا سید محبوب علی جعفری، مولانا سید اسحاق بن عرفان رائے بریلوی جیسی شہرۂ آفاق شخصیتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو حضرت کے فیضان علم کی بدولت دین اسلام کی صحیح مبلغ اور مکتب ولی اللٰہی کے امین بن کر افق عالم پر چمکے اور پورے عالم کو علوم ولی اللٰہی سے منوّر کردیا۔

زُہد وورع:-

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی خاندان ولی اللہ میں مسلم الثبوت صوفی اور ولی اللہ تھے، آپ زہد وورع اور اخلاص وللّٰہیت میں اپنے بھائیوں میں بھی ممتاز ومنفرد حیثیت کے مالک تھے۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں صاحب نسبت بزرگ شاہ عبدالقادر تھے، اور صاحب نسبت ہونے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صاحب نسبت وہ ہے کہ جس بات کا ارادہ کرے، خدا تعالیٰ اسے پورا فرمائے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ کا شمار زبردست صاحب کشف و کرامات بزرگوں میں ہوتا تھا، جس کے معتقد آپ کے برادر محترم اور استاذ و مربی اور صاحب کشف و کرامات بزرگ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جیسا کہ مولانا امیر شاہ خان تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا پتہ چلانے کے لئے کہ عید کا چاند تیس کا ہوگا یا انتیس کا ہمیشہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ رمضان کی پہلی تاریخ کو آدمی بھیج کر دریافت کراتے۔

میاں عبدالقادر نے آج کتنے سی پارے پڑھے ہیں؟ اگر آدمی آکر یہ کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور صحت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں۔

کیونکہ شاہ عبدالقادر صاحب کو رمضان کا چاند ہوتے ہی اپنے کشف صادق سے پتہ چل جاتا تھا کہ یہ رمضان ۲۹ دن کا ہوگا یا ۳۰ دن کا، اور پہلی شب میں آپ اسی اعتبار سے تراویح میں قرآن پڑھتے، اور آپ کا یہ مکاشفہ زبان زد خاص و عام تھا، حتیٰ کہ دہلی کے دھوبی اور درزی بھی حضرت کی پہلی تراویح کو اپنے کام کے نظم کی بنیاد قرار دیتے، شاہ صاحب کے کشف و کرامات کا اعتراف کرتے ہوئے سرسید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں کہ:-

"بارہا ثقات کی زبان سے سنا گیا کہ جس امر میں کچھ فرمایا ویسا ہی کم و کاست ظہور میں آیا"۔

شاہ صاحب کی کشف و کرامات بیان کی جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے گی، ایک مختصر واقعہ مولانا امیر شاہ خان کے لفظوں میں ملاحظہ فرمایئے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ شاہ صاحب کس قدر صاحب کشف بزرگ تھے

امیر شاہ خان بیان فرماتے ہیں کہ :-

" سلام کرنے والے کے سلام سے ہی آپ پر منکشف ہو جاتا کہ سلام کرنے والا شخص شیعہ ہے یا سنّی، لہذا جب بھی آپ کو کوئی سلام کرتا تو آپ زبانی جواب کے ساتھ ساتھ شیعہ صاحبان کو بائیں ہاتھ اور سنی صاحبان کو دائیں ہاتھ سے اشارہ فرماتے، اور اکثر شیعہ صاحبان بطور آزمائش آپ کو سلام کرتے، اور بعض شیعہ صاحبان نے اس آزمائش پر ہی اپنے عقیدے سے توبہ کر کے سُنّی بن گئے تھے "

جلالتِ شان :-

اگرچہ آپ بے پناہ متواضع و منکسر المزاج تھے مگر آپ کی جلالتِ شان اور قدرتی رعب کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء بھی آپ کے جلالتِ شان کے آگے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے، اور استغناء بھی اتنا تھا کہ امراء اور اغنیاء آپ کی زیارت کو آتے اور تحفے و تحائف پیش کرتے تو آپ باوجود تہی دست ہونے کے نہ صرف یہ کہ ان کا ہدیہ قبول کرتے ہی نہیں تھے بلکہ ان امراء کی مدارات اس طرح فرماتے کہ ان کو آپ کے تہی دست ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا، جب کہ آثار الصنادید میں سر سید احمد خان لکھتے ہیں کہ :

" باوجود اس کے کہ بسبب کثرت اخلاق کے کسی کے حق میں کچھ ارشاد نہ کرتے اور کسی کو نہ فرماتے کہ اِدھر بیٹھ یا اُدھر، لیکن منجانب اللہ لوگوں کے دل میں آپ کا ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ رؤساء شہر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بسبب ادب دور دور خاموش بیٹھتے اور بدون آپ کی تحریک کے مجال سخن نہ پاتے اور ایک یاد بات کے سوا یارا نہ دیکھتے کہ کچھ

اور کلام کریں۔

ترجمۂ قرآن اور اردو زبان:۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رح اٹھارہویں صدی عیسوی کے جلیل القدر ترجمان القرآن اور عالم دین تھے، ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے بعد سب سے پہلا شخص جس نے نوعمر اور نوزائیدہ اردو زبان میں بامحاورہ ترجمہ قرآن مجید کیا، وہ عظیم شخصیت شاہ عبدالقادر رح کی ہے۔

شاہ صاحب نے مسلسل چالیس برس تک مسجد فیض اکبرآبادی میں اعتکاف کرکے ترجمۂ قرآن مجید مکمل کیا، آپ نے اپنی تمام علمی، روحانی اور کشفی صلاحیت اور قابلیت کو ترجمۂ قرآن مجید کے لئے وقف کردیا تھا، علماء نے لکھا ہے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن نہ صرف قدیم اردوئے معلیٰ کا نمونہ ہے بلکہ مراد خداوندی کو صحیح صحیح ادا کرنے کے لحاظ سے بھی یہ ترجمہ اپنے مصنف کی الہامی بصیرت کا شاہکار ہے، اور اسی بناپر شاہ صاحب کے تفسیری فوائد بھی نہایت عجیب وغریب حکیمانہ نکات پر مشتمل ہیں۔

لہذا شاہ صاحب کے ترجمہ اور فوائد پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید انورشاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:

"ترجمہ کی طرح شاہ صاحب کے تفسیری اجتہادات میں بھی الہامی بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے، بڑی بڑی تفسیریں ان علمی نکات اور لطائف سے خالی ہیں جنھیں حضرت شاہ صاحب رح نے مختصر مختصر جملوں میں بیان کیا ہے"

اور آپ کے ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ العرب والعجم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یوم آغاز سے اب

تک تسلسل کے ساتھ بلا انقطاع مقبولیت کی اعلیٰ سطح پر پہونچا ہوا ہے جس میں خاندان ولی اللہ کے فکر کی جھلکیاں غلبہ کے ساتھ صاف طور پر نمایاں ہیں ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے باوجود معنی خیز اور قرآن کے حقیقی مفہوم کی پوری پوری ترجمانی پر مشتمل ہے۔

حضرت ممدوح ترجمہ میں کہیں بھی کوئی ایسا زائد لفظ استعمال نہیں فرماتے جو قرآن کے اصل مفہوم سے زائد یا کم ہو، اس ترجمہ کی وہ بلاغت ہے جس کے بارے میں میں نے اپنے بزرگوں سے حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کا مقولہ سنا ہے، کہ اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اسکے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ کی ہیں۔

وفات:۔

آپ کی وفات چہارشنبہ ۲۹ ر رجب المرجب ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء میں ہوئی اور اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے پاس دفن ہوئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کو مسجد سے باہر اسی وقت دیکھا گیا جب کہ آپ کا جنازہ آخری سفر کے لئے قبرستان مہندیان میں لایا گیا۔

امام المتقین

حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ محدث دہلوی

آپ اپنے وقت کے عظیم متبع سنت، فخر روزگار عالم دین، محدث و فقیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چھوٹے فرزند ارجمند اور شکل و صورت، وضع قطع، لباس و پوشاک میں اپنے والد ماجد کے بیحد مشابہ تھے۔

ولادت:۔

۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۷ء یا ۱۷۵۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔

آپ نے درسیات کی تمام کتابیں اپنے بھائیوں سے پڑھیں، حدیث مسلسل بالاولیۃ کی اجازت اور سند خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے حاصل کی تھی۔

علم وکمال:۔

شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر ہی کی طرح محدث، مفسر، فقیہ، معلّم اور روحانی شیخ تھے، لیکن افسوس آپ کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔

زہد وورع:۔

حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی ذہانت، فطانت اور زہد و ورع

اور صبر و قناعت میں بے نظیر تھے، اتباع سنت میں آپ کا قدم بہت آگے بڑھا ہوا تھا، وضع قطع اور لباس، پوشاک میں اپنے والد بزرگوار اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے بے حد مشابہ تھے، آپ میں بہت سے اخلاق ایسے تھے جو کہ دوسروں میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔

نکاح :-

شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رح کا نکاح مولوی علاؤالدین پھلتی رح کی صاحبزادی بی بی فضیلت سے ہوا تھا، جن سے دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم اور ایک بلند اقبال اور فخر زمانہ فرزند حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید رح تھے، شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ رح کے چوتھے بیٹے شاہ عبدالغنی رح تھے، ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں، لیکن اگر وہ باقی بھائیوں کی طرح مشہور نہیں ہوئے تو ان کی کمی ان کے صاحبزادے شاہ محمد اسمٰعیل نے پوری کر دی، جنھوں نے شاہ عبدالعزیز سے شاہ ولی اللہ کا علم و فضل سیکھ کر جمہور میں عام کیا اور ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کر دیا۔

صاحبزادوں کی وفات میں عجیب ترتیب،

یہ عجیب بات ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی ہے، جس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح خود فرماتے ہیں کہ :-

ترتیب معکوس در رحلت برادران	الٹی ترتیب بھائیوں کی وفات میں
واقع شد یعنی اول مولوی عبدالغنی	واقع ہوئی، اول مولوی عبدالغنی
کہ خورد ترین ہمہ بودند، بعد ازاں	جو کہ سب سے چھوٹے تھے، اسکے

مولوی عبدالقادر، بعدازاں مولوی — بعد مولوی عبدالقادر، اور ان کے
رفیع الدین، کلاں سال ازاو — بعد مولوی رفیع الدین، سب سے
اکنوں باری ماست — بڑا میں ہوں، اب میری باری ہے۔

وفات:-

آپ ۱۲۰۳ھ ۱۶ رجب المرجب، مطابق ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء کو ۲۸ برس کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قریب ہی آسودۂ راحت ہیں۔

مجاہد اسلام

حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ
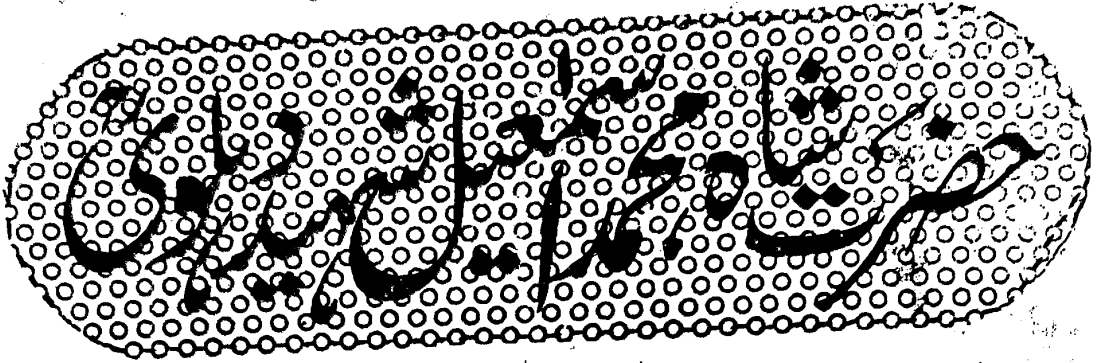
آپ عظیم مرد مجاہد اور نامور محدث و مفسر شاہ عبد الغنی دہلویؒ کے صاحبزادے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے تھے۔

ولادت:-

آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱۹۳ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۷۷۹ء کو دہلی میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:-

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، آٹھ سال کی عمر میں تکمیل حفظ قرآن مجید فرمایا، جب آپ کی عمر دس برس کی ہوئی تو والد ماجد کا انتقال ہوگیا، والد ماجد کے انتقال کے بعد درسی کتابیں حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ سے پڑھیں، اور سند حدیث حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ سے حاصل کی، پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔

بیعت وسلوک:۔

آپ نے حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رح کی خدمت میں رہ کر راہِ سلوک طے کیا، آپ حضرت رائے بریلوی رح سے سات سال بڑے تھے

آپ کا علمی واصلاحی کارنامہ:۔

ایک مکتوب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح نے لکھا ہے کہ، یہ دونوں (مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیل شہید) حضرات تفسیر، حدیث فقہ اور اصول فقہ و منطق میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، ان دونوں کو علماء ربانیین میں شمار کرو، اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو۔

ایک دوسرے مکتوب میں مولانا شہید کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی اصلاحی جدوجہد سے آپ ہی کی زندگی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے۔ (مولانا گنگوہی رح)

شاہ صاحب کی مشہور کتابیں:۔

تقویۃ الایمان۔ صراط مستقیم، عبقات، منصب امامت، اور ایضاح الحق ہیں۔

شہادت:۔

۱۲۱۲ھ میں اپنے پیر و مرشد کے ارشاد پر انگریزوں اور سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے نکلے، چند سال مسلسل معرکہ ہائے جہاد و قتال میں شرکت و رہنمائی کے بعد ۱۲۴۶ھ میں بمقام بالاکوٹ کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال تھی۔

⁂ ⁂ ⁂

محدث ہند

شاہ محمد اسحٰق دہلوی

آپ دیارِ ہند کے نامور محدث وفقیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور خلیفہ تھے۔

ولادت :-

آپ کی ولادت ۸ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۱ء کو دہلی میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت :-

آپ نے کتب صرف ونحو حضرت مولانا عبدالحیٔ بڑھانویؒ سے پڑھیں، باقی درسی کتابوں کی تکمیل حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدین کے حلقۂ درس میں کی، علم حدیث کے لئے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا، اور ان سے سندِ حدیث لی۔

بیعت وخلافت :-

آپ نے سلوک کے منازل حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں رہ کر طے کئے اور انھیں سے اجازت وخلافت حاصل کی

درس وتدریس :- حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو تدریس علم حدیث پر مامور فرمایا تھا، چنانچہ پورے بیس سال آپ نے شاہ

صاحبؒ کے سامنے اور ان کی نگرانی میں یہ اہم خدمات انجام دی، آپ نے ۱۲۴۰ھ میں ارض حجاز کا عزم کیا اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اس سے فارغ ہو کر پھر ہندوستان واپس آئے اور پہلی ہی کی طرح دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی مسند درس حدیث پر رونق افروز ہوئے، حج سے واپسی کے بعد پورے ۱۶ سال تک یہ عظیم الشان خدمت انجام دیتے رہے پھر ۱۲۵۸ھ میں اپنے چھوٹے بھائی حضرت مولانا یعقوبؒ اور دیگر افراد خانہ کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ کیلئے رخت سفر باندھا اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں سکونت اختیار کر لی، آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا یعقوبؒ، حضرت مولانا نذیر حسین دہلوی، حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قاری عبدالرحمٰن پانی پتی، حضرت مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

آپ کے علمی کارناموں میں مأۃ عامل، مسائل اربعین، تذکرۃ الصوم مشہور و معروف ہیں۔

وفات:۔ ماہ رجب ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں مکۃ المکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا، جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔

بطلِ جلیل مصلحِ اعظم حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رح

آپ اپنے وقت کے جلیل القدر مجاہد مصلح اعظم حضرت شاہ عبدالعزیز رح محدث دہلوی کے ممتاز خلیفہ اور تیرہویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔

ولادت:- آپ کی ولادت ۶ صفر ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی میں ہوئی۔

نام ونسب:- آپ کا نام احمد اور والد ماجد کا نام محمد عرفان ہے، آپ کے والد محترم نہایت متوکل اور پرہیزگار تھے، آپ کا سلسلۂ نسب شاہ علم اللہ صاحب رح سے ہوتا ہوا سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے، حضرت شاہ علم اللہ صاحب رح اپنے وقت کے مقبول اولیاء اللہ میں سے تھے حضرت سید آدم بنوری رح کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوتا ہے، اور حضرت سید آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانی کے جلیل القدر خلفاء میں ہوئے ہیں

تعلیم وتربیت:- چار سال چار مہینے چار دن کے ہوئے تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا، لیکن آپ کی طبیعت اس طرف راغب نہیں ہوئی، باوجود استاذ کی شفقت و توجہ اور بزرگوں کی تاکید وفہمائش کے تین سال میں صرف قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہو سکیں، ۱۲۱۸ھ میں دہلی تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر رح سے بعض کتابیں پڑھیں، آپ نے درسیات کی تکمیل نہیں کی، البتہ علماء صلحاء، فقہاء محدثین کی صحبت اختیار کی، جس سے آپ کو دینی علوم سے ضروری واقفیت ہوگئی، اس سفر میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح کی طرف سے آپ کو اجازت بیعت اور خلافت سے بھی سرفراز فرمایا گیا۔

ملازمت:- تعلیم کے بعد سات برس تک نواب امیر خاں کی ملازمت میں رہے جو بعد کو بانی ریاست ٹونک ہوئے، ۱۸۱۷ء میں ملازمت ترک کر کے آپ نے رشد و ہدایت کا کام شروع کر دیا، چونکہ غیر ملکی حکومت کی موجودگی میں یہ کام بوجہ احسن نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے آپ نے سرحد کا رخ کیا اور کابل و قندھار کے خانوں کی مدد سے حکومت پنجاب کے خلاف لڑائی شروع کر دی، بعض مقامات پر آپ کو کامیابی بھی ہوئی، لیکن پٹھانوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے بظاہر ناکامی ہوئی۔

آپ کا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ:- آپ کے سامنے وہی مقاصد تھے جو شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف نے اپنے زمانے میں لوگوں کے حالات دیکھ کر وضع کئے تھے، چنانچہ آپ نے اسی سلسلہ میں پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور لوگوں کو ان کے مقاصد سے روشناس کرایا، ان مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی تھا "جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء" اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار اور مسلمانوں کی آزادی کے لئے سب سے بڑے خطرے اور چیلنج کا مقابلہ۔

آپ نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعہ بدعات و خرافات، رسم و رواج کا قلعہ قمع کر دیا، اور ایسی سنتوں کو زندہ کیا جو مردہ ہو چکی تھیں، آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے داعی اور مصلح تھے، آپ کے دست مبارک پر چالیس ہزار سے زیادہ لوگ مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی

شہادت:- آپ تیرہویں صدی ہجری کے اندر مجدد کی حیثیت سے ابھرے، اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر انگریزوں، سکھوں، ہندؤں سے جہاد کرتے ہوئے بالآخر بالاکوٹ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو جام شہادت نوش کرتے ہوئے آخرت کو سدھار گئے۔

حضرت مولانا مفتی صدرالدین آزردہ

آپ اپنے وقت کے زبردست عالم وفاضل، کامیاب مدرس، زبردست انشاپرداز شاعر، علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے استاذ تھے، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مولانا لطف اللہ شاہ کشمیری تھا، اصلاً آپ کشمیر ہی کے باشندہ تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں دہلی میں ہوئی

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ، فقہ، حدیث وغیرہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ سے حاصل کئے اور سند حدیث لی اور اجازت حدیث حضرت شاہ اسحٰق مہاجر مکیؒ سے بھی حاصل تھی۔

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد دہلی ہی میں مدرسہ دارالبقاء (جامع مسجد دہلی کے نیچے) میں درس وتدریس کا آغاز فرمایا اور آخر عمر تک عوام وخواص کو اپنے علم سے فیضیاب فرماتے رہے، آپ کو ہر فن میں مہارت حاصل تھی، آپ زبردست شاعر تھے آپ کا تخلص آزردہ تھا

آپ کا علمی کارنامہ:۔ المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال الدرالمنضود فی امرأۃ المفقود، مجموعہ فتاوی مشہور معروف ہیں۔

وفات:۔ اکیاسی سال کی عمر میں بمرض فالج ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۷ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ درگاہ چراغ علی دہلی میں مدفون ہیں

محدثِ وقت حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ

آپ اپنے وقت کے مشہور نامور عالم اور استاذ الاساتذہ تھے، اور اپنے معاصر علماء میں ممتاز تھے

نام ونسب:۔ آپ کا نام مملوک علی والد ماجد کا نام احمد علی تھا، دادا کا نام غلام شرف اور پر دادا کا نام عبداللہ تھا، نسلاً صدیقی تھے، چھیالیسویں پشت میں آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ملتا ہے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں "نانوتہ" ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے ابتدائی کتابیں نانوتہ کے بعض اساتذہ سے پڑھیں اس کے بعد دہلی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے تبرکاً علم نحو کی کتاب "ہدایۃ النحو" کے چند اسباق پڑھے، بعد ازاں شاہ صاحبؒ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا رشید الدین خانؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے فنون مروجہ اور علوم متداولہ کی تکمیل کی

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد آپ نے دہلی کالج میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، جہاں آپ کے استاذ مولانا رشید الدین خاں مدرس تھے، چونکہ آپ تمام اصناف علوم پر عبور رکھتے تھے اس لئے بہت جلد طلبہ کا اچھا خاصا حلقہ آپ کے گرد قائم ہو گیا اور تمام عمر اسی درس وتدریس میں مشغول رہے، آپ کے شاگردوں میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ

وغیرہ کے اسمار گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں

وفات:۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو عالم جاودانی کی راہ لی اور دہلی کے مشہور قبرستان "مہندیان" میں مدفون ہوئے۔

اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

آپ اپنے وقت کے معروف ومشہور صاحب کشف وکرامات بزرگ، عارف باللہ، عالم ربانی اور حضرت شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلفار میں تھے

نام ونسب:۔ آپ کا نام فضل رحمٰن، آپ کے والد ماجد کا نام شاہ اہل اللہ تھا، آپ کے والد ماجد بلند پایہ محدث، عارف باللہ بڑے کشف و کرامات اولیار اللہ میں سے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت باسعادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء میں ملاواں ضلع ہردوئی میں ہوئی، بعض نے مقام پیدائش سنڈیلہ لکھا ہے آپ نے اہلیہ صاحبہ کے انتقال کے بعد گنج مرادآباد کو اپنا مستقر بنایا، جو ملاواں سے چار میل پر واقع ہے اس لئے گنج مرادآبادی سے مشہور ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے حضرت مولانا نور بن انوار انصاری فرنگی محلی اور دوسرے علمار لکھنؤ سے درسیات پڑھیں، پھر مولانا حسن علی لکھنوی محدث کی رفاقت میں دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی، حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ اور حضرت شاہ محمد آفاقؒ اور دوسرے مشائخ کبار سے ملاقات کی اور ان کی صحبت حاصل کی، اس سفر میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حدیث بالاولیت اور صحیح بخاری کے کچھ حصہ کی

سماعت کی، حضرت شاہ اسحٰق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے صحاح ستہ کا درس لیا۔

راہ سلوک: آپ نے حضرت شاہ محمد آفاق کی صحبت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

درس و تدریس: فراغت کے بعد ایک عرصہ تک ملاواں میں قیام فرمایا، اسی درمیان مختلف مقامات لکھنؤ، کانپور، بنارس اور قنوج وغیرہ کا سفر بھی کیا اور اکثر مطابع میں قرآن مجید کی تصحیح کا کام کیا، اور ہندی زبان میں عشق محبت کے انداز میں قرآن مجید کی بعض سورتوں کا ترجمہ بھی کیا جس کا نام "من موہن کی باتیں" رکھا، یہ ترجمہ مطبوعہ ہے اور دستیاب ہے، اور آخری عمر تک حدیث پاک کا درس دیتے رہے۔

آپ کا اصلاحی کارنامہ: آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے بھٹکے ہوئے بندوں کو مالک حقیقی جل جلالہٗ کے قدموں میں ڈالا اور صراط مستقیم کی طرف ان کو گامزن کیا، آپ کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے طریقہ کی اشاعت میں زیادتی ہوئی۔

وفات: ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء کو آپ نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی

آپ منطق و فلسفہ کے امام، ایک فاضل و کامل مدرس و معلم عظیم شاعر، خوش بیان مقرر، بہت سی کتابوں کے مصنف، جہاد حریت کے علمبردار، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رح کے شاگرد رشید تھے

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں خیر آباد ضلع سیتاپور یو۔پی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام مولانا فضل امام تھا جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے ہم عصر تھے، آپ کا سلسلہ نسب فاروقی ہے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ کے والد محترم دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت والد ہی کے زیر سایہ دہلی میں ہوئی علم حدیث کی تحصیل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رح کی خدمت میں رہ کر کی، تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم فنون کی تکمیل کی، چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔

ملازمت:۔ آپ کی عمر اٹھائیس سال کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا، جس کی وجہ سے خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ آپ پر آپڑا، اکبر شاہ ثانی کا دور تھا دہلی میں ریزیڈنٹ (بادشاہ کا نائب) رہا کرتا تھا اسی کے محکمہ کے سررشتہ دار (میر منشی، ہیڈ کلرک) ہو گئے، بعد میں دہلی سے جھجھر تشریف لے گئے، ایک عرصہ تک جھجھر رہے، پھر مہاراجہ الور نے بلا لیا، الور سے سہارنپور گئے اس کے بعد آٹھ سال رامپور میں رہے، پھر لکھنؤ میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز رہے

آپ کا سیاسی و علمی کارنامہ:۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دیا، ان سے جہاد کو فرض قرار دیا، جس کے جرم میں اٹھارہ سو انسٹھ ۱۸۵۹ء میں سیتاپور سے گرفتاری عمل میں آئی، اولاً ہندوستان کے جیل خانوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، پھر آپ کو جزیرۂ انڈمان (جزیرۂ انڈمان چھوٹے چھوٹے ایک ہزار جزیروں کا مجموعہ ہے جو کلکتہ سے سات سو اسّی میل دور جنوب میں واقع ہے، یہاں کی آب و ہوا انتہائی خراب ہے) میں بھیج دیا گیا، جہاں آپ کو بہت ہی ذلیل خدمت سپرد کی گئی، آپ کے ذمہ قیدیوں کے بارکوں کی صفائی تھی، پہلے صفائی کے کام پر لگایا گیا پھر کچھ دنوں کے بعد محرری کے کام پر لگا دیا گیا، بہرحال آپ نے تحریک آزادی کیلئے زبردست قربانیاں پیش کیں، طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں، یہ آپ کا ایسا کارنامہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ کیلئے ثبت رہے گا، آپ نے علمی کارنامہ بھی انجام دیا، چنانچہ آپ کے علمی کارناموں میں ہدیۂ سعیدیہ، حاشیہ شرح سلم العلوم، حاشیہ تلخیص الشفاء، تحقیق الاجسام، رسالہ تحقیق العلم والعلوم الثورۃ الہندیہ وغیرہ کی تصنیف آپ کے اہم علمی کارنامے ہیں۔

وفات:۔ رہائی کا پروانہ ملتے ہی آپ کے صاحبزادے مولوی شمس الدین صاحب مرحوم آپ کو لینے کیلئے جزیرۂ اندمان پہونچے، جہاز سے اتر کر شہر میں گئے تو سامنے سے جنازہ آرہا تھا جس میں کافی بھیڑ تھی، آپ نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں، لوگوں نے بتایا کہ یہ مولانا فضل حق خیرآبادی کا جنازہ ہے، کل ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق اکتوبر ۱۸۶۱ء کو انتقال ہوا ہے، اب سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں، آپ بہ حسرت و یاس دفن میں شریک ہوئے اور اپنے باپ کو جزیرہ میں دفن کر کے تنہا وطن واپس چلے آئے

رئیس الاتقیاء

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی

آپ اپنے عہد کے ممتاز عالم و فقیہ، رئیس الاتقیاء حضرت شاہ محمد یعقوب دہلوی رہ کے مرید اور حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی رہ کے شاگرد رشید تھے،

ولادت:- آپ کی ولادت ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام مولانا محمود بخش صاحب کاندھلوی تھا جو اپنے وقت کے زبردست عالم دین تھے۔

تعلیم و تربیت:- آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رح سے حاصل کی، علوم کی تکمیل نہ کر سکے تھے کہ مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا تو بقیہ ظاہری و باطنی تعلیم حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی رح نواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز رہ سے حاصل کی۔

راہ سلوک:- آپ نے سلوک کے منازل حضرت شاہ محمد یعقوب دہلوی رہ کی خدمت میں رہ کر طے کئے اور انھیں کے مجاز بھی ہوئے۔

درس و تدریس:- آپ کے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ نہ تھا ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے، کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔

آپ کا تقویٰ:۔ آپ کا خاص جوہر احتیاط اور زہد و تقویٰ تھا، یہ بات مشہور اور مسلم تھی کہ آپ کے معدہ نے کبھی کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

" شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے، اول درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحبؒ، دوسرے درجہ کے حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ اور تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خاں صاحبؒ۔

آپ کا اصلاحی کارنامہ:۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے سنت مطہرہ کی حمایت اور بدعت کی تردید کیلئے اپنی زندگی وقف کردی تھی، عقد بیوگان جو اس زمانے میں بہت ہی معیوب سمجھا جاتا تھا، آپ نے اس ہندوانہ رسم کی شدید مخالفت کی اور بہت سی بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کا اہتمام کیا۔

وفات:۔ آپ نے سات حج پیدل کئے، مدینہ منورہ میں دس محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ مئی یوم جمعہ ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا، جنت البقیع میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے قریب مدفون ہیں۔
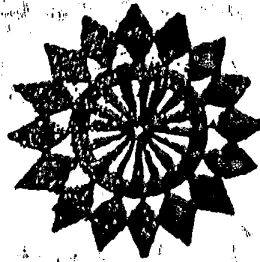
حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور و معروف محدث، مفسر، فقیہ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی ذریت میں تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں دہلی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت شاہ ابو سعید تھا جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور حضرت شاہ غلام علی مجددی کے خلیفۂ اعظم تھے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ نے حفظ قرآن مجید کے بعد علوم درسیہ حضرت مولانا حبیب اللہ دہلویؒ سے پڑھی، حدیث شریف حضرت شاہ اسحاق محدث دہلویؒ سے پڑھی، موطا امام محمد اپنے والد حضرت شاہ ابو سعیدؒ سے پڑھی اور مشکوٰۃ شریف مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدینؒ سے پڑھی، ۱۲۴۹ھ میں حرمین شریفین حاضر ہوکر حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں شیخ محمد عابد سندی سے بخاری شریف پڑھی اور ابو زاہد اسماعیل بن ادریس رومی سے بھی سند فراغت حاصل کی۔

درس و تدریس:۔ حجاز سے واپسی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ کی مسند حدیث پر جو ان کی ہجرت مکہ سے خالی ہو گئی تھی متمکن ہوئے اور عرصۂ دراز تک طالبانِ علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے، آپ کے فیض تعلیم سے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جیسے نامور علماء پیدا ہوتے، ۱۲۷۳ھ میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے اور وہیں مقیم ہوگئے

راہ سلوک:- آپ نے طریقت میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوسعیدؒ ہی سے رجوع فرمایا، اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

آپ کا علمی کارنامہ:- آپ کے علمی کارناموں میں انجاح الحاجہ فی شرح ابن ماجہ مشہور ومعروف ہے۔

وفات:- آپ کی وفات بروز چہارشنبہ ۶ محرم الحرام ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور وہیں جنت البقیع میں مدفون ہیں

محشی بخاری حضرت مولانا احمد علی محدّث سہارنپوریؒ

آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور نامور محدث تھے، آپ کا شمار کبار محدثین اور فقہاء میں ہوتا ہے۔

ولادت:- آپ کی ولادت ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء میں سہارنپور یوپی میں ہوئی

تعلیم وتربیت:- آپ نے ابتدائی تعلیم سہارنپور کے علماء سے حاصل کی، اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے وہاں مولانا مملوک علی نانوتویؒ اور حضرت مولانا وجیہ الدینؒ سے پڑھا، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے، حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر صحاح ستہ حضرت مولانا شاہ اسحٰق مہاجر مکیؒ سے پڑھی۔

درس وتدریس:- تعلیم سے فراغت کے بعد ہندوستان واپس آکر حدیث نبوی کے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے، ساری عمر صحاح ستہ کا درس دیتے رہے، اور ان کتابوں کی تصحیح فرمائی، خصوصی طور سے بخاری شریف کی تصحیح وتحشیہ پر بڑی توجہ صرف کی دس سال اس خدمت میں گذارے، اخیر عمر میں مظاہر علوم سہارنپور میں بھی آپ نے تفسیر وحدیث کا درس دیا اور کبھی معاوضہ نہیں لیا۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا سید

محمد علی مونگیری رح، اور حضرت علامہ شبلی رح جیسے نامور علماء شامل تھے۔

آپ کا علمی کارنامہ:۔ آپ نے بہت سے علمی رسائل تصنیف فرمائے جیسے الدلیل القوی علی ترک القرآۃ للمقتدی وغیرہ۔ آپ کا دوسرا اہم کارنامہ بقول حضرت علامہ شبلی "مولانا سہارنپوری کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ حدیث کی قلمی کتابوں کو سخت محنت سے صحیح کرکے چھاپ کر عام کیا۔" (حیات شبلی)

وفات:۔ ۶ رجمادی الاول ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۷۹ء بروز شنبہ سہارنپور میں آپ نے وفات پائی، عیدگاہ کے قریب اپنے آبائی قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں۔
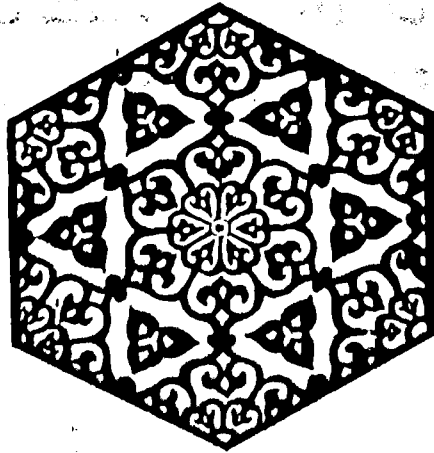
فکرِ ولی اللّٰہی کے علمبردار

چودہویں صدی ہجری کے علمائے ربانیین

حضرت شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد ولی اللہی مکتب فکر کا چراغ ٹمٹمانے لگا اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے رہی سہی توقع بھی منقطع ہوگئی تو ان کی روحانی اولاد جن کا سینہ حمیت اسلامی، غیرت ایمانی سے معمور تھا ان کی ایک مقدس جماعت دینی بصیرت اور تعلیمی مہارت کے ساتھ باطل کے مدمقابل سینہ سپر ہوجاتی ہے، یہ مقدس جماعت ان علمائے ربانیین کی جماعت ہے جنھوں نے اپنے دست حق پرست سے لوار حق بلند فرمایا جن کا نصب العین دعوت حق اور اشاعت دین تھا انھوں نے اتباع سنت اور پیروی صحابۂ کرام وسلف صالحین کا پروگرام پیش کرکے طالبین حق کے سامنے ایک لائحہ عمل پیش کیا، انہی حضرات کی جہد مسلسل سے مدارس ومکاتب کا قیام عمل میں آیا، فلاسفہ اور دانشوران کی طرح فکر پیش کرکے خاموش بیٹھ نہیں گئے بلکہ دین حق کی سربلندی کیلئے، اور آنے والی نسل کے قلوب کو محبتِ

دین سے سرشار کرنے کے لئے خود بھی سرگرم عمل رہ کر اسلامی روح کی حفاظت فرمائی اور اسلامی مسائل کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے مستحکم فرمایا، ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شیخ العرب والعجم سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ
(۲) حجۃ الاسلام بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
(۳) امام العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
(۴) حضرت مولانا محمد منظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔
(۵) مناظر اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ۔
(۶) حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔
(۷) حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کے حالات حسب ترتیب مختصراً ذکر کئے جاتے ہیں اور ان کے خدمات اور کارنامے بھی اجمالاً پیش خدمت ہیں۔

قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے شیخ المشائخ، عارف باللہ اور علماء دیوبند و اکابر دیوبند کے پیر و مرشد تھے۔

ولادت:۔ ولادت آپ کی ۲۲ صفر المظفر ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۴ء بروز شنبہ قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، آپ کے والد ماجد حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام امداد حسین رکھا، لیکن حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد اللہ تجویز کیا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرامت تھی کہ آپ اسی لقب سے مشہور ہوئے، آپ کا تاریخی نام ظفر احمد (۱۲۳۳) رکھا گیا تھا، آپ کا نسب پچیس واسطوں سے حضرت ابراہیم

بن ادہم سے جا کر ملتا ہے۔

تعلیم و تربیت:- آپ نے اوّلاً حفظ فرمایا، جب سولہ سال کی عمر ہوئی تو تقریباً ۱۲۴۹ھ میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمہ کے ہمراہ دہلی کا سفر فرمایا، وہاں آپ نے فارسی کی مختصر کتابیں پڑھیں، اور کچھ علم صرف و نحو حاصل کیا، حضرت مولانا رحمت علی تھانوی رحمہ سے تکمیل الایمان اور حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ سے قرأت اخذ فرمائی بعدازاں مشکوٰۃ شریف ایک ربع قرأۃً حضرت مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی رحمہ سے پڑھی، حصن حصین اور فقہ اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم نانوتوی رحمہ سے اخذ کیا، البتہ مروّجہ نصاب کے مطابق آپ نے درسیات کی تکمیل نہیں کی۔

بیعت و خلافت:- اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت مولانا نصیرالدین نقشبندی مجددی دہلوی رحمہ سے جو حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی رحمہ کے خلیفہ اور حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحمہ کے داماد اور شاگرد تھے، بیعت کی اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے، ان کے انتقال کے بعد حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمہ سے جو اپنے زمانہ کے بلند پایہ صاحب طریقت تھے، بیعت کی اور ان سے بھی اجازت و خلافت حاصل کی۔

آپ کے کارنامے:- آپ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا اور شاملی کے میدان میں مردانہ وار انگریزوں کا مقابلہ کیا، آپ ہی کی قیادت میں یہ جنگ لڑی گئی جو آپ کا ایک اہم سیاسی کارنامہ ہے، اس کے علاوہ آپ ایک بہت بڑے شیخ اور مصلح تھے، بڑے بڑے علماء و صلحاء آپ کے مرید تھے، آپ کی ذات سے عوام و خواص کو زبردست فائدہ پہونچا، آپ نے چند کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ جیسے ضیاء القلوب، جہاد اکبر، تحفۃ العشاق وغیرہ، الغرض آپ نے سیاسی اصلاحی اور علمی تینوں کارنامے انجام دیئے۔

وفات:- ۱۲ / یا ۱۳ / جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء کو مکۃ المکرمہ میں محبوب حقیقی سے جا ملے، جنت المعلیٰ قبرستان میں مدفون ہیں، شورش کاشمیری نے آپ کی شان میں یہ اشعار کہے ہیں۔

پیچ و خم کھاتی ہوئی راہوں کو چمکاتا رہا :: مہر عالمتاب رنگ و نور برساتا رہا
قرن اول کے صحابہ کی ادائے خاص میں :: داستان سید الابرار دہراتا رہا
عہدِ استبداد کی تیغ ستم کا بانکپن :: اس کی شمشیر نگہ کے ڈر سے تھراتا رہا
بو ذر و سلمان کے اوصاف کا مظہر تھا وہ
اس صدی میں غیرت اسلام کا پیکر تھا وہ
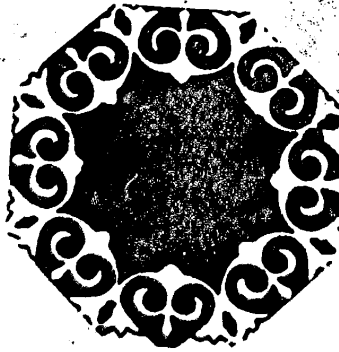
ایشیا کی عظیم درسگاہ ازہر الہند دار العلوم دیوبند کے بانی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

اس کے سینے میں خدا کا آخری پیغام تھا
وہ خدا کی سرزمیں میں حجت اسلام تھا

آپ مشہور و معروف عالم ربانی، علوم عقلیہ و نقلیہ کے علامہ، عظیم متکلم، حجۃ الاسلام، مناظر اسلام، شاملی کے محاذ پر انگریزی فوج سے دست بدست جنگ کرنے والے مجاہد، اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے۔

ولادت:- آپ کی ولادت باسعادت ماہ شعبان رمضان سنہ ۱۲۴۸ھ مطابق سنہ ۱۸۳۲ء میں بمقام "نانوتہ" ضلع سہارنپور یوپی۔ میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام خورشید حسین ہے، آپ کے والد ماجد کا نام اسد علی اور دادا کا نام غلام شاہ تھا۔

تعلیم و تربیت:- آپ نے ابتدائی کتابیں نانوتہ میں پڑھیں اسکے بعد دیوبند

تشریف لے گئے جہاں آپ نے علم نحو کی مشہور کتاب "کافیہ" پڑھی۔ الغرض آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل مولانا مملوک علیؒ اور مفتی صدر الدین آزردہ رح سے کی، اور علم حدیث کی تکمیل حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری اور حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلویؒ سے کی، اس طرح آپ نے علوم مروجہ میں مہارت پیدا کی۔

بیعت وخلافت:۔ علم حدیث کی تحصیل کے دوران ہی آپ نے سید الطائفہ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت کرکے راہ سلوک اختیار کی اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے اور پیر ومرشد نے آپ کے بارے میں بہت اونچے کلمات کہے۔

حضرت حاجی صاحب ضیاء القلوب میں حضرت نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں "ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوتے"۔ ضیاء القلوب ہی میں حضرت نانوتوی رح اور حضرت گنگوہی رح دونوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب سلمہ، اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ، کو درجات میں مجھ سے زیادہ خیال کریں، اگرچہ بظاہر معاملہ الٹا ہو گیا اور وہ مرید کی جگہ، اور میں مرشد کی جگہ ہو گیا اور ان کی صحبت کو غنیمت جانیں، اس قسم کے لوگ اس زمانہ میں نایاب ہیں۔ اور ان کی بابرکت خدمت میں فیض حاصل کریں۔

درس وتدریس:۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے ذریعہ معاش کے لئے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے مطبع احمدی دہلی میں تصحیح کتب کا کام اختیار کیا، اسی دوران آپ نے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی فہمائش پر صحیح بخاری کے آخری چند سپاروں کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا، تصحیح کتب کے ساتھ آپ نے درس وتدریس کا بھی سلسلہ شروع فرما دیا تھا چنانچہ آپ کا

درس بالعموم مطابع ہی کی چہار دیواری میں ہوتا تھا جس میں صرف خاص لوگ شریک ہوتے تھے، آپ کے فیض درس سے حضرت شیخ الہند رح، مولانا احمد حسن امروہوی رح اور مولانا فخر الحسن گنگوہی رح وغیرہ جیسے باکمال نامور علماء کی جماعت تیار ہوئی، آپ نے ذریعۂ معاش کیلئے مطبع مجتبائی میرٹھ اور مطبع ہاشمی میرٹھ میں بھی ملازمت کی اس دوران میں بھی درس وتدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

حضرت قاسم العلوم کی علمی شان تجدید:۔

حضرت اقدس بچپن ہی سے ذی فہم اور فطانت و ذکاء کے مجموعہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دین متین کیلئے اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے ساتھ حضرت والا کو چن لیا تھا، چنانچہ ایام طالب علمی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ "میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں"

اس خواب کا تذکرہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا انھوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خواب کی تعبیر روز روشن کی طرح عیاں فرمادی، آج حضرت اقدس کے علوم کی بہاریں ہی تو عالم علم کو تروتازہ کئے ہوئی ہیں۔ — مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ

"حضرت مولوی صاحب (مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ نہ کسی نے سنے اور نہ سمجھے اور عجیب وغریب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے تھے جس سے تطبیق اختلافات اور تحقیق ہر مسئلہ کی بیخ وبن ہو جاتی تھی، آج ان کے فیض تعلیم کا اثر موجود ہے کہ ہر چند ذرہ آفتاب کا کیا نمونہ مگر پھر اسی جمال کا آئینہ ہے اور وہی اس کے حوصلہ کا موجب اس میں جلوہ گر ہے جو چاہیں دیکھ لیں اور ان کی

تحریرات وتقریرات کو سن لیں۔

ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ نے چھتے کی مسجد میں فرمایا جب کہ لوگوں کا مجمع تھا کہ بھائی آج ہم تو صبح کی نماز میں مرجاتے بس کچھ ہی کسر رہ گئی تھی، عرض کیا گیا، کیا حادثہ پیش آیا، فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گذرا کہ میں تحمل نہ کر سکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جاتے مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اس لئے میں بچ گیا، نماز کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی رح ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے، یہ ان کی توجہ کا اثر تھا، پھر فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسروں کے قلوب پر موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت وقوت کا کیا حال ہوگا جس میں خود وہ علوم ہی سمائے ہوئے ہیں اور وہ کس طرح ان علوم کا تحمل کئے ہوتے ہیں۔

"حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح حضرت نانوتوی رح کی تصانیف پر بہت نگاہ رکھتے تھے اور یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ "سو برس تک فلسفہ کتنے روپ بدل کر آتے لیکن حضرت کی حکمت قلعی کھولنے کے لئے کافی ہوگی، سو برس تک کوئی اسلام کا مقابلہ اور اسلام پر حجت سے حملہ نہیں کر سکتا اتنی حجتیں جمع فرمادیں۔"

"حضرت رح کی ہر چیز بیچ کی نہ تھی بلکہ آخری کنارے پر لگی ہوئی تھی"

حضرت اقدس رح کی اس علمی شان تجدید کے سلسلہ میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ایک واقعہ پیش کیا کہ۔

"مولانا یعقوب اور تمام اساتذۂ دارالعلوم نے جن میں اساتذہ بھی ائمہ

فنون تھے، ان سب نے مل کر حضرت نانوتویؒ سے درخواست کی کہ تفسیر کی کوئی کتاب پڑھادیں تاکہ قرآنی علوم بھی ہم سیکھیں، حالانکہ یہ سب درخواست گذار ائمہ علوم تھے خاص کر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔

تو حضرت نے منظور فرمالیا، چھتہ کی مسجد میں حضرت نے درس شروع فرمادیا، الٓمٓ سے شروع فرمایا تو حروف مقطعات پر کوئی دو ڈھائی گھنٹہ تقریر فرمائی اور عجیب وغریب علوم ومعارف ارشاد فرمائے، اور عجیب بے نفسی کا دور تھا، کہ سارے اساتذہ سبق پڑھ کر باہم کہنے لگے کہ بغیر تکرار کے یہ علوم محفوظ نہ ہونگے لہذا تکرار کیا جائے، نودرہ میں بیٹھ کر تکرار شروع ہو گیا، مولانا یعقوب صاحبؒ نے تکرار شروع کی بیچ میں ایک جگہ رکے، بات یاد نہ رہی کسی اور کو بھی یاد نہ آئی، تو کہا کہ میں مولانا سے پوچھ کر یہ تقریر کروں گا، تو صبح کی نماز پڑھ کر حضرت جب اپنے حجرہ میں آرہے تھے تو مولانا یعقوب صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت تقریر کا فلاں حصہ یاد نہیں رہا، تو کھڑے کھڑے حضرت نے تقریر شروع کی، مولانا فرماتے ہیں کہ نہ لفظ اس عالم کے تھے نہ معنی اس عالم کے، ایک حرف بھی سمجھ میں نہ آیا کہ مولانا کیا کہہ رہے ہیں، تو عرض کیا، حضرت ذرا نازل ہو کر فرمائیے کہ کچھ سمجھ جاؤں، اب دوبارہ تقریر شروع کی تو الفاظ سب سمجھ میں آگئے مگر معانی نہیں، تو پھر عرض کیا حضرت کچھ اور نازل ہو کر فرمائیے ہم وہاں تک نہیں پہونچے، تو فرمایا کہ مولانا دوسرے وقت میں آئیے گا تو اس وقت کہونگا تو علوم میں اس وقت کتنا عروج تھا کہ ادھر کہہ رہے ہیں ادھر سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو علم کا یہ حال تھا اور عمل تو ظاہر ہے۔

آپ کے کارنامے: حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی یوں تو

بڑے بڑے کارناموں سے بھری پڑی ہیں، لیکن بنیادی طور پر آپ نے تین بڑے کام انجام دیئے۔ (۱) سب سے پہلا کام دارالعلوم دیوبند کا قیام ہے، یہ اتنا عظیم کام ہے کہ پوری دنیا پر اس نے اثر ڈالا اور جس کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

الہامی ادارہ:۔ دارالعلوم دیوبند درحقیقت ایک الہامی ادارہ ہے جس کی بنیادوں میں وقت کے اولیائے کرام، کاملین کے نفوس کی کاوشیں کارفرما ہیں، چنانچہ اسی مضمون کی طرف مرشدی و مولائی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نوراللہ مرقدہٗ کے الفاظ مشیر ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کا اجراء عام موجودہ طریقے پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے بیٹھ کر مشورہ کیا کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مجموعی رائے سے مدرسہ دیوبند قائم کر دیا گیا ہو، بلکہ یہ مدرسہ بالہام غیب قائم کیا گیا ہے، وقت کے اہل اللہ اور ارباب قلوب افراد کے قلوب پر یک دم وارد ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں جب کہ انگریزی اقتدار مسلط ہو چکا ہے اور اس کے تحت ان کا تمدن اور ان کے افکار و نظریات تبعاً اس ملک پر مسلط ہونے والے ہیں جو یقیناً اسلام کے منافی اور نصرانیت کے فروغ کا باعث ہوں گے، اور ممکن ہے کہ ان کے نفسانی تمدن کے زیر اثر اسلامی معاشرت بلکہ نفس دین و مذہب ہی سے قلوب میں بیگانگی پیدا ہو جائے (جو کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کی فراست ایمانی کے مطابق یہ خطرہ واقعہ بن کر نمایاں ہونے لگا) ایک مدرسہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو اس سیلاب کے بہاؤ سے بچا سکے چنانچہ ہر ایک نے اپنے واردات کو ایک مجلس میں بیٹھ کر ظاہر کیا، کسی نے کہا کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ ان حالات میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو کم سے کم مسلمانوں کے

دین کو محفوظ رکھ سکے، کسی نے کہا کہ میرے قلب پر بھی یہی وارد ہوا ہے، کسی نے کہا کہ مجھے خواب میں یہی حقیقت دکھلائی گئی ہے، غرض قدرتی طور پر ایک باطنی اجماع اس پر منعقد ہو گیا کہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کا دین محفوظ ہو جائے گو ان کی اسلامی شوکت پامال ہو چکی ہے لیکن اگر دین اور دینی جذبات محفوظ ہو جائیں گے تو ایسا وقت آنا بھی ممکن ہے کہ وہ ان دینی جذبات سے رہتی دنیا کو بھی سنوار سکیں، یہ تھے وہ الہامات غیب جن کے تحت ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۸۶۶ء میں اس ادارے کا آغاز کیا گیا، اس لئے یہ مدرسہ کسی رسمی مشورہ مفاہمت سے قائم نہیں ہوا بلکہ باشارات غیب وقوع پذیر ہوا، حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح اپنے ان روشن ضمیر رفقاء کے ساتھ اجراء مدرسہ پر مستعد ہوئے اور ملاّ محمود صاحب دیوبندی رح جو میرٹھ ہی میں مدرس تھے، میرٹھ ہی میں بلا کر فرمایا کہ آپ کو یہاں دس روپے ماہوار تنخواہ مل رہی ہے آپ اپنے وطن دیوبند تشریف لے چلیں وہاں مدرسہ قائم ہو رہا ہے اور وہیں درس و تدریس شروع فرما دیں آپ کی تنخواہ بھی پندرہ روپے ماہوار ہوگی ملاّ صاحب تشریف لے آئے اور مسجد چھتہ میں جو دارالعلوم دیوبند سے متصل اور اب دارالعلوم ہی کے زیر انتظام ہے تعلیم شروع فرما دی۔ ملا محمود صاحب نے صرف ایک شاگرد مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کو سامنے بٹھلا کر مدرسہ دیوبند کا آغاز کر دیا، بعد میں اجراء مدرسہ کا اعلان ہوا اور بتدریج ایک سے دو اور دو سے پانچ دس تک طلبہ کی تعداد بڑھنی شروع ہو گئی، پھر حضرت نانوتوی نے اس مدرسہ کو بلکہ اس جیسے تمام مدارس کیلئے آٹھ اصول وضع فرمائے اور ان پر عنوان یہ رکھا کہ "وہ اصول جن پر چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں" مولانا محمد علی جوہر مرحوم جب تحریک خلافت کے موقع پر دیوبند تشریف لائے، دارالعلوم پہونچے اور

یہ اصول حضرت ہی کے قلم سے لکھے ہوئے ان کے سامنے پیش کئے گئے (جو بجنسہٖ خزانۂ دارالعلوم میں حضرت ہی کی قلمی تحریر کے ساتھ محفوظ ہیں) تو مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا "ان اصول کا عقل سے کیا تعلق؟ یہ تو خزانۂ غیب اور مخزن معرفت سے نکلے ہوئے ہیں، حیرت ہے کہ جن نتائج تک ہم سو برس میں دھکے کھا کر پہونچے ہیں، یہ بزرگ سو برس پہلے ہی ان نتائج تک پہونچ چکے تھے، اس شہادت اور ہم خدام دارالعلوم کے یقین کی گواہی سے صاف ظاہر ہے کہ اس مدرسہ کے اصول بھی الہامی ہیں، کسی رسمی مشورہ مفاہمت کا نتیجہ نہیں،

اجرار مدرسہ کے بعد یہ مدرسہ مختلف مسجدوں اور پھر کرایہ کے مکانات میں چلتا رہا، سات آٹھ برس کے بعد جب طلبہ کی کثرت ہوئی اور رجوع عام ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ مدرسے کا کوئی اپنا مستقل مکان ہونا چاہئے، تو یہ جگہ اور اس کے حصے جہاں آج دارالعلوم کی وسیع عمارت کھڑی ہے، تحریک و ترغیب کے بعد مدرسہ کے لئے دینے شروع کئے، بعض نے بقیمت اور بعض نے حسبۃً للہ، جس سے ایک بڑا قطعہ مدرسے کے ہاتھ آگیا، یہ جگہ عموماً شہر کی غلاظت میلا اور کوڑیوں کی جگہ تھی۔ دارالعلوم کے قیام سے تقریباً ایک صدی یا کم و بیش پہلے یہاں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی رح اپنے رفقار کے ساتھ گذرے تو فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بو آتی ہے، جس کا ظہور سو سال کے بعد ہوا اور اسی گندی جگہ سے بالآخر ۱۸۰۸ء کے بعد علوم نبوت کی اشاعت و ترویج شروع ہوئی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی جگہ کا انتخاب بھی الہامی ہے، جو باشارات غیب پہلے سے منتخب تھی اور آخر کار اسی جگہ پر ان اہل اللہ کا قرعۂ فال پڑا اور اس میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔

زمین مل جانے کے بعد جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی

قدس سرہٗ مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند (جو نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے، صاحب کشف وکرامات اور صاحب واردات بزرگ تھے) کے زمانۂ اہتمام میں عمارت مدرسہ تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی اور وقت آگیا کہ اسے بھرا جائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے، مولانا علیہ الرحمہ نے خواب دیکھا کہ اس زمین پر حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، عصا ہاتھ میں ہے، حضورؐ نے مولانا سے فرمایا شمال کی جانب سے جو بنیاد کھودی گئی ہے اس سے صحن مدرسہ چھوٹا اور تنگ رہے گا اور آپ نے عصائے مبارک دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیئے تا کہ مدرسے کا صحن وسیع رہے، جہاں تک اب صحن کی لمبائی ہے، مولانا علیہ الرحمہ خواب دیکھنے کے بعد علی الصباح بنیادوں کے معائنے کیلئے تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان لگایا ہوا اسی طرح بدستور موجود تھا، تو مولانا نے پھر نہ ممبروں سے پوچھا نہ کسی سے مشورہ کیا اسی نشان پر بنیاد کھدوادی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہو گئی۔

اس سے واضح ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیادیں بھی الہامی اور اشارات غیب کے تحت ہیں، اس کا سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو تمام اہل اللہ واکابر جمع ہی نہیں تھے بلکہ ان کے قلوب میں ایک عجیب بشاشت وکیفیت کا نور موجزن تھا، سنگ بنیاد میں جس سے بھی پہل کرنے کو کہا جاتا تو وہ کہتا نہیں فلاں صاحب سے ابتداء کرائی جائے وہ سب کے بڑے اور اسکے اہل ہیں، گویا بے نفسی کا یہ حال تھا کہ اپنے کو کمتر سمجھ کر کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا بالآخر اینٹ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ سے رکھوائی گئی، اور اسکے ساتھ ہی حضرت نانوتویؒ نے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب

کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنھیں صغیرہ گناہ کا کبھی تصور نہیں آیا، تو انھوں نے حضرت محدث سہارنپوری کے ساتھ اینٹ رکھی جس سے واضح ہے کہ سنگ بنیاد رکھنے والے بھی وہ اہل اللہ تھے جو اتباع سنت اور روحانیت میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کا ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ممدوح دارالعلوم کے صحن (پیش نودرہ) میں کھڑے ہوئے تھے، چند طلبہ ابھی حاضر تھے کہ دورۂ حدیث کا ایک طالب علم مطبخ سے کھانا لیکر آپ کے سامنے آیا، جب کہ اس وقت مطبخ میں صرف چودہ یا پندرہ طلبہ کا کھانا پکتا تھا، اور اس نے نہایت ہی گستاخانہ انداز میں شوربے کا پیالہ مولانا کے سامنے زمین پر دے مارا اور کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام و انتظام کہ اس شوربے میں نہ مصالحہ ہے نہ گھی ہے، پانی جیسا شوربہ ہے اور کچھ اور بھی سخت و سست الفاظ کہے، اس گستاخی پر طلبہ جوش میں آگئے مگر چونکہ حضرت مولانا پوری متانت کے ساتھ خاموش تھے اور زبان سے کچھ بھی نہیں فرما رہے تھے اسلئے طلبہ بھی خاموش کھڑے رہے، بجائے کچھ فرمانے کے مولانا نے اس گستاخ طالب علم پر تین دفعہ اس کے سر سے پیر تک نگاہ ڈالی، جب وہ طالب علم بک جھک کر چلا گیا تو مولانا نے حیرت سے طلبہ سے فرمایا کہ کیا یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم ہے؟ طلباء نے عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے کا طالب علم ہے، فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، طلبہ نے کہا کہ مطبخ کے رجسٹر میں اس کے نام کا باقاعدہ اندراج ہے، اور یہ برابر مدرسہ کا کھانا لے رہا ہے، فرمایا کہ کچھ بھی ہو یہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے، چند دن کے بعد جب چھان بین ہوئی تو ثابت ہوا کہ وہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے، اس کا ہم نام ایک دوسرا طالب علم

ہے اس نے دھوکے سے محض نام کے اشتراک کی وجہ سے کھانا لینا شروع کر دیا،
ورنہ اس کا اندراج سرے سے ہی رجسٹروں میں نہیں ہے۔

بات کھل جانے پر طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت! بات تو وہی نکلی جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، لیکن آپ نے اس وقت کس بناء پر اس کے طالب علم ہونے کی نفی فرمائی؟ فرمایا ابتداء میں اہتمام سے کارہ اور بیزار تھا، لیکن جب بھی چھوڑنے کا ارادہ کرتا تو حضرت نانوتویؒ روک دیتے تھے، مجبوراً پھر کام میں لگ جاتا تھا اور ردو انکار اور جبر و اصرار سے چند دن بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ احاطہ مولسری دارالعلوم کا کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس کی منڈیر پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں، لینے والے آرہے ہیں، اور دودھ لے جارہے ہیں، کوئی گھڑا لے کر آرہا ہے، کوئی لوٹا، کوئی پیالہ اور کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو ہی بھر کر دودھ لے رہا ہے، اور اسطرح ہزاروں آدمی دودھ لے جارہے ہیں، فرمایا کہ وہ خواب دیکھنے کے بعد میں مراقب ہوا کہ اس واقعے کا کیا مطلب ہے؟ تو مجھ پر منکشف ہوا کہ کنواں صورت مثل دارالعلوم کی ہے اور دودھ صورت مثال علم کی ہے اور قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جانے والے طلباء ہیں جو حسب ظرف علم لے کر جارہے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ مدرسہ دیوبند میں جب داخلہ ہوتا ہے اور طلبہ آتے ہیں تو میں ہر ایک کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا اور یہ بھی لیکن اس گستاخ طالب علم پر میں نے سر سے پیر تک تین دفعہ نظر ڈالی، یہ اس مجمع میں تھا ہی نہیں، اس لئے میں نے قوت سے کہدیا کہ یہ مدرسہ دیوبند

کا طالب علم نہیں ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کیلئے طلبہ کا انتخاب بھی منجانب اللہ ہی ہوا ہے، چنانچہ یہاں نہ اشتہار ہے نہ پروپیگنڈا اور نہ ہی ترغیبی پمفلٹ کہیں جاتے ہیں کہ طلباء آکر داخل ہوں، بلکہ منجانب اللہ جس کے قلب میں داعیہ پیدا ہوتا ہے وہ خود ہی کشاں کشاں چلا آتا ہے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رح مہتمم ثانی دار العلوم کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا ہے کہ مدرسہ دیوبند کا اہتمام میں نہیں کرتا بلکہ حضرت نانوتوی رح کرتے ہیں، جو جو ان کے قلب پر وارد ہوتا ہے وہ میرے قلب میں منعکس ہوجاتا ہے اور میں وہی کام کر گذرتا ہوں، چنانچہ جب بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے تو اگلے دن حضرت نانوتوی رح فرماتے کہ مولانا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، کچھ عرصہ سے یہی کام جو آپ نے انجام دیا ہے میرے دل میں آرہا تھا کہ ایسا ہونا چاہیئے جسے آپ نے عملاً انجام دیدیا، اس سے واضح ہے کہ اس مدرسے کے امور مہم بھی اشارات غیب اور الہامات ہی سے انجام پاتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب جہاں قوی النسبت اکابرین میں سے تھے وہیں امی محض تھے، نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا، امور متعلقہ مولانا کے ارشاد احکام اہتمام قلمبند ہوتے تھے جس میں رسمی نوشت وخواندگی ہوتی تھی، حضرت کا امی ہونا خود اس کی بھی دلیل ہے کہ ان کے قلبی مضمرات کسی رسمی علم کے تابع نہ تھے بلکہ قلبی واردات ہوتے تھے جنھیں ارشادات غیب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح اولین صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کا مکاشفہ اپنے بزرگوں سے بارہا سننے میں آیا، فرمایا کہ میں دار العلوم کی درسگاہ نودرہ سے عرش تک نور کا ایک مسلسل سلسلہ دیکھتا ہوں جس میں

کہیں بھی فصل اور انقطاع نہیں ہے، اور اس لئے بزرگوں کا بلکہ خود اپنا بھی تجربہ یہ ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ جو بہت سے مطالعے سے بھی حل نہیں ہوتا اس درسگاہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور سوچنے سے حل ہو جاتا ہے اور اس میں شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کا فیضان بھی کچھ رسمی اسباب کے تابع نہیں بلکہ منجانب اللہ قلوب طلباء واساتذہ پر وارد ہوتا ہے اور ان میں علمی شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا یہ بھی مکاشفہ ہے کہ درسگاہ نودرہ کے سامنے کے صحن میں درسگاہ کے ایک دو گز کے فاصلے پر اگر کسی جنازے کی نماز پڑھی جائے تو وہ مغفور ہوتا ہے اس لئے اس احقر نے اس جگہ کی تشخیص کے بعد سیمنٹ کا ایک چوکھٹا (نشان) بنوایا ہے اور اس پر جنازہ رکھ کر خواہ شہری ہوں یا متعلقین مدرسہ ان کے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کی مقبولیت صرف تعلیم تک اور صرف متعلقین مدرسہ تک محدود نہیں بلکہ عوام بھی اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں، خواہ وہ اس مدرسے کے تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں ھم قوم لا یشقی جلیسھم، پھر اس مدرسہ کے اساتذہ اور عہدے داروں میں بھی تکوینی طور پر ایسے ہی حضرات کا انتخاب ہوتا رہا ہے جو صاحب نسبت اور صاحب دل ہی ہوتے رہے ہیں۔

بہر حال اس مدرسے کے ابتدائی تصور اس کی جگہ کا انتخاب اس کا اجراء اس کا سنگ بنیاد، اور اس کے ذمہ داروں کا انتخاب اس کے طلبہ کی تشخیص طریق کار اور طریق اجراء احکام سب ہی کچھ اس عالم اسباب سے زیادہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے میں نے اس مدرسے کا لقب عنوان میں "الہامی مدرسہ" رکھا ہے۔

(۲) دوسرا کام یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رح خلافت اسلامیہ کی تائید میں ہمہ وقت منہمک رہے، سلطان عبدالحمید خاں خلیفہ تھے گو وہ خلافت نام کی رہ گئی تھی مگر حضرت چاہتے تھے کہ وہ نام ہی قائم رہے، اس سے تمام ممالک اسلامیہ میں ایک مرکزیت قائم رہے گی، اس لئے حضرت نے خود بھی سلطان کی حمایت میں قصیدے لکھے، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ سارے بزرگ رطب اللسان رہے اور جب بھی ترکوں سے کسی کی جنگ ہوئی یہ حضرات ترکوں کی حمایت میں کھڑے ہوئے، کہیں چندہ جمع کر رہے ہیں، کہیں رائے عامہ پیدا کر رہے ہیں غرض ہمہ وقت مصروف رہتے تو مقصد یہی تھا کہ خلافت کا نام قائم رہے۔

(۳) اور تیسری چیز یہ انجام دی کہ دیوبند اور نواح دیوبند میں نکاح بیوگان کو انتہا درجہ کا عیب سمجھا جاتا تھا اور یہ چیزیں ہندوؤں سے آئی تھیں اگر کسی نے نام بھی لیا تو تلواریں نکل آتی تھیں، حضرت رح نے لطیف پیرایہ میں اس کی تحریک شروع کی جب اندرونی طور پر خواص کو اپنا ہم خیال بنا لیا تو اس کے بعد جلسۂ عام کیا۔

دیوان کا دروازہ دیوبند میں جو ہے وہ نواب لطف اللہ خاں مرحوم کا محل ہے جو اورنگ زیب کے وزیر خارجہ تھے اور دیوبند میں عثمانیوں کے مورث اعلیٰ تھے، اس میں حضرت رح نے وعظ فرمایا، بہت بڑا مجمع تھا درمیان میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ حضرت مجھے کچھ عرض کرنا ہے، فراست سے سمجھ گئے کہ کیا کہتا ہے؟ جواب میں فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں، ایک ضرورت پیش آئی، لوگوں نے سمجھا کہ استنجا وغیرہ کی ضرورت پیش آئی ہوگی، حضرت گھر میں گئے، حضرت کی بڑی بہن بیوہ تھیں، ۹۵ برس کی عمر میں نہ نکاح کے قابل نہ کچھ

مگر اعتراض کرنے والے کو اس کی کیا ضرورت ہے، وہ تو یہ کہتا ہے کہ آپ دنیا کو نصیحت کرتے ہیں مگر آپ کی بہن تو بیٹھی ہے، گھر میں گئے تو بڑی بہن کے پیروں پر ہاتھ رکھا انھوں نے گھبرا کر کہا کہ بھئی تم عالم ہو یہ کیا کر رہے ہو؟ فرمایا میں بہر حال آپ کا چھوٹا بھائی ہوں، آج ایک سنت رسول زندہ ہوتی ہے اگر آپ ہمت کریں تو آپ پر موقوف ہے، فرمایا کہ میں ناکارہ اور سنت رسول کی احیاء میری وجہ سے؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ نکاح کر لیجئے، فرمایا کہ بھئی تم میری حالت دیکھ رہے ہو، منہ میں دانت نہیں، کمر جھک گئی، ۹۵ سال میری عمر ہے، کہا یہ سب میں جانتا ہوں مگر اعتراض کرنے والے اس چیز کو نہیں دیکھتے، تو فرمایا کہ اگر سنت رسول میری وجہ سے زندہ ہو سکے تو میں جان قربان کرنے کو بھی تیار ہوں۔

تو ان کے دیور کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کے خاوند کا، وہاں جو چودہ پندرہ آدمی تھے خاندان کے انھی کے سامنے نکاح پڑھا گیا، گواہ بنائے گئے، اس میں کچھ دیر لگ گئی، پھر حضرت نانوتوی رح باہر آئے اور مجمع میں دوبارہ تقریر شروع کی، وہی سائل پھر کھڑا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے، فرمایا: کہئے، اس نے کہا آپ دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں اور آپ کی بیوہ بہن بیٹھی ہے تو ہم پر کیا اثر ہوگا؟

فرمایا: کون کہتا ہے؟ ان کے نکاح کے تو شاید گواہ بھی یہاں موجود ہونگے دو تین آدمی درمیان میں کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے اصلاح معاشرت اور رسومات مٹانے کے لئے حضرت رح نے خود اپنے گھر سے قربانی پیش کی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی مجلس میں ستر اسی نکاح پڑھے گئے اور پھر یہ سنت ایسی کھلی کہ ہزاروں بیواؤں کا نکاح ہو گیا۔

انگریزی دور میں محکمۂ قضا کا قیام

حضرت نے دارالعلوم دیوبند میں محکمہ قضاء قائم کیا اور مولانا یعقوبؒ کو قاضی بنایا تو ہزاروں مقدمات جو برسہا برس سے الجھے ہوئے تھے منٹوں میں طے ہوئے لوگوں کا وقت اور مال بچا، یہ سلسلہ جاری رہا، مگر انگریزوں نے آخر میں توڑ دیا، دیوبند میں ایک تھانیدار کو بھیجا جو بڑا سخت قسم کا آدمی تھا چنانچہ وہ آیا، رمضان شریف کا آخری عشرہ تھا اس نے آکر حضرت نانوتویؒ سے مصافحہ کیا اور بہت جرأت سے کہا کہ کیا آپ ہندوستان میں شرع محمدیؐ کا جھنڈا گاڑنا چاہتے ہیں؟ یہ کیا آپ نے محکمۂ قضا قائم کیا۔؟

حضرتؒ نے بڑی نرمی سے فرمایا: یہ تو ہم لوگ گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں جو لاکھوں روپے خرچ کر کے مقدمات فیصل کرتی ہے ہم نے منٹوں میں فیصل کر دیئے مگر اس نے کہا کہ نہیں آپ پورا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، میں رپورٹ کروں گا، اس پر حضرت کو غصہ آیا اور کہا کہ "کان پکڑ کر اسے نکال دو"

طالب علموں نے دھکے دیکر اسے نکالا اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ "جاہم تیری رپورٹ کریں گے، نکال دو اس شیطان کو یہاں سے"

بہرحال عید کا دن آیا، تھانیدار کے ہاں دودھ کے بالٹے بھرے تھے کپڑے تیار خوشیاں منائی جارہی تھیں کہ اچانک گورنمنٹ کا حکم پہونچا کہ اسکی رشوتوں کی انتہا ہوگئی ہے، اس کو فوری برخاست کیا جائے، اور بازار میں دکان دکان پر جہاں سے اس نے رشوت لی ہے پیروں میں رسی ڈال کر اسے پھرایا جائے تو اس حالت میں گھمایا گیا کہ یہ روتے ہوئے کہتا جارہا تھا کہ: افسوس میں نے رپورٹ نہیں کی مگر مولوی جی نے میری رپورٹ کردی"

تواس کا خمیازہ جلد اس نے بھگت لیا، اس کی جگہ دوسرا آیا، اس کے بعد ان بزرگوں کی وفات ہوگئی اور وہ محکمہ نہیں چلا۔

آپ نے بحیثیت مناظر اسلام عیسائیت کے خلاف مشہور عیسائی پادری تارا چند سے دہلی میں مناظرہ کیا جس میں وہ لاجواب ہوکر فرار ہوگیا، ۱۲۹۳ھ میں چاندپور ضلع شاہ جہاں پور میں ایک میلہ خداشناسی منعقد ہوا جس میں تمام مذاہب کے علماء اور عوام کے سامنے رد تثلیث اور حقانیت مذہب اسلام پر لاجواب تقریر فرمائی، ۱۲۹۴ھ میں پنڈت دیا نند سرسوتی بانی تحریک آریہ سماج سے بھی مباحثہ ہوا، جس میں اس نے بھی راہ فرار اختیار کی، الغرض عیسائیت کے خلاف مناظرہ اور تقریریں فرما کر آپ نے مذہب عیسائیت کے بطلان کو اور مذہب اسلام کی حقانیت کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے مبرہن کیا، اسلامی روح کی حفاظت کی اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش فرمائی اور اسلامی مسائل کو عقلی دلائل سے مستحکم کیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی آپ نے حصہ لیا، اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کی قیادت میں انگریزی فوج سے دست بدست مقابلہ کیا، اسکے علاوہ آپ نے ان مسائل پر قلم اٹھائے ہیں جو اس وقت زیر بحث تھے، آب حیات تقریر دلپذیر، ہدیۃ الشیعہ، قبلہ نما، انتصار الاسلام، حجۃ الاسلام، مصباح التراویح، توثیق الکلام، قاسم العلوم (مجموعہ مکاتیب عالیہ)، مباحثہ شاہ جہانپور، تحشیہ بخاری شریف وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہیں۔ آپ نے حرمین شریفین کا سفر تین مرتبہ فرمایا۔

وفات

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۵ر اپریل ۱۸۸۰ء بروز جمعرات

بعد نماز ظہر ۴۹ سال کی عمر میں داعئ اجل کو لبیک کہا، دیوبند میں مدفون ہوئے اور آپ ہی کی نسبت سے آج اس قبرستان کا نام مزار قاسمی ہے، جہاں سینکڑوں علماء و صلحاء آپ کے بعد کے مدفون ہیں۔

آپ کی شان میں شورش صاحب لکھتے ہیں ؎

شافع کون و مکاں کی راہ پر لاتا رہا
گمرہان شرک کو توحید سکھلاتا رہا
پرچم اسلام ابر درخشاں کے روپ میں
بتکدوں کی چار دیواری پہ لہراتا رہا
ہمرہان دل گرفتہ کو باعلان جہاد
تیغ جوہر دار کا آئینہ دکھلاتا رہا
اسکے سینے میں خدا کا آخری پیغام تھا
وہ خدا کی سرزمین میں حجت اسلام تھا

اس زمیں پر عصر حاضر کا فقیہ بےمثال
عظمت اسلام کی تصویر دکھلاتا رہا

قطب الارشاد

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور و معروف محدث، اپنے وقت کے شیخ و مرشد، تحریک آزادی کے علمبردار، اپنے زمانے کے فقیہ و امام، اور دار العلوم دیوبند کے سرپرست تھے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رہ نے حضرت گنگوہی رہ کے تفقہ کے مقام بلند کی بنا پر ابو حنیفہ رعصر کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے، اسی طرح امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رح آپ کو فقیہ النفس فرمایا کرتے تھے، جبکہ بلند پایہ محقق علامہ شامی رح کو

فقیہ النفس کا مرتبہ دینے کو تیار نہ تھے،

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۶ ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق مئی، ۱۸۲۹ء کو دوشنبہ کے دن بوقت چاشت گنگوہ ضلع سہارنپور یوپی میں ہوئی، آپ کے والد کا نام مولانا ہدایت احمد تھا جو اپنے زمانے کے جید عالم اور حضرت شاہ غلام علی مجددی نقشبندی کے خلیفہ اور مجاز تھے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے قرآن شریف اپنے وطن ہی میں پڑھا، پھر کرنال اپنے ماموں کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں پھر مولوی محمد بخش رامپوری رح سے صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی، ۱۲۶۱ھ میں دہلی پہونچ کر حضرت مولانا محمد مملوک علی نانوتوی رح کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، معقولات کی بعض کتابیں مفتی صدر الدین آزردہ علیہ الرحمہ سے بھی پڑھیں اور آخر میں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رح کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی۔

بیعت وخلافت:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کی خدمت میں رہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز فرمائے گئے، اور گنگوہ واپس آکر حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رح کے حجرے کو اپنا قیام گاہ بنایا۔

درس وتدریس:۔ ۱۸۵۷ء میں آپ نے انگریزوں کے خلاف اپنے پیر ومرشد (حضرت حاجی امداد اللہ رح) کے ساتھ خانقاہ قدوسی سے نکل کر شاملی کے میدان میں مردانہ وار مقابلہ کیا، معرکہ شاملی کے بعد آپ کو گرفتار کرکے ضلع سہارنپور ومظفر نگر کے جیل میں رکھ دیا گیا، لیکن فرد جرم

ثابت نہ ہوتے پر آپ کو رہا کر دیا گیا، رہائی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا جو ۱۳۱۴ھ تک جاری رہا۔

آپ کے کارنامے:۔ آپ نے اسلامی روح کی حفاظت کی، اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش فرمائی، اعتقادی اور معاشرتی اصلاح کی زبردست کوشش کی، تمام مشرکانہ رسوم اور خلاف شرع عقائد کے ختم ہونے پر زور دیا، اسی طرح رد شیعیت، رد بدعت پر پوری طاقت صرف کی، جنگ آزادی میں آپ نے مردانہ وار انگریزوں کا مقابلہ کیا، فقہ اور تصوف میں تقریباً چودہ کتابیں تصنیف فرمائیں، آپ کی تصنیفات میں امداد السلوک ہدایۃ الشیعہ، زبدۃ المناسک، ہدایۃ المعتدی، سبیل الرشاد، فتاوی رشیدیہ مشہور ہیں، اس کے علاوہ لامع الدراری علی جامع البخاری، اور الکوکب الدری (تقریر ترمذی) بھی آپ کے درسی افادات کا بیش بہا خزانہ ہے جسے آپ کے تلمیذ خاص و خادم خاص حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے ضبط کیا تھا، یہ سب آپ کے ایسے کارنامے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے

وفات:۔ آپ کی وفات ۷۸ سال کی عمر میں ۸ ربا ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء بروز جمعہ اذان جمعہ کے بعد ہوئی، گنگوہ کی زمین میں آسودۂ خواب ہیں، شورش کاشمیری نے آپ ہی کی شان میں کہا ہے۔

اس زمیں پر عصر حاضر کا فقیہ بے مثال ٭ عظمت اسلام کی تصویر دکھلاتا رہا
امت مرحوم کو دیتا رہا درس حدیث ٭ سنت خیر الوریٰ کے زمزمے گاتا رہا
ضرب توحید سے اشراک کی بنیاد و بیخ ٭ جس طرف نکلا جہاں پہنچا وہیں ڈھاتا رہا
نام اس کا حشر تک تاریخ میں تابندہ ہے
اس مقدس بزم میں تابندہ و درخشندہ ہے

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رح

آپ مشہور و معروف محدث، مجاہد فی سبیل اللہ، جنگ آزادی کے شہ سوار مظاہر علوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔

ولادت :- آپ کی ولادت ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ء میں "نانوتہ" ضلع سہارنپور یوپی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حافظ لطف علی رح تھا۔

تعلیم و تربیت :- آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن شریف حفظ کیا، اور مولانا مملوک علی نانوتوی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رح مولانا شاہ عبدالغنی مجددی رح سے علوم متداولہ کی تکمیل کی اور بخاری شریف دہلی تشریف لے جاکر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث رح سے پڑھی۔

درس و تدریس :- آپ نے اولاً اجمیر کالج میں ملازمت اختیار کی، پھر آگرہ میں ملازم رہے، پھر ملازمت ترک کر دی جنگ آزادی جو ۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں لڑی گئی تھی اس میں آپ برابر کے شریک رہے، جب امن و امان قائم ہوا تو حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوری کے قائم کئے ہوئے مدرسہ عربیہ سہارنپور میں درس و تدریس کا مشغلہ جاری کیا۔

بیعت و خلافت :- حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح سے اگرچہ عمر میں بڑے تھے مگر آپ انھیں سے بیعت ہوتے اور اور اجازت و خلافت سے مشرف فرمائے گئے۔

آپکا کارنامہ :- آپ کا زبردست کارنامہ یہ تھا کہ مظاہر علوم

سہارنپور کی ترقی وتعمیر جدید میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، چنانچہ آپ ہی کے نام پر مدرسہ عربیہ کا نام مظاہر علوم رکھا گیا، آپ ہی کی جدوجہد نے مظاہر علوم کو چہار دانگ عالم میں مشہور کیا، اسی طرح آپ نے انگریزوں کے خلاف شاملی کے میدان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔

وفات:۔ ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۶ء کی شب میں آٹھ بجے انتقال کیا، قبرستان حاجی شاہ کمال سہارنپور میں مدفون ہوئے۔

مناظرِ اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

آپ اپنے دور کے جید عالم دین مناظر اسلام اور کیرانہ ضلع مظفر نگر کے بہت معزز جاگیر دار گھرانے کے فرد جلیل تھے۔

ولادت:۔ آپ کی پیدائش محلہ دربار قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی میں جمادی الاول ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مولانا نجیب اللہ تھا، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے، بعض نے آپ کے والد کا نام خلیل اللہ بتایا ہے۔

تعلیم تربیت:۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور تکمیل دہلی کے مدرسہ "مولانا حیات" میں کی، مزید تعلیم کیلئے آپ نے لکھنؤ کا سفر کیا، اور مفتی سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

درس وتدریس:۔ کچھ دنوں آپ نے اپنے محلہ دربار میں درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، پھر عیسائیت کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور عیسائیت کے خلاف معرکۃ الآراء کتابیں تصنیف کیں اور ۱۸۵۴ء میں

دنیائے عیسائیت کے مشہور پادری فنڈر سے اکبر آباد میں زبردست مناظرہ کیا اور اس کو شکست فاش دیدی، ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت نے آپ کے نام وارنٹ جاری کیا، آپ نے خفیہ طور پر ہندوستان چھوڑ دیا اور مکہ مکرمہ پہونچ گئے، پچاس سال مکہ مکرمہ میں آپ مہاجر بن کر رہے۔

آپ کے کارنامے:۔ آپ نے مکۃ المکرمہ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا جو آج بھی علماء حق کا مرکز ہے، اسی طرح آپ نے عیسائیت کے خلاف بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائیں، جو آپ کے اہم علمی شاہکار ہیں، ان میں اظہار الحق، ازالۃ الاوہام، ازالۃ الشکوک مشہور و معروف ہیں، یہ تینوں کتابیں رد عیسائیت اور تورات و انجیل کی تحقیق سے متعلق ہیں۔

وفات:۔ ۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ مطابق ۲ر مئی ۱۸۹۱ء میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور اسی مقدس سرزمین میں محو خواب ہیں (علماء ہند کا شاندار ماضی" میں جائے وفات مدینہ منورہ تحریر ہے)

صدر المدرسین حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ

آپ بہت بڑے صاحب باطن، شیخ کامل، دار العلوم دیوبند کے اولین صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ء کو نانوتہ میں ہوئی، منظور احمد، غلام حسین اور شمس الضحیٰ آپ کے تاریخی نام ہیں آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ نے قرآن مجید نانوتہ میں حفظ کیا، محرم الحرام ۱۲۶۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر گیارہ سال تھی آپ کے والد محترم (حضرت مولانا مملوک علی

نانوتوی رحؒ) آپ کو دہلی لے گئے، آپ نے میزان، منشعب اور گلستاں سے تعلیم کا آغاز کیا، تمام علوم متداولہ اپنے والد ماجد سے حاصل کئے، البتہ علم حدیث کی تحصیل حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی رحؒ سے کی۔

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد آپ نے اجمیر، بنارس اور سہارنپور میں بحیثیت ڈپٹی انسپکٹر ملازمت کی، اور جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو ۱۲۸۳ھ میں دیوبند تشریف لائے اور مسند صدارت پر ۱۹ سال تک فائز رہے آپ کے تلامذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحؒ، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی رحؒ جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

بیعت وخلافت:۔ آپ نے سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحؒ کی توجہ سے سلوک ومعرفت کے مقامات طے کئے اور اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے، آپ کا شمار حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں تھا۔

آپ کا علمی کارنامہ:۔ آپ کے علمی کارناموں میں سوانح قاسمی مکتوب یعقوبی، بیاض یعقوبی مشہور ومعروف ہیں، آپ بہترین شاعر بھی تھے آپ کا گمنام تخلص تھا، آپ کے اشعار فارسی واردو بیاض یعقوبی میں درج ہیں

وفات:۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، نانوتہ میں مدفون ہیں۔
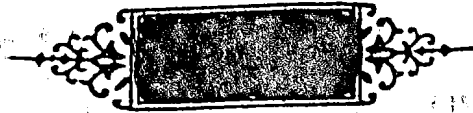
قطب عالم
حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ

آپ جلیل القدر عالم، عظیم المرتبت مبلغ و مصلح، شیخ طریقت، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

ولادت:- ۳ر شعبان المعظم ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۸ر اپریل ۱۸۴۶ء میں کانپور میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام سید عبد العلی تھا، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تک پہونچتا ہے۔

تعلیم و تربیت:- قرآن مجید آپ نے اپنے چچا سید ظہور علی سے پڑھا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبد الواحد بلگرامیؒ سے پڑھیں، ۱۲۷۷ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں داخل ہوئے، آپ نے یہاں دو سال درسیات کی تکمیل میں صرف کئے اور کتابوں کے علاوہ مفتی عنایت احمد کاکوریؒ کی مشہور کتاب علم الصیغہ آپ نے خود مفتی صاحب سے پڑھی، کافیہ، شرح جامی اور منطق کی بعض کتابیں مولانا سید حسین شاہ کشمیریؒ سے پڑھیں، اور بقیہ کتابیں مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ سے پڑھیں، معقول کی کتابیں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے ختم کرنے کے بعد انھیں سے صحاح ستہ بہت اہتمام سے سبقاً سبقاً پڑھیں، درس حدیث سے تشنگی نہ بجھی تو گیارہ مہینہ نامور محدث حضرت

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رح کے یہاں قیام کر کے صحاح ستہ موطا امام محمد اور موطا امام مالک پڑھی اور سند حدیث حاصل کی۔

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد آپ نے کانپور میں اولاً "دلاری" کی مسجد میں پھر فیض عام کانپور میں ڈھائی تین سال تک حدیث شریف کا درس دیا۔

بیعت وخلافت:۔ آپ مشہور صاحب کشف وکرامت بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے، اور اجازت وخلافت سے مشرف فرمائے گئے۔

آپ کا علمی کارنامہ:۔ آپ نے ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء قائم کیا جس کا مقصد نصاب تعلیم کی اصلاح، علم دین کی ترقی، علماء کے باہمی نزاع کا انسداد، درستی تعلیم واخلاق اور عام مسلمانوں کی فلاح وبہبود کی تدبیریں سوچنا شامل تھا، چنانچہ آپ اس میں بدرجۂ اتم کامیاب رہے، اسی طرح آپ نے ردعیسائیت، اور ردقادیانیت میں بھی سرگرمی سے کام کیا اور قادیانیوں اور عیسائیوں کے خلاف سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں فیصلۂ آسمانی (تین جلد) شہادت آسمانی (دو جلد) چشمۂ ہدایت، تبلیغ محمدیہ، معیار صداقت، معیار المسیح، حقیقت المسیح اور آئینہ اسلام وغیرہ مشہور ہیں۔ آخر عمر میں آپ بہار کے ضلع مونگیر میں منتقل ہوگئے اور وہاں آپ نے خانقاہ رحمانی کو اپنا معتکف بنایا ہزاروں افراد آپ سے بیعت ہوئے،

وفات:۔ ۶ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۲۷ء کو مونگیر (بہار) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں آسودۂ خواب ہیں۔

چودھویں صدی کے نصف آخر کے علماء ربانیین

جب چودھویں صدی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور نت نئے فتنوں کا وجود سامنے آتا ہے تو انھیں اکابر کا فیض رسیدہ و تربیت یافتہ طبقہ اپنے اسلاف کے روشن افکار کو جلا بخشتا ہے، اور انھیں کے نقش قدم پر چل کر اپنی پامردی و عزم واستقلال کا ثبوت پیش کرتا ہے اور اپنے دور کے فتنوں کا قلع قمع کرتا ہے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

۱ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رح
۲ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رح
۳ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رح
۴ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح
۵ محدث جلیل حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح
۶ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح
۷ محدث عصر علامہ ظہیر احسن شوق نیموی رح
۸ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رح
۹ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رح
۱۰ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح

۱۱ مؤرخ اعظم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح
۱۲ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رح
۱۳ بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس رح
۱۴ علامہ سید سلیمان ندوی رح
۱۵ مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ رح
۱۶ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رح
۱۷ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رح
۱۸ حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ رح
۱۹ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رح
۲۰ حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رح
۲۱ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح
۲۲ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رح
۲۳ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رح
۲۴ محدث جلیل حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رح
۲۵ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح
۲۶ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رح
۲۷ جنید وقت حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رح
۲۸ مفکر ملت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رح
۲۹ مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رح
۳۰ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رح
۳۱ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب رح

۳۲ امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ
۳۳ شیخ الامت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ
۳۴ استاذ الاساتذہ حضرت علامہ محمد حسین بہاریؒ
۳۵ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
۳۶ حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ
۳۷ فقیہ ملت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ان علماء کرام نے ملی خدمت دینی اجتماعیت اسلامی علوم وفنون کی اشاعت اور بدعات وخرافات کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کیا ؎

اب نہ آئیگا نظر ایسا کمال علم وفن
گو بہت آئیں گے دنیا میں رجال علم وفن

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث، ریشمی رومال تحریک، کے بانی اور جنگ آزادی کے علمبردار تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء بمقام بانس بریلی (جب کہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب صاحب مرحوم بوجہ ملازمت مع اہل وعیال وہاں مقیم تھے) ہوئی، والد محترم نے آپ کا نام محمود حسن رکھا، اور تاریخی نام بعض علماء نے " ولد ذوالفقار علی" تجویز کیا۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں میاں جی منگلوری رح سے پڑھیں اور کتب عربیہ اپنے چچا مولانا مہتاب علی رح سے پڑھنی شروع کی، قدوری اور شرح تہذیب پڑھ رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، آپ اس میں داخل ہو گئے، اکثر کتب درسیہ دارالعلوم کے اولین استاذ ملا محمود احمد دیوبندی رح سے پڑھیں، تکمیل نصاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ اور دیگر علوم کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں، فنون کے بعد اعلیٰ کتابیں اپنے والد (مولانا ذوالفقار علی رح دیوبندی) سے پڑھیں، ۱۲۹۰ھ میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رح کے دستِ مبارک سے دستار فضیلت حاصل کی۔

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند ہی میں ہو گیا، جس سے بتدریج ترقی پاکر ۱۳۰۸ھ میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے اور زندگی کے اخیر لمحہ تک اس منصب پر فائز رہے، آپ کے تلامذہ میں شیخ الاسلام حضرت

مولانا حسین احمد مدنی رح، علامہ انور شاہ کشمیری رح، مفتی کفایت اللہ دہلوی جیسے اساطین امت شامل ہیں۔

بیعت وخلافت:۔ آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کی صحبت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کی اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آپ کا کارنامہ:۔ آپ اسلامی حکومتوں کے تعاون سے ملک کو آزاد کرانا چاہتے تھے، لیکن راز افشاء ہونے کی وجہ سے آپ کو مکہ میں گرفتار کرلیا گیا، تین سال دو ماہ جزیرۂ مالٹا میں نظر بند رہنا پڑا، ۱۹۱۹ء میں رہائی کے بعد وطن تشریف لائے، ساحل بمبئی پر آپ کا زبردست استقبال کیا گیا اور آپ کو شیخ الہند کا لقب دیا گیا، آپ کے علمی کارناموں میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ، ادلۂ کاملہ، ایضاح الادلہ، احسن القریٰ، جہد المقل، الابواب والتراجم اور مختلف فتاویٰ اور سیاسی خطبات مشہور ومعروف ہیں۔

وفات:۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء بروز منگل دہلی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، جنازہ دیوبند لایا گیا، اور حضرت مولانا محمد قاسم رح کی قبر مبارک کے قریب مزارِ قاسمی میں دفن کئے گئے۔

رئیس الاتقیاء

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

آپ ہندوستان کے نامور محدث تھے، حضرت مولانا مملوک علیؒ نانوتوی کے نواسے، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے، اور حضرت شیخ محمد زکریاؒ کے پیرومرشد تھے

ولادت: آپ کی ولادت اواخر صفر ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں انقلاب ۱۸۵۷ء سے پانچ سال قبل اپنے ننہال قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، آپ کے مختلف نام رکھے گئے ایک نام ظہیر الدین تھا دوسرا نام خلیل احمد رکھا گیا اور یہی مبارک نام مشہور ومعروف ہوا، آپ کے والد ماجد کا نام شاہ مجید علی انصاری تھا، آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، آپ کا وطن مالوف انبہٹہ تھا جو ضلع سہارنپور کا ایک تاریخی قصبہ ہے۔

تعلیم وتربیت: مکتبی تعلیم آپ نے انبہٹہ اور نانوتہ میں حاصل کی، عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے قصبہ کے مشہور عالم مولوی سخاوت علی مرحوم سے پڑھیں، اس کے بعد آپ کو انگریزی اسکول میں داخل کر دیا گیا، اسی زمانہ میں دار العلوم دیوبند قائم ہوا تھا، یہاں آپ کے ماموں مولانا یعقوب نانوتویؒ صدر مدرس تھے، اس لئے ۱۲۸۵ھ میں آپ دار العلوم دیوبند میں داخل ہوتے اور یہاں شرح تہذیب وغیرہ کتابیں پڑھیں، پھر مظاہر علوم

سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں حدیث وتفسیر فقہ اور عقائد وغیرہ کی تحصیل کی، ۱۲۸۹ھ میں پھر دار العلوم میں آکر منطق وفلسفہ اور ادب وتاریخ کی اعلیٰ کتابیں پڑھ کر تعلیم سے فراغت حاصل کرلی۔

درس وتدریس:۔ آپ نے فراغت کے بعد بھوپال، سکندرآباد بھاولپور، بریلی، دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور میں تشنگان علوم نبوی کو سیراب فرمایا، آخر میں دار العلوم دیوبند میں بحیثیت نائب صدر مدرس بلائے گئے، پھر کچھ دنوں بعد سہارنپور میں مظاہر علوم میں منتقل ہو گئے اور عرصہ تک اسی سے وابستہ رہے، پھر مدینہ منورہ جاکر مقیم ہو گئے۔

بیعت وخلافت:۔ آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دونوں سے اجازت وخلافت حاصل تھی، آپ سے بڑے بڑے علماء نے ظاہری وباطنی استفادہ کیا۔

آپکا علمی کارنامہ:۔ رد بدعت ورد شیعیت میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، آپ نے اس سلسلے میں بہت سے مناظرے بھی کئے اور فریق مخالف کو شکست دی، آپ کا اہم ترین کارنامہ "بذل المجہود شرح ابوداؤد" کی تصنیف ہے، جو بیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اسی طرح آپ کی دیگر تصانیف میں المغتنم فی زکوٰۃ الغنم، تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان، المہند علی المفند معروف بہ التصدیقات لدفع التلبیسات، ہدایات الرشید الی افہام العنید، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ مشہور ومعروف ہیں۔

وفات:۔ آپ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں بمرض فالج اللہ کو پیارے ہو گئے، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

✲:✲✲✲✲✲

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ

مُہتمم ثالث دارالعلوم دیوبند

آپ اپنے وقت کے مشہور و معروف عالم دین، بیباک حق گو، بڑے صاحب وجاہت منتظم، حیدر آباد دکن کی عدالت عالیہ کے مفتی اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے صاحبزادے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ و مجاز تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں نانوتہ میں ہوئی، آپ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے صاحبزادے تھے، ابتداء میں حضرت نانوتویؒ کے یہاں کئی صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، حضرت نانوتویؒ کے والد ماجد شیخ اسد علیؒ کو لڑکے کی بڑی تمنا تھی، پانچ چھ لڑکیوں کے بعد پہلے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد پیدا ہوئے، جب دادا کو لڑکے کے تولد کی اطلاع دی گئی تو خوشی میں گیہوں کی کوٹھی کا منہ کھلوا دیا اور غرباء میں کافی خیرات تقسیم کی اور خوشی منائی

تعلیم و تربیت: جب آپ کی عمر مکتب نشینی کے قابل ہوئی تو قصبہ رامپور کے جو نانوتہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر بجانب سہارنپور ایک قصبہ ہے ایک جید حافظ میاں جی حافظ نور محمد

صاحب کے پاس پڑھنے بٹھا دیا، نویں سال آپنے قرآن مجید حفظ کرلیا، اس کے بعد مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں جو حضرت نانوتویؒ کا قائم کردہ ہے آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی، اسکے بعد اونچی تعلیم کے لئے مدرسہ قاسم العلوم مسجد شاہی مرادآباد جس کے صدر مدرس اس وقت کے قاسم ثانی حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی تھے آپ کو روانہ کیا گیا، حافظ صاحبؒ نے فنون کی متعدد کتابیں اسی مدرسہ شاہی میں پڑھیں، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں اپنی بقیہ تعلیم پوری کی اور فنون کی کتابیں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔ آخر میں دورۂ حدیث گنگوہ پہونچ کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حلقۂ درس میں پورا کیا اور وہیں سے سند حدیث حاصل کی۔

درس و تدریس:- آپ نے تھانہ بھون کے عربی مدرسہ میں جو حضرت نانوتویؒ ہی کا قائم کردہ تھا عرصہ تک درس دیا، وہاں سے پھر دیوبند بلائے گئے اور ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ششم مقرر کئے گئے، عموماً تمام فنون کا درس دیتے تھے لیکن خصوصیت سے مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی، جلالین شریف، میرزاہد وغیرہ کتابوں کا درس زیادہ مشہور تھا جس کی طرف طلبہ جوق درجوق شوق سے رجوع کرتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے مکہ معظمہ ہجرت کرنے کے بعد ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنائے گئے، حضرت حافظ صاحب نے اپنے طبعی جوہروں کے ساتھ دارالعلوم کا اہتمام پوری قوت و وجاہت اور جرأت و استقلال کے ساتھ چلایا، اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دارالعلوم کا ترقیاتی دور آپ ہی کا پینتیس سالہ دور اہتمام ہے

بیعت واجازت:- آپ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح سے بیعت تھے، آپ کی نسبت صلواتیہ اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس بنا پر حضرت حاجی صاحب نے آپ کو مجاز بیعت فرمایا، اور خلافت سے نوازا۔

آپ کا کارنامہ:- آپ کا سب سے عظیم کارنامہ دارالعلوم دیوبند کا پینتیس سالہ دور اہتمام ہے جس میں دارالعلوم کی ہر طرح کی ترقی ہوئی

دارالحدیث کی عظیم الشان عمارت جو اپنی نوعیت کی ہندوستان بھر میں پہلی عمارت ہے، آپ ہی کے عہد میں تیار ہوئی، جدید دارالاقامہ موسوم بہ دار جدید کا آغاز اور مسجد و کتب خانہ کی تعمیر بھی حافظ صاحب ہی کے زمانہ اہتمام کی یادگار ہیں

۱۳۲۸ھ م ۱۹۱۰ء کے اس عظیم الشان جلسہ کی دستار بندی کی یاد اب تک لوگوں کے قلوب میں تازہ ہے جس میں ایک ہزار سے زاید فضلاء کی دستار بندی ہوئی تھی۔

برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا تھا، مگر آپ نے دارالعلوم کے حریت پسندانہ رخ کی بنا پر حکومت کا خطاب یافتہ ہونا پسند نہیں کیا، اور واپس فرمادیا۔

آپ نے حیدرآباد کی عدالت عالیہ کے مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دی اور درس و تدریس کی لائن سے ایک الگ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔

وفات :- ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں نظام دکن کے دھلی آنے کی توقع تھی، نظام کو دیوبند آنے کے وعدہ کی یاد دہانی کے لئے آپ حیدرآباد تشریف لے گئے، وہاں پہونچکر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، واپسی کے قصد سے آپ حیدرآباد سے روانہ ہوئے، مگر ابھی ٹرین حیدرآباد کے حدود میں ہی تھی کہ نظام آباد اسٹیشن کے قریب حافظ صاحب جان جاں آفریں کے سپرد کرکے من مات فی السفر فہو شہید میں داخل ہو گئے، یہ ۳؍ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کا واقعہ ہے،

نظام دکن کے اس تار پر کہ مولانا کو حیدرآباد لایا جائے، تابوت حیدرآباد لے جایا گیا، ۴؍ جمادی الاول کو حیدرآباد کے قبرستان خطہ صالحین میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حافظ صاحب نے ۴۵ سال دارالعلوم کی خدمت انجام دی ابتدائی دس سال تعلیم و تدریس میں گذرے اور ۳۵ سال اہتمام کے فرائض انجام دینے میں۔

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ہندوستان کے مشہور و معروف عالم دین، اپنے وقت کے شیخ طریقت حکیم الامت نامور محدث و مفسر، عظیم مصنف و فقیہ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے ممتاز خلیفہ اور چودھویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۵ ربیع الثانی بروز چہارشنبہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء صبح کے وقت قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر، یو، پی میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام کرم عظیم ہے، آپ تھانہ بھون کے شیوخ فاروقی میں سے تھے آپ کے والد ماجد کا نام عبدالحق تھا، آپ کے والد فارسی میں اعلیٰ قابلیت کے ساتھ ساتھ بہت اچھے انشاء پرداز اور وسیع المشرب انسان تھے، ساتھ ہی بہت بڑے صاحب جائداد تھے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ نے قرآن شریف حافظ حسین علی صاحب سے مکمل کیا۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی رح سے پڑھیں اور ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں تکمیل علوم کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، تجوید و قرأت کی مشق مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ مہاجر مکیؒ سے کی، آپ کے اساتذہ دارالعلوم میں حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح شامل ہیں۔

درس وتدریس :۔ ۱۳۰۱ھ میں اہل کانپور کی درخواست پر مدرسہ فیض عام کانپور میں صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے کچھ عرصہ بعد آپ نے جامع العلوم کے نام پر کانپور ہی میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کی صدارت آپ نے فرمائی اس طرح تقریباً چودہ سال تک آپ نے درس وتدریس میں اپنا وقت صرف کیا، ۱۳۱۵ھ میں ترک ملازمت کر کے تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ کو آباد کیا اور آخر عمر تک یہیں رہے، تبلیغ دین، تزکیہ نفس، تصنیف وتالیف کی عظیم الشان خدمات انجام دیتے رہے۔

بیعت وخلافت :۔ آپ نے سلوک کی منزلیں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں رہ کر طے کیں اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آپ کا اصلاحی تجدیدی وعلمی کارنامہ :۔

آپ کی زندگی کا ایک نہایت روشن پہلو آپ کے بلند پایہ اصلاحی و تجدیدی کارنامے ہیں، آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارناموں کا ذکر سید محبوب رضویؒ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حوالے سے انھیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشے پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، عامیوں سے لیکر صوفیوں تک، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک ان کی نظر مصروف اصلاح وتربیت رہی پیدائش، غمی، شادی، بیاہ اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نظر تھی، اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ

کیا، رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراط مستقیم کی راہ دکھائی، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق و عبادات اور عقائد میں دین خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید فرمائی، ان کے سامنے دین کی صحیح مثال تھی اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے ان کو درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے انھوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنا دیں جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

آپ نے اصلاحی و تجدیدی کارناموں کے ساتھ زبردست علمی کارنامہ بھی انجام دیا، آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ایک ہزار کے قریب قریب پہونچتی ہے جس میں بیان القرآن (اردو ترجمہ) اور بہشتی زیور آپ کا عظیم الشان علمی کارنامہ ہے۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء کو تھانہ بھون میں ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔

جلیل القدر محدث

حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

گلستانِ وادی لولاب کا تازہ گلاب
چہرۂ انور تھا شرح آئینۂ نور و کتاب

آپ نہایت عظیم القدر محدث، جلیل القدر عارف باللہ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے۔

ولادت:- آپ کی ولادت ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۶ اکتوبر بروز شنبہ بوقت صبح اپنے ننھیال میں بمقام دودواں وادی لولاب کشمیر میں ہوئی، آپ کا نام محمد انور اور عرف شاہ ہے، آپ کے والد ماجد کا نام محمد معظم شاہ ہے، آپ کے والد ماجد بہت بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ مسعود نروری کشمیری سے ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا، وہاں سے ملتان آئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی۔

تعلیم و تربیت:- آپ نے ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد ماجد (مولانا معظم شاہؒ) سے قرآن شریف شروع کیا، ساتھ ہی ساتھ فارسی کی بھی چند کتابیں شروع کیں اور چھ برس کی عمر میں قرآن شریف اور فارسی کی ابتدائی کتابیں ختم کر کے علوم متداولہ میں مشغول ہو گئے، مزید طلب علم کیلئے تین سال ہزارہ کے مدارس میں رہ کر مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں، یہاں

بھی علم کی پیاس نہ بجھی تو ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی طرف روانہ ہو گئے، چنانچہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں دیوبند تشریف لائے اور چار سال رہ کر وہاں کے مشائخ وقت سے استفادہ کیا اور ۱۳۱۴ھ میں بیس اکیس سال کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔

بیعت و خلافت:۔ فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور سند حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت حاصل کی۔

درس و تدریس:۔ ۱۳۱۵ھ میں جب مدرسہ امینیہ دہلی کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کا بحیثیت صدر مدرس انتخاب عمل میں آیا، چنانچہ آپ نے کم و بیش ساڑھے چار سال تک علوم مروجہ کا درس دیا، ۱۳۲۰ھ میں کشمیر تشریف لے گئے اور وہاں اپنے علاقے میں فیض عام کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے، کچھ مدت تک حجاز میں قیام رہا اور وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا، پھر ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، حضرت شیخ الہند رح نے آپ کو روک لیا، کئی سال تک یہیں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، ۱۳۳۳ھ میں جب شیخ الہند رح نے سفر حجاز کا قصد فرمایا تو اپنی جانشینی کا فخر آپ کو بخشا، چنانچہ دارالعلوم کی مسند صدارت پر تقریباً بارہ سال تک جلوہ افروز رہے، ۱۳۴۶ھ میں اہتمام دارالعلوم سے بعض اختلافات کی باعث آپ فرائض صدارت سے سبکدوش ہو کر جنوبی ہند کے مدرسہ ڈابھیل (گجرات) میں تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد دو ہزار سے بھی متجاوز ہے، آپ کے تلامذہ

ہیں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ
حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت
مولانا سعید احمد اکبر آبادی جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

آپ کی بے نظیر قوت حافظہ:-

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت حافظہ کی دولت سے بھی مالامال فرمایا
تھا۔ "حیات انور" میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب میں کسی کتاب کا
سرسری مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی
نہیں ہوتا تب بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ رہ جاتے ہیں

آپ کا علمی مقام:-

آپ کا علمی مقام بہت ہی بلند تھا، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب میرے پاس آکر بیٹھتے ہیں تو میرا قلب ان کی
علمی عظمت کا دباؤ محسوس کرتا ہے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ
ہمیشہ آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے۔

آپ کا علمی اصلاحی وسیاسی کارنامہ:-

آپ نے قادیانیت کے خلاف مناظرے کئے، ردقادیانیت پر کتابیں
اور رسائل تصنیف فرماتے، اسی طرح عرف الشذی فیض الباری، بسط
الیدین، مشکلات القرآن خاتم النبیین، عقیدت الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ
علیہ السلام، خزائن الاسرار، فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب، نیل الفرقدین
فی مسئلۃ رفع الیدین وغیرہ آپ کے علمی کارنامے اور علمی یادگار ہیں، آپ نے
ملک کی سیاست میں حصہ لیا، چنانچہ ملکی سیاست میں اپنے استاذ حضرت

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رہ کے مسلک کے پیرو اور برطانوی حکومت کے سخت ترین مخالف تھے، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن اعلیٰ رہے۔

وفات:۔ ۳ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کو تقریبًا ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں رحلت فرمائی، مزار انوری عیدگاہ کے قریب مدفون ہیں

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بڑے جلیل القدر محدث و مفسر، سحر البیان متکلم، عالی قدر مصنف وانشاء پرداز اور میدان سیاست کے شہسوار تھے اور مسلمان پاکستان کے شیخ الاسلام تھے۔

ولادت:۔ ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں بمقام "بجنور" ہوئی آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مولانا فضل الرحمٰن تھا، آپ کے والد اپنے زمانے کے فاضل، اردو ادب کے ماہر، اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے، آپ کے والد نے پہلے آپ کا نام فضل اللہ رکھا، لیکن بعد میں شبیر احمد رکھا جو مشہور ہوا، آپ کا شجرۂ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے

تعلیم وتربیت:۔ آپ کی عمر جب سات برس کی ہوئی تو آپ درجۂ قرآن مجید میں داخل ہوئے، ۱۳۱۴ھ میں آپ نے اردو اور فارسی کی کتابیں مولانا محمد یٰسین صاحبؒ سے پڑھیں، ۱۳۱۹ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ فتحپور

دہلی کے صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے، ۱۳۲۸ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند بلایا گیا، یہاں آپ نے عرصہ تک درجۂ علیا کی مختلف کتابیں پڑھائیں ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے بعض اختلافات کے سبب سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن وغیرہ حضرات کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) تشریف لے گئے، ۱۳۵۲ھ میں جب علامہ انور شاہ کا انتقال ہو گیا تو آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، ۱۳۵۴ھ میں حضرت تھانوی رح اور بعض دیگر حضرات کے ارشاد پر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ۱۳۶۲ھ تک بحیثیت صدر مہتمم دارالعلوم کی خدمات انجام دیتے رہے، ۱۳۶۶ھ میں پاکستان تشریف لے گئے اور آخر دم تک وہیں مقیم رہے۔

بیعت وخلافت: آپ حضرت شیخ الہند رح کے ارشد تلامذہ میں تھے اور ان ہی سے بیعت بھی تھے اور خلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آپ کا علمی وسیاسی کارنامہ:

آپ کے علمی کارناموں میں مقالات، خطبات، مضامین کے علاوہ دو ایسے علمی کارنامے ہیں جو کبھی فراموش نہیں کیے جا سکتے، ایک تو حاشیہ قرآن مجید جو شیخ الہند رح کے ترجمہ پر ہے جس کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیری رح نے فرمایا تھا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیر قرآن لکھ کر دنیائے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے، اور دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلم شریف کی عربی میں حنفی نقطۂ نظر سے ایک شرح لکھی، جس کا نام "فتح الملہم" ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح نے دیوبند میں

ایک تعزیتی تقریر میں فرمایا تھا۔

"مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہے گی جو پوری دنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔" آپ نے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا، چنانچہ تحریک خلافت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا، جمعیۃ علماء ہند دہلی کی مجلس عاملہ کے آپ ایک فعال رکن رہے، ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک اس میں سرگرمی سے حصہ لیا، آخر زمانہ میں نظریہ تقسیم میں مسلم لیگ کے ساتھ شمولیت اختیار فرمالی تھی، تقسیم ہند سے قبل رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان تشریف لے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے، وہاں بھی آپ نے گراں قدر علمی مذہبی، سیاسی خدمات انجام دیں۔

وفات:- مختصر علالت کے بعد ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو چونسٹھ سال ایک ماہ بارہ یوم کی عمر میں کراچی میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں۔

محدث حضرت علامہ ظہیر احسن شوق نیموی ؒ

آپ تیرہویں صدی ہجری کے مشہور و معروف جلیل القدر محدث، اور بقول علامہ انور شاہ کشمیری ؒ آپ بڑے ذی علم، کثیر الفہم، وسیع الحافظہ مرجع خلائق، حافظ حدیث مقتدا یکتائے روزگار انسان تھے۔

ولادت:- آپ کی ولادت ۴ر جمادی الاول ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء بروز بدھ صبح کے وقت اپنی خالہ کے گھر صالح پور ضلع النده (پٹنہ)

میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام ظہیر الاسلام، مشہور نام ظہیر احسن اور اصل نام محمد تھا آپ کی کنیت ابوالخیر تھی اور دنیائے شعروادب میں آپ کا تخلص شوق تھا موضع نیمی ضلع نالندہ (پٹنہ) آپ کا وطن مالوف تھا، آپ کا نسب اکتیسویں پشت پر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

تعلیم وتربیت :- ابتدائی کتابیں آپ نے اپنے گاؤں کے مکتب میں پڑھیں، اس کے بعد عربی کی تعلیم اپنے والد شیخ سبحان علی صدیقی سے پائی، عربی کی ابتدائی تعلیم کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لے گئے اور وہاں عربی کے مشہور عالم شمس العلماء مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی کی خدمت میں رہ کر عربی زبان وعلم وادب کی تکمیل کی، ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور گئے اور مولانا حافظ عبداللہؒ سے کسب فیض کیا، اس وقت شمالی مشرقی ہندوستان میں علماء فرنگی محلی کے علم وفضل اور تفقہ کا شہرہ دور دور تک پہونچا ہوا تھا، فرنگی محلی کے مسند درس پر علامۂ عصر فقیہ الدہر علامہ عبدالحی مرحوم متمکن تھے اس لئے لکھنؤ جا کر ان سے کسب فیض کیا

درس وتدریس :- شروع میں آپ پر شعر گوئی کا ذوق غالب رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرف سے قلب موڑ دیا اور بعد میں حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہوگئے اس قلب ماہیت کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے، صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے کہ مولانا نے ایک رات کو خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مبارک اٹھائے ہوئے ہیں تو مولانا نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ اب سے وہ علوم نبوی کے حامل بنیں گے، چنانچہ اسی وقت سے انھوں نے سارے مشاغل چھوڑ دیئے اور خدمت حدیث کے مطالعہ میں مشغول ومصروف ہوگئے۔

راہ سلوک :- آپ نے سلوک و معرفت کی منزلیں بھی طے کیں، چنانچہ اس راہ میں شیخ وقت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رح کو اپنا پیر و مرشد قرار دیا اور ان سے بیعت ہوئے۔

آپ کا علمی کارنامہ :- آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حنفی نقطہ نظر سے ان احادیث کا انتخاب کیا جن سے حنفی مسلک کے دلائل مستنبط ہوتے ہیں چنانچہ آپ نے اس کا نام آثار السنن رکھا، اس کے علاوہ بھی آپ کی دیگر تصانیف ہیں مثلاً مقالۂ ادلہ، سرمۂ تحقیق، تبیان التحقیق، حبل المتین، دیوان شوق، نغمۂ زار اور سوز و گداز، ازالۃ الاغلاط وغیرہ۔

وفات :- آپ کی وفات جمعہ کے دن عین خطبہ کے وقت ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۱۹۰۴ء کو ہوئی، وطن مالوف نیمی میں مدفون ہیں۔

قطب الارشاد حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری رح
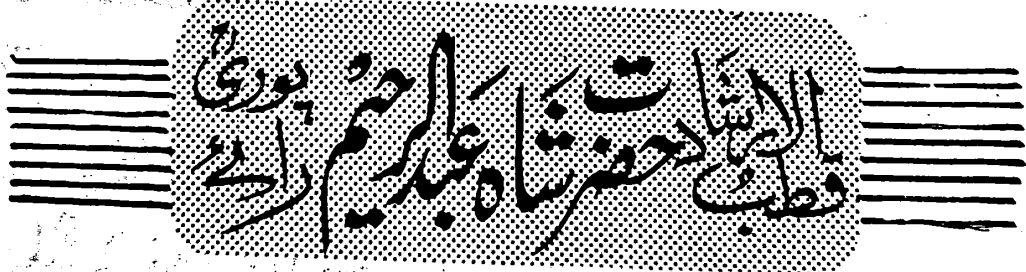
آپ اپنے وقت کے قطب الارشاد حضرت میاں صاحب شاہ عبد الرحیم سہارنپوری رح و حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے خلیفہ، حضرت شیخ الہند کے معتمد دوست، دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر، مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست، تحریک آزادی کے علم بردار اور مدرسہ فیض ہدایت رحیمی و مدرسہ گلزار رحیمی رائپور ضلع سہارنپور کے بانی تھے۔

ولادت :- آپ کی ولادت تگری ضلع انبالہ میں تقریباً ۱۲۷۲ھ

مطابق ۱۸۵۵ء میں ہوئی، آپ کا اصل وطن تگری ضلع انبالہ تھا، مگر آپ نے وطن اصلی چھوڑ کر رائپور ضلع سہارنپور میں سکونت اختیار کر لی تھی جس کی وجہ سے "رائپوری" مشہور ہو گئے

تعلیم و تربیت:- آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، اس کے بعد سہارنپور تشریف لے گئے اور وہیں زیادہ تر تعلیم حاصل کی آپ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے خاص شاگردوں میں ہیں۔

بیعت و خلافت:- آپ اولاً حضرت میاں صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری جو سلسلۂ قادریہ نقشبندیہ میں اپنے وقت کے نامور شیخ طریقت حضرت حاجی عبدالغفور صاحب (جو اخوند صاحب صوات کے نام سے مشہور ہیں) کے خلیفہ تھے، بیعت و خلافت حاصل کی، میاں صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرف رجوع کیا اور ان سے بھی اجازت و خلافت حاصل کی۔

آپ کے کارنامے:- آپ راہ سلوک و معرفت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ سے بڑے بڑے علماء رشتۂ سلوک قائم کئے ہوئے تھے، آپ نے ۱۳۰۸ھ میں رائپور میں "مدرسہ فیض ہدایت رحیمی" اور "مدرسہ گلزار رحیمی" کے نام سے دو دینی ادارے قائم کئے جن سے ہزاروں طلباء آج بھی مستفید ہو رہے ہیں، آپ نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جنگ عظیم شروع ہو جانے کے بعد جب شیخ الہند حجاز جانے لگے تو اہم امور کے سلسلے میں آپ کو اپنا قائم مقام بنایا۔

وفات:- آپ کا انتقال بہیلوں میں جہاں آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے تشریف لے گئے تھے، ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹

جنوری ۱۹۱۹ءمیں علی الصباح جنازہ بیلوں سے رائپور لایا گیا، باغ کے جنوبی سمت مسجد کے متصل مدفون ہیں۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے مشہور و معروف عالم دین مفتی اعظم، محدث، مفسر دارالعلوم دیوبند کے اولین مفتی حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند کے خلیفہ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کے مجاز تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام "ظفر الدین" رکھا گیا، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مولانا فضل الرحمن دیوبندی تھا۔

تعلیم و تربیت:۔ ۱۲۸۴ھ کے اواخر میں جب دارالعلوم دیوبند میں درجۂ قرآن شریف جاری ہوا تو آپ کو درجۂ حفظ میں داخل کیا گیا، اور ۱۲۸۷ھ میں حفظ قرآن مکمل فرمایا، ۱۲۹۵ھ میں آپ نے بخاری شریف، مسلم شریف، شرح عقائد کا امتحان دیکر دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔

درس و تدریس:۔ فراغت کے بعد کچھ عرصے تک دارالعلوم دیوبند میں آپ معین المدرس رہے، دیوبند کی نگرانی میں خدمات انجام دیتے رہے پھر آپ کو میرٹھ بھیجدیا گیا، جہاں مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میں کئی سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے، ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کی نیابت اہتمام کیلئے بلائے گئے، ۱۳۱۰ھ میں عہدہ افتاء سنبھالا اور ۱۳۴۶ھ تک درس تفسیر و حدیث

وفقہ کے ساتھ افتار کی عظیم الشان خدمت انجام دیتے رہے، پھر ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں بخاری شریف وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔

بیعت وخلافت :- آپ نے سلوک کے منازل حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں رہ کر طے کئے اور انھیں سے اجازت وخلافت حاصل کی، ۱۳۰۵ھ میں جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح کی خدمت میں ڈیڑھ سال قیام فرمایا اور ان کے مجاز ہوئے۔

آپ کا فقہی وعلمی کارنامہ :-

آپ فتاویٰ نویسی میں بڑے ماہر تھے، مشکل سے مشکل استفتار کا جواب بغیر کتاب دیکھے بلا تکلف تحریر فرمایا کرتے تھے، دوران قیام دارالعلوم آپ کے فتاویٰ کی تعداد ایک لاکھ اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ ہے، یہ آپ کا زبردست کارنامہ اور عظیم الشان دینی خدمت ہے، آپ کے علمی کارناموں میں جلالین شریف کا اردو ترجمہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے رسالہ میزان البلاغہ کا حاشیہ مشہور رہے۔

وفات :- ۱۷ر جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء کی شب میں داعئ اجل کو لبیک کہا، مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہیں۔

امام الاتقیاء، استاذ الاساتذہ
حضرت مولانا محمد اختر شاہ خانصاحب امروہوی

آپ ایک بلند پایہ عالم، علامۂ وقت ماہر علوم وفنون اور علوم متداولہ میں وسیع النظر محقق اور بعض علوم مثلاً علم صرف ونحو، علم منطق اور علم فرائض کے مجتہد تھے، آپ بہترین ادیب اور عدیم المثال شاعر تھے، اور اردو فارسی عربی تینوں زبانوں کے ہر صنف سخن میں شعر کہتے تھے، آپ متبع سنت، تقویٰ وطہارت کے امام، حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ رشید اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور علامہ کشمیریؒ اور مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے رفیق درس تھے

ولادت باکرامت :-

آپ تقریباً ۱۲۹۰ھ مقام امروہہ ضلع مرادآباد صوبہ یوپی میں پیدا ہوئے، آپ کی ولادت سے ایک فقیر کی کرامت وابستہ ہے جس کو آپ خود سنایا کرتے تھے، میرے والد حبیب شاہ خانصاحب بسلسلۂ ملازمت دھولپور میں مقیم تھے، اور داروغہ کے عہدہ پر فائز تھے شادی کو عرصۂ طویل گذر گیا تھا اور کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، ایک روز کوتوالی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فقیر آیا اور اس نے کہا داروغہ جی

ہیں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلایئے، آپ نے فوراً بازار سے کھانا منگوا کر درویش کو پیش کیا، اس نے کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا اور داروغہ جی کو دعاء دی " خدا کرے آپ کے بیٹے پوتے جیتے رہیں " داروغہ جی نے اس سے کہا بیٹے پوتے کیا، یہاں تو کسی بچہ کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ درویش نے کہا اچھا داروغہ جی " اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا دیگا، اور وہ ایک ہزار کے برابر ہوگا۔" چنانچہ اس فقیر کی پیشین گوئی پوری ہوئی، اور اس کے دس ماہ بعد حضرت مولانا کا تولد ہوا۔ اور بعد میں بقول درویش ہزاروں پر فائق ہوئے۔

نام ونسب :۔

آپ کا نام محمد اختر شاہ خان، والد کا نام حبیب شاہ خان ہے سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ محمد اختر شاہ خان ابن حبیب شاہ خان ابن محمد شاہ خان بن سید شاہ خان، آپ کا تعلق قومِ افغان سے ہے۔ آپ کے بزرگوں کا وطن مالوف مقام بگڑھ ہے جو افغانستان کے علاقہ صوات بونیر میں ہے۔ آپ کے جدّاعلیٰ سیّد شاہ خان وطن مالوف سے رام پور تشریف لائے اور بزمانۂ نواب احمد علی خاں ریاست رام پور میں عہدۂ کوتوال پر مقرر ہوئے اور اپنے فرزند محمد شاہ خاں کا رشتہ امروہہ کے روہیلہ خاندان میں کیا، جس کی بنا پر محمد شاہ خان نے اپنی رہائش امروہہ میں اختیار کی۔

وطنِ مالوف :۔

آپ کا وطنِ مالوف محلہ دربار کلاں شہر امروہہ ہے، بعدِ فراغت آپ نے میرٹھ میں اقامت اختیار کرلی تھی، امروہہ میں بڑے بڑے علماء وفضلاء پیدا ہوئے، اور ماہرین حکماء واطباء بھی وہاں سے منسلک

رہے ہیں، اور ہمارے مشائخ کی بھی اس شہر کی طرف خاص توجہ رہی ہے چونکہ حضرت مولانا موصوف کی ولادت یہیں ہوئی اور زمانۂ طفولیت بھی یہیں گذرا، اور ابتدائی تعلیم بھی یہیں رہتے ہوئے ہوئی اور علوم و فنون میں مہارت یہیں حاصل ہوئی اس لئے حضرت والا کو اس شہر سے خاص اُنسیت رہی اور اس کی عظمت و شرافت کے متعلق آپ نے بہت اشعار کہے ہیں۔

ابتدائی تعلیم و تربیت :-

مولانا اختر شاہ خاں کے والد ماجد حبیب شاہ خان بسلسلۂ ملازمت دھولپور میں مقیم تھے، حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ والد صاحب کو دو جگہ سے پنشن ملتی تھی، حکومت برطانیہ کی طرف سے اور دھولپور کے نواب کی طرف سے، اور یہ فرماتے تھے کہ والد صاحب کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی ہے، دھولپور کے زمانۂ اقامت میں قدرے ابتدائی تعلیم وہاں کے سرکاری اسکول میں ہوئی اور باضابطہ ابتدائی تعلیم آپ نے امروہہ میں رہ کر خلیفہ مراد علی رح سے حاصل کی، خلیفہ جی اپنے وقت کے بہت بڑے ادیب اور بے مثال شاعر تھے، حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ خلیفہ مراد علیؒ بچوں کو مزاحیہ اشعار یاد کراتے تھے، اور بچے کی زبانی لوگوں کو سنوا دیتے تھے، ایک بچہ تندرست و توانا تھا اس کو یہ شعر یاد کرایا ؎

میں ہوں پہلوان بڑا گھونسا بلجہ کے ماروں تو پاپڑ کو پھوڑ دوں
مچھر کی چاہے چٹکی سے گردن مروڑ دوں

دوسرا بچہ نحیف و کمزور تھا اس کو یہ شعر یاد کرایا :- ؎

تم مجھے اپنا درگوش دکھایا نہ کرو :: میں ہوں بچہ مجھے لولو سے ڈرایا نہ کرو

دُرِ گوش۔ کان کی بالی کو کہتے ہیں جو عورتیں پہنتی ہیں، اور لُولُو لغتاً موتی کو کہتے ہیں، اور عرف میں خیالی ڈراونی صورت جس کا نام لے کر بچوں کو ڈرایا جاتا ہے۔

حضرت والا نے کلام پاک اردو اور فارسی کی کتب درسیہ از خالق باری تا گلستاں، بوستان، سکندر نامہ تمامہ خلیفہ مراد علی صاحبؒ سے پڑھی اور علم عروض و فن شاعری بھی خلیفہ جیؒ سے حاصل کیا۔

حضرت مولانا سید شبیر علی صاحب امروہوی کے زیر نگرانی ظاہری و باطنی تربیت

حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ امروہوی اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور عظیم المرتبت فقیہ، شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ کے شاگرد، صاحب کشف و کرامت بزرگ اور رؤسائے امروہہ میں سے تھے، حضرت الاستاذؒ نے یہ واقعہ سنایا کہ مولانا سید شبیر علی صاحبؒ مسجد میں کافیہ پڑھا رہے تھے یکایک دروازہ سے نہایت سفید اور صاف شفاف لباس میں کوئی بزرگ تشریف لائے، مولانا شبیر علی صاحبؒ فوراً کھڑے ہو گئے اور ان سے معانقہ کیا اور اپنی جگہ بٹھایا، خیریت معلوم کی اور دریافت کیا کہاں سے تشریف لا رہے ہیں، انھوں نے جواباً فرمایا، لکھنؤ سے آرہا ہوں عصر کے بعد چلا تھا، مغرب رامپور میں ادا کرنی ہے وہاں کسی بزرگ کا انتقال ہو گیا ہے ان کے جنازہ میں شرکت کرنی ہے، لہٰذا اجازت دیجئے، حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ ان کو رخصت کرنے کے لئے امروہہ سے سوار تک آئے جب وہ رخصت ہو گئے تو حضرت الاستاذؒ نے دریافت فرمایا کہ حضرت

یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ اتنے قلیل عرصہ میں لکھنؤ سے امروہہ، اور امروہہ سے رامپور کیسے پہونچ جائیں گے، حضرت مولانا نے فرمایا یہ ابدال ہیں اور رامپور پہونچ بھی چکے ہیں، ابدال کو من جانب اللہ طیہ الارض کی کرامت عطا ہوتی ہے کہ طویل المدت سفر کو قلیل وقت میں طے کر لیتے ہیں۔

حضرت الاستاذ رح فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا شبیر علی صاحب رح نے بڑے انہماک و اخلاص کے ساتھ میری ظاہری و باطنی تربیت فرمائی ہے اور کوئی ادنیٰ خدمت بھی نہیں لی ہے ایک روز حضرت مولانا شبیر علی صاحب رح درس دے رہے تھے درمیان میں فرمایا کہ پیاس لگ رہی ہے، میں نے ایک گلاس پانی پیش کیا، حضرت مولانا نے فرمایا تمھیں پانی لانے کے لئے کس نے کہا، یہ گلاس وہیں رکھ آؤ، میں تعمیل حکم میں وہیں رکھ آیا، حضرت مولانا اپنی جگہ سے اٹھے اور خود پانی لے کر پیا، اور اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا لایا ہوا پانی کیوں منع فرمادیا، تو حضرت مولانا نے فرمایا میں تم کو صرف اپنی آخرت کے لئے پڑھا رہا ہوں، دنیا کا کوئی کام میں نہیں لینا چاہتا، اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ شبیر علی تم دنیا سے کیا لائے ہو، تو میں تمھارا ہاتھ پکڑ کر پیش کردوں گا کہ اختر کو لایا ہوں، چنانچہ حضرت الاستاذ کے علاوہ سید صاحب رح کا کوئی ایسا شاگرد نہیں ہے جو باضابطہ عالم ہو۔

حضرت الاستاذ رح نے حضرت مولانا سید شبیر علی صاحب رح سے از میزان تا جلالین شریف کتب علوم و فنون پڑھیں اور ۱۶ سولہ سال کی عمر میں کتب متداولہ پر پوری مہارت حاصل ہوگئی تھی، اور سولہ سال ہی کی عمر میں حضرت مولانا شبیر علی صاحب رح کے مشورہ سے تحصیل حدیث کے لئے

سہارنپور و دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں رہ کر اپنی تشنہ لبی دور کی۔

تحصیل حدیث کیلئے سہارنپور و دیوبند کا سفر:۔

حضرت الاستاذ حضرت مولانا سید شبیر علی صاحبؒ کے اکلوتے شاگرد تھے، اس لئے ان کی ظاہری و باطنی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشاں رہتے تھے، اپنے یہاں تکمیل تعلیم کے بعد مشورہ دیا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ محدث سہارنپوری کی خدمت عالیہ میں رہ کر حدیث پڑھو، پھر دیوبند جا کر حضرت شیخ الہندؒ سے تکمیلِ حدیث کرو، حسب مشورہ جب آپ مظاہر علوم سہارنپور پہونچے تو وہاں داخلہ بند ہو چکا تھا، استاذِ محترم کے حکم کے مطابق ۳، ۴ روز حضرت محدث سہارنپوری کی خدمت میں رہ کر حدیث پڑھی، پھر آپ نے وہاں سے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور علوم عالیہ کی تکمیل فرمائی، ۱۳۱۵ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی، دارالعلوم دیوبند کے مشہور و معروف اساتذہ آپ کے یہ ہیں، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ والد ماجد حضرت شیخ الہندؒ۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، حضرت مولانا غلام رسول صاحب پشاوریؒ وغیرہم، اور آپ کے درسی ساتھیوں میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلویؒ وغیرہم ہیں۔

درس و تدریس:۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ میرٹھ تشریف لائے

اور مطبع مجتبائی میرٹھ میں صرف آٹھ روپے ماہانہ پر متواتر آٹھ سال تک
تصحیح کتب کا کام انجام دیتے رہے، یہ وہی مطبع ہے جہاں حجۃ الاسلام
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی تصحیح کتب کا کام انجام دیا تھا
دس سال تک، حضرت الاستاذ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری سعادت مندی
ہے کہ حضرت نانوتوی کی جگہ پر تصحیح کتب کا موقع ملا اور حضرت مولانا
رشید احمد گنگوہی محدث کی بھی جوتیاں سیدھی کرنے کا موقع ملا، اس کے بعد
آپ کو مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ کے لئے بلالیا گیا اور پوری زندگی
آپ نے اسی مدرسہ کیلئے صرف کردی، اور آپ ہی کی ذات بابرکات کی
وجہ سے یہ مدرسہ بام عروج پر پہونچا، ملک و بیرون ملک اس کی شہرت
ہوئی اور طلباء کا ہجوم ہوا، اور بڑے بڑے نامور علماء یہاں سے سیراب
ہوکر نکلے جو ملک اور بیرون ملک دین کی عظیم ترین خدمات انجام دے رہے ہیں

حضرت الاستاذ ابتدائی فارسی تا دورۂ حدیث تمام جماعتوں کو
بنفس نفیس اور فنون کی کتابوں کا درس دیتے تھے، عموماً مندرجہ ذیل کتب
آپ کے زیر درس رہی ہیں، آمدنامہ، حمد باری، پندنامہ، گلستاں، بوستاں
سکندرنامہ، یوسف زلیخا، انوار سہیلی، رقعات عالمگیری، مثنوی مولانا روم،
میزان الصرف، صرف میر، دستور المبتدی، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری
مراح الارواح، شافیہ، نحومیر، شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، مفید الطالبین
نفحۃ الیمن، قلیوبی، مقامات حریری، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ
منیۃ المصلی، قدوری، کنز الدقائق، جلالین شریف، مشکوۃ شریف۔

آپ یہ تمام کتابیں خود پڑھاتے تھے اور آخر تک پڑھاتے تھے،
ان کتابوں کے علاوہ باقاعدہ فنون کی تعلیم و تربیت اپنے خاص طریقے

سے دیتے جس سے آپ کے شاگرد باقاعدہ علوم وفنون میں ماہر ہوجاتے صرف ونحو، فرائض وعروض، عربی ادب لکھنے اور بولنے کی مشق اپنے ہاتھ سے کاپی میں لکھ کر کراتے، آج تک آپ کے اکثر تلامذہ کے پاس آپ کی اصل تحریر موجود ہے، اور احقر کے پاس تو حضرت الاستاذ کے قلم مبارک سے لکھی ہوئی تقریر موجود ہے جو حیات اختر میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے۔

علمِ عروض اور شعر و شاعری:-

علم عروض وہ علم ہے جس سے نظم کے قواعد معلوم ہوتے ہیں حضرت الاستاذ رح عروض پڑھانے کے ماہر ہی نہیں بلکہ عدیم المثال شاعر تھے، اردو، فارسی، عربی، تینوں زبانوں میں آپ قادرالکلام شاعر تھے، اور ہر صنفِ سخن میں شعر کہتے تھے، آپ کے کلام میں فصاحت وبلاغت غضب کی ہوتی تھی اور تشبیہ واستعارات سے آپ کا کلام بیحد مزین ہوتا تھا۔ شاعری آپ کا مستقل مشغلہ نہ تھا، کیونکہ آپ کا اصل دلچسپ مشغلہ بلکہ آپ کی غذا درس وتدریس تھی، گاہے گاہے کسی موقعہ پر ہی آپ فی البدیہہ شعر کہتے تھے، عربی، فارسی، اردو میں آپ کی بے شمار نظمیں ہیں جن کا جمع کرنا متعذر نہیں تو دشوار ضرور ہے، میں اپنی وسعت کے مطابق ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا، اوّلاً ان اشعار کو تحریر کرتا ہوں جن کا پس منظر احقر کے علم میں ہے۔

قطب وقت عارف باللہ میاں جی سید اصغر حسین صاحب رح فصیح الدین صاحب بندوق والے کے یہاں صدر بازار میرٹھ تشریف

لائے فصیح الدین کے والد ماجد صبیح الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، حضرت میاں جی صاحبؒ نے حضرت الاستاذ کو بلوایا، اور فرمایا آپ کو معلوم ہے حکیم محمد حنیف صاحب پابلی کے یہاں آموں کی دعوت ہے، لہٰذا ہم لوگوں کو پابلی چلنا ہے، ان حضرات کے ساتھ مدرسہ امدادالاسلام کے دیگر اساتذۂ کرام بھی تانگہ میں بیٹھ کر پابلی پہونچے، حکیم حنیف صاحب کے گھر ایک پلنگ پر میاں جیؒ اور حضرت الاستاذ بیٹھے، یہ خادم بھی وہیں بیٹھ گیا، دیگر علمار کرام ایک تخت پر بیٹھ گئے، یہ تخت نہایت ہی پرانا تھا مفتیٔ اعظم شہر میرٹھ مولانا سید طاہر حسین صاحب امروہویؒ جو امدادالاسلام کے بڑے اساتذہ میں سے تھے کہنے لگے! حضرت یہ تخت چوں چوں کر رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کریگا، حضرت الاستاذؒ نے فرمایا: مولانا یہ رکوع ہی نہیں بلکہ سجدہ بھی کریگا، فوراً تخت کے چاروں پائے ٹوٹ گئے، اور علمار حضرات اِدھر اُدھر گر گئے تو حضرت الاستاذؒ نے برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

کہف دیں پابلی چوں پا بنہاد
تختِ دقیانوس لرزید افتاد

ترجمہ:۔ علمار کی جماعت جب پابلی پہونچی، پرانا تخت لرزا اور گر پڑا۔ حضرت میانجی صاحبؒ نے اس شعر کو بہت پسند فرمایا۔

● حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ حضرت الاستاذ مولانا اختر شاہ صاحبؒ سے طالب علمی ہی کے زمانہ میں کہا، بھائی ہمارے یہاں سے فارسی رخصت ہوگئی اور اس کا جاننے والا نہیں رہا، اتفاقاً کچھ دنوں کے بعد حضرت مولانا غلام رسول صاحب جن سے یہ حضرات دارالعلوم دیوبند میں سراجی پڑھ رہے تھے انتقال فرما گئے۔ تو مولانا اختر شاہ صاحبؒ

نے ان کی وفات پر دو شعر برجستہ کہے، جن سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے ؎

چوں رازی دوراں غلام رسول بحکم خدا ترک دنیا بگفت
با ختر سن رحلتش ہاتف لقد فاز فوزاً عظیماً بگفت
۱۳۳۷ھ

بعدہٗ یہ شعر لکھ کر حضرت علامہ کشمیری رحؒ کو دیدیئے، انھیں پڑھ کر علامہؒ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور مارے خوشی کے مولانا اختر شاہ صاحب کے بغل گیر ہوگئے، اور دو تین چکر بھی لگائے اور فرمایا: خدا کا شکر ہے ہم میں افغانی، خاقانی اور سعدی آج بھی موجود ہیں۔

● حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحؒ بے مثال عالم اور مناظر اسلام تھے، ملعونِ خدا مرزا غلام احمد قادیانی کے ہم عصر تھے، حضرت مولانا نے مرزا قادیانی سے بے شمار مناظرے کئے، اور سب میں کامیاب ہوئے، حضرت مولانا ضعیف العمر تھے اور مرزا قادیانی جوان تھا، اس توقع میں کہ مولانا تو پہلے ہی مرجائیں گے، مرزا قادیانی نے بطور مباہلہ پیش گوئی کی کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہوگا وہ پہلے مرجائیگا، قدرتِ خداوندی کہ مرزا پہلے ہی مرگیا، اس پر حضرت الاستاذ رحؒ نے یہ رباعی لکھی ؎

گفت مرزا مر ثناء اللہ را ؛ میرد اوّل ہر کہ ملعون خداست
پس رواں شد خود بملک نیستی ؛ بود کذابے ولیکن گفت راست

رباعی کا آخری مصرعہ "بود کذابے ولیکن گفت راست،، قابل داد و لائق ستائش و آفریں ہے، حضرت الاستاد رحؒ نے اس ملعون کی تاریخ وفات پر بھی ایک رباعی لکھی ؎

چوں سایۂ نحس کادیانی ؛ از کاچکے بر پائیداں افتاد
اختر بنوشت سالِ مرگش ؛ دجال ملوث از خر افتاد
۱۹۰۸ء

حضرۃ الاستاذ کے خصوصی تلامذہ:۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، نہ ان سب کا شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سب کے حالات لکھے جا سکتے ہیں، البتہ ان میں جو کسی نہ کسی لحاظ سے شہرت رکھتے ہیں ان کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

حضرت مولانا مسعود الٰہی صاحبؒ میرٹھی:۔

آپ باکمال عالم، جید حافظ بلکہ عاشق قرآن، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ و مجاز تھے۔

حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحبؒ سجاد میرٹھی:۔

آپ عالم باعمل، فاضل، بیان اللسان کے مؤلف، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر، اور شہر میرٹھ کے قاضی تھے۔

حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہویؒ:۔

آپ مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ کے مدرس اور مفتی اعظم تھے۔

حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ محلہ ماھی گیران قیصر گنج میرٹھ

آپ بڑے ذہین و فہیم عالم، دارالعلوم دیوبند کے فاضل مدرسہ مفید عام ماہی گیران کے مہتمم تھے، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے خصوصی طور پر ان کی سند میں لکھا تھا: "قابل الدرس والتدریس"

حضرت مولانا آفتاب عالم صاحبؒ میرٹھی:۔

آپ جید عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ محدث وقت حضرت

مولانا بدر عالم صاحبؒ میرٹھی کے صاحبزادہ تھے۔

حضرت مولانا سید حامد حسین تھانویؒ:۔

آپ معروف و مشہور عالم دین، جید قاری قرآن، خطیب بے مثال، مصلح باکمال، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے۔

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ:۔

آپ عالم باعمل، متبع سنّت بزرگ تھے، قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔

حضرت مولانا عبد الرّب صاحبؒ نشتر:۔

آپ اپنے وقت کے بے باک مقرر اور عظیم شاعر تھے، صوبہ بہار میں ضلع برونی کے رہنے والے تھے

حضرت مولانا عبد الرّب صاحب میرٹھیؒ:۔

آپ علوم و فنون کے ماہر تھے، نحومیر، صرف میر، میزان الصرف، کا اردو ترجمہ کیا، اور فصول اکبری کی شرح فیوض عثمانی لکھی۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ ازہر میرٹھی:۔

آپ اپنے وقت کے عظیم محدّث اور مفسّر ہیں، آپ نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں جن میں فن تفسیر میں مفتاح القرآن معروف و مشہور ہے، تصنیف و تالیف و تدریس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے، آپ قادر الکلام شاعر بھی ہیں۔

حضرت مولانا امیر احمد صاحبؒ للیانوی:۔

آپ متبع سنّت اور عالم باعمل ہیں، آپ نے حکیم الامّت حضرت تھانویؒ

کی حیات میں ان کی زیر نگرانی مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں پانچ سال تعلیمی خدمت انجام دی، اس کے بعد آپ کو مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ بلا لیا گیا، تین سال کے بعد مدرسہ مظہر العلوم شوندت میں قائم فرمایا، اور اس وقت آپ وہیں مہتمم ہیں، اور آپ نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں جن میں مکالمہ جات میں رونقِ محفل کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب میرٹھی :-

آپ فاضلِ دارالعلوم دیوبند ہیں، آپ نے مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ میں ایک عرصہ تک تدریسی خدمت انجام دی، اس وقت آپ پاکستان میں مقیم ہیں، اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے۔

حضرت الاستاذ کی اولاد

آپ کی اولاد میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، آپ کے چاروں صاحبزادے حافظ قاری اور فارغ التحصیل عالم تھے۔

(۱) حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب، دارالعلوم دیوبند سے فارغ تھے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ہم سبق تھے۔

(۲) حافظ قاری عبدالمجید صاحب، بہت خوش الحان قاری اور بہت خوش بیان واعظ تھے جو بلبل ہند کے نام سے مشہور تھے۔

(۳) حضرت مولانا عبدالرشید صاحب، جو مدرسہ امداد الاسلام سے فارغ تھے اور اپنے وقت کے بے مثال مقرر تھے اور طوطیٔ ہند سے مشہور تھے

(۴) حضرت مولانا عبدالغنی صاحب، مدرسہ امداد الاسلام سے فارغ تھے۔

وفات حسرت آیات :-

رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ میں آپ کے بائیں ہاتھ میں کچھ سرسراہٹ سی ہوئی، اطباء نے فالج کا اندیشہ بتلایا اور دوائیں تجویز کردیں، اور ایک دو مرتبہ مسہل بھی دلائے، لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا، ۲۴ صفر المظفر ۱۳۶۴ھ میں فجر کی نماز پڑھتے ہوئے دوسری رکعت میں فالج کا اثر ہوا، چنانچہ آپ نے دوسری رکعت بیٹھ کر ادا کی، حضرت کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید صاحب اور ان کے رفقاء حضرت کو گھر لے آئے، فالج کا اثر اور زیادہ ہوگیا، علاج و معالجہ ابھی جاری ہی تھا، ظہر اور عصر کا وضو میں نے خود کرایا اور حضرت والا نے بیٹھ کر نماز ادا کی، مدرسہ امداد الاسلام کے مدرسین اور علماء شہر بغرض عیادت خدمت میں حاضر تھے تو حضرت مولانا رونے لگے، موجودین حضرات نے تسلی کے کلمات کہے کہ حضرت! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، انشاء اللہ جلد ہی آرام ہوجائے گا۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا: ارے بھائی میں بیماری کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں، بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ دنیا سے خالی ہاتھ جارہا ہوں، یہ قول اس ہستی کا ہے جس کا کبھی کوئی عمل خلاف سنت نہیں دیکھا گیا ہے، سولہ سال کی عمر سے کبھی نماز تہجد قضا نہیں ہوئی اور آٹھ سال کی عمر سے کبھی تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی، بلکہ مرض الوفات میں بھی گھر میں باجماعت نماز پڑھتے رہے۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۴۵ء بروز جمعہ آپ نماز جمعہ کے لئے مسجد تشریف نہ لے جاسکے اور گھر ہی میں ظہر کی نماز ادا کی اسی دن عصر کے لئے میں نے وضو کرایا۔ مولانا نے عصر کی نماز کی نیت باندھی اور نماز شروع کردی، رکوع کیا اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے

ہوئے اپنے رب حقیقی سے جا ملے، اور پوری عمر کا تھکا ہوا مسافر ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تجہیز وتکفین:۔

آپ کی وفات کی خبر شہر اور بیرون شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی لوگ جوق در جوق آنے لگے، لوگوں کی آمد ورفت کا سلسلہ صبح تک جاری رہا۔ حاجی عبد الرحمن صاحب مسواک والے نومسلم جنھوں نے حضرت مولانا ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اور ہمیشہ قریب رہے اور ولی صفت انسان تھے، مولانا کے صاحبزادوں سے اجازت لے کر بروز ہفتہ صبح نو بجے غسل دلایا دوسرے لوگ بھی ان کے معاون رہے، بعد غسل انھوں نے حضرت مولانا کی پیشانی پر کافور لگایا، لیکن مولانا کی پیشانی سے اس قدر پسینہ آرہا تھا کہ کافور بہہ گیا، مولانا کی پیشانی حدیث شریف ان المومن یموت بعرق الجبین کی پوری مصداق تھی، حضرت مولانا کا چہرہ نہایت منور اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسکرا رہے ہیں، لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسہری میں بڑی بڑی بلّیاں باندھی گئیں پھر بھی اکثر لوگوں کو کاندھا نہیں مل سکا۔ شہر اور اطراف شہر کے کثیر تعداد میں لوگ شریک تھے، اس سے پہلے کبھی کسی کے جنازہ میں اتنے لوگ نہیں دیکھے گئے، صدر بازار کی جامع مسجد کے سامنے نماز جنازہ ادا کی گئی، اور حضرت مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا عبد القیوم صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور سوداگروں کے قبرستان میں اس گنج علم وعرفان کو سپرد خاک کیا گیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مسلمانان ہند کے شیخ الاسلام، دارالعلوم دیوبند کے صدر و شیخ الحدیث جمعیۃ علماء ہند کے صدر، ہزاروں علماء کے جلیل القدر استاذ، لاکھوں انسانوں کے مرشد کامل اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ تھے

ولادت :۔ آپ کی ولادت بانگرمئو ضلع اُناؤ میں ۱۹ر شوال المکرم ۱۲۹۶ھ مطابق ستمبر ۱۸۷۹ء کو ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب رحؒ ہیڈ ماسٹر تھے، ویسے آپ کا وطن موضع اللہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے، آپ کا تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا، آپ کے والد محترم حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے بیعت تھے۔

تعلیم وتربیت :۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کی، بارہ سال کی عمر ہوئی تو دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ابتدائی درجہ میں داخلہ لیا، حضرت شیخ الہند رحؒ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پائی، ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں۔

درس وتدریس :۔ آپ کے والد ماجد کی طبیعت جب ہندوستان سے اچاٹ ہوگئی تو مع اہل وعیال مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے، آپ بھی ان کے ہمراہ ہو لئے اور وہاں حرم نبوی میں سولہ سترہ سال تک درس حدیث دیا، بعد میں سلہٹ (بنگلہ دیش) میں بھی درس حدیث دیا، ۱۳۴۶ھ میں جب حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحؒ نے دارالعلوم دیوبند سے قطع تعلق فرمالیا تو آپ کو صدارت تدریس کیلئے بلایا گیا اور آخر

عمر تک تقریباً تیس سال مسلسل دارالعلوم کے شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے۔

راہ سلوک:۔ آپ نے سلوک کی منزلیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی خدمت میں رہ کر طے کیں، اور اجازت وخلافت حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح سے بھی فیض حاصل کیا۔

آپ کا علمی سیاسی واصلاحی کارنامہ:۔

آپ نے تحریک آزادی کیلئے حضرت شیخ الہند رح کے ساتھ بڑی انتھک کوششیں کیں، اس کیلئے قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، تقریباً سوا تین سال تک حضرت شیخ الہند رح کے ساتھ مالٹا کے جیل میں قیدی کی حیثیت سے رہے، ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء کو مالٹا کے جیل سے رہائی ملی تو حضرت شیخ الہند رح کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے، آپ انگریزی حکومت کے سخت مخالفوں میں تھے، کانگریس کے رکن تھے، عرصہ دراز تک جمعیۃ العلماء ہند کے صدر رہے، ملک کی آزادی کے بعد اپنے آپ کو سیاست سے الگ کرلیا اور خالص دینی امور کیلئے اپنے آپ کو وقف کردیا، آپ نے بدعات وخرافات مشرکانہ عقائد، الحاد وزندیقیت اور فتنۂ مودودیت کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور زندگی کے اخیر لمحہ تک اسکے خلاف نبرد آزما رہے، آپ کے علمی کارناموں میں الشہاب الثاقب، سفرنامۂ مالٹا، متحدہ قومیت نقش حیات، مکتوبات بہت ہی مشہور ومعروف ہیں۔

وفات:۔ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو عالم آخرت کی طرف کوچ فرمایا، نماز جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رح نے پڑھائی، اور مزار قاسمی دیوبند میں سپرد خاک کیا گیا

محدث اکبر مورخ اعظم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی

آپ بقول مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہٗ بہار کی مردم خیز سرزمین کے دُرِّ شاہوار، اور بقول مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہٗ آپ دقیق النظر اور کامل الفن عالم، وسیع النظر محدث، وسیع النظر مورخ، سیال قلم مصنف، سحر بیان مقرر، کامیاب مدرس، حقیقت پسند و باخبر عالم دین اور عہد حاضر اور نسل جدید کے نبض شناس عالم تھے۔

ولادت:- ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو اپنی ننھال موضع استھانواں ضلع پٹنہ (بہار) میں ہوئی، اور پرورش و پرداخت داد ھیال گیلان میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حافظ ابوالخیر تھا، آپ کے والد ماجد بہت ہی سادہ مزاج اور فیاض تھے۔

تعلیم و تربیت:- آپ نے ابتدائی تعلیم قرآن شریف اردو فارسی اور عربی صرف و نحو کی کتابیں گیلان ہی میں اپنے چچا حکیم سید ابوالنصرؒ سے حاصل کی، خاندانی بزرگوں میں فن معقولات کا غلبہ تھا، چنانچہ ۱۳۲۴ھ میں آپ کو مزید تعلیم کیلئے مولانا برکات احمد مرحوم کے پاس "ٹونک" بھیجدیا گیا، مولانا برکات احمد معقولات کے نامور عالم تھے، سات سال تک ان سے معقولات کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں، ۱۳۳۱ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۲ھ میں سند فراغ حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہندؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

درس وتدریس:۔ فراغت کے کچھ دنوں بعد رسالہ "القاسم" اور "الرشید" میں معاون مدیر کی حیثیت سے کام کیا، پھر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں آپ کا تقرر ہوا جہاں آپ شعبۂ دینیات کے صدر مقرر ہوئے، آپ نے تقریباً ۲۵ سال تک حیدرآباد میں علمی خدمات انجام دیں کچھ دنوں آپ نے ٹونک میں بھی درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔

بیعت وخلافت:۔ زمانۂ طالب علمی میں حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوگئے تھے، ان کے وصال کے بعد آپ نے ایک بغدادی الاصل بزرگ جو حیدرآباد میں عرصہ سے مقیم تھے ان کا نام حبیب العیدروسؒ تھا ان سے رشتۂ سلوک جوڑا اور خلافت سے نوازے گئے، دوسری خلافت حضرت مولانا محمد حسین مرحوم سے حاصل کی جو حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے قالاً وحالاً ترجمان تھے۔

آپ کا علمی کارنامہ:۔ آپ نے زبردست علمی کارنامہ انجام دیا، چنانچہ آپ کے علمی کارناموں میں مقالات وخطبات کے علاوہ بہت ساری تصانیف بھی ہیں جن میں مقالات احسانی، سوانح قاسمی (تین جلدیں) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی، تدوین حدیث، النبی الخاتم، ہزار سال پہلے وغیرہ بہت ہی مشہور ومعروف ہیں

وفات:۔

۲۵ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ مطابق ۵ رجون ۱۹۵۶ء صبح سات بجے داعی اجل کو لبیک کہا، گیلان ہی میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے مرید حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رح کے خلیفہ مدرسہ مظاہر علوم کے سرپرست اور بقول حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رح، مولانا انتہائی ذکی، انتہائی مدبر، ظریف اور خوش مزاج تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۵ رجب المرجب ۱۲۹۸ھ مطابق ۳ جون ۱۸۸۱ء یوم جمعہ کو ہوئی، آپ کے والد کا نام یاد الٰہی، دادا کا نام رحم الٰہی اور پردادا کا نام فضل الٰہی تھا۔

تعلیم و تربیت:۔ چار سال کی عمر میں آپ نے مکتبی تعلیم شروع کی، چھ سال کی عمر میں قرآن پاک، ناظرہ اور اردو کی کتابیں ختم کیں، ۱۳۰۵ھ میں عربی شروع کی اسکے بعد انگریزی اسکول میں داخل ہوئے، اور دو سال اسکول میں تعلیم پائی، ۱۳۱۱ھ میں مدرسہ قومیہ میرٹھ میں داخل ہوئے اور باقاعدہ ابتداء سے عربی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور صرف دس مہینوں میں مشکوٰۃ شریف تک کی کتابیں ختم کر ڈالیں، ۱۳۱۲ھ میں مشکوٰۃ شریف شروع کی اور دو سال میں جملہ کتب صحاح اور دینیات سے فراغت حاصل کی اس وقت آپ کی عمر سولہ سال کی تھی، ۱۳۱۵ھ میں لاہور سے مولوی فاضل کیا۔

درس و تدریس:۔ ۱۳۱۷ھ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مدرس دوم کی جگہ آپ کا تقرر ہوا، لیکن چند ماہ کے بعد اپنے وطن میرٹھ واپس

آ گئے اور ۱۳۱۸ھ میں خیر المطابع کے نام سے پریس کھولا اور تصنیف و تالیف و تراجم کا کام شروع کیا، آپ نے چھ حج کئے اس دوران شام و فلسطین کا دورہ بھی کیا۔

بیعت و خلافت:۔ اول تو حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بیعت کی، حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سے رجوع کیا اور انھیں سے اجازت و خلافت حاصل کی

آپ کا علمی کارنامہ: آپ کے علمی کارناموں میں "تذکرۃ الرشید" تذکرۃ الخلیل، ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک، ترجمہ قرآن مجید الاسلام، سفرنامہ مصر و شام، مکاتیب رشیدیہ مشہور و معروف ہیں۔

وفات:۔ یکم شعبان المعظم ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵/ اگست ۱۹۴۱ء بروز دوشنبہ صبح ۶ بجے آپ کا انتقال ہوا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور میرٹھ ہی میں تدفین عمل میں آئی
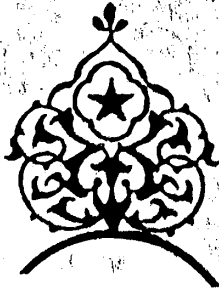
یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

الدّاعی اِلیَ اللہ

بانیٔ تبلیغ

حضرت مولانا محمّد الیاس صاحب کاندھلوی رح

آپ اپنے زمانے کے ولی اللہ، موجودہ دعوت و تبلیغ کے بانی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے مرید، اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رح کے ممتاز خلفاء میں تھے۔

ولادت: ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام الیاس اختر تھا، آپ کے والد کا نام حضرت مولانا محمد اسمٰعیل تھا، آپ کے والد ایک خدا رسیدہ سیدھے سادے بزرگ تھے۔

تعلیم و تربیت:- آپ کا بچپن ننہال کاندھلہ اور والد بزرگوار کے پاس بستی حضرت نظام الدین میں گذرا۔ آپ نے قرآن مجید کی تعلیم کاندھلہ کے مکتب میں حافظ منگتو رح سے حاصل کی اور قرآن شریف والد بزرگوار کے پاس بستی حضرت نظام الدین دہلی میں رہ کر حفظ کیا، ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب اور مولانا محمد ابراہیم کاندھلوی رح سے پڑھیں۔

ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے مشفق بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے پاس گنگوہ تشریف لے گئے (جو دو سال سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی خدمت میں مقیم تھے) اور ان سے حدیث کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، ۱۳۲۶ھ میں حدیث کی تکمیل کیلئے آپ نے دارالعلوم دیوبند کا سفر فرمایا اور حضرت شیخ الہند رح کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر بخاری و ترمذی شریف کی سماعت کی اور بعد میں پھر اپنے فاضل یگانہ بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے حدیث کا دورہ کیا۔

درس و تدریس:- شوال ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کا تقرر بحیثیت مدرس ہوا، آپ نے متوسطات کی کتابیں پڑھائیں، دوران تدریس ۱۳۳۳ھ میں آپ نے حج کیا، ۱۳۳۴ھ میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد کے انتقال پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح کی اجازت سے بستی نظام الدین دہلی تشریف لے گئے اور دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔

بیعت و خلافت:- اولاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح سے بیعت ہوئے، ان کے وصال کے بعد حضرت شیخ الہند رح کے مشورہ

سے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحؒ سے بیعت ہوئے، اور ان ہی کی نگرانی میں منازل سلوک طے کئے اور نیابت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آپ کا اصلاحی وتبلیغی کارنامہ:-

آپ نے دعوت و تبلیغ کا یہ مقدس کام بستی نظام الدین دہلی کی ایک چھوٹی سی مسجد بنگلہ والی سے اس کا آغاز فرمایا ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں تبلیغی تحریک کی بنیاد ڈالی، حضرت مولانا اسیرادروی مدظلہ اپنی کتاب "دارالعلوم دیوبند" احیاء اسلام کی عظیم تحریک، میں آپ کے تبلیغی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔ آپ نے تعلیم دین کے کام کا آغاز ایک ایسی قوم سے کیا جو اس مہذب دنیا میں بھی تہذیب وتمدن، اخلاق وشرافت، دین ودیانت کی کوئی ہلکی سی کرن ان کی آبادیوں پر نہیں پڑی تھی، اس قوم کو میو یا میواتی کہا جاتا ہے، جو دہلی سے جانب جنوب ایک وسیع سرزمین میں آباد ہے، تقریباً بیس تیس لاکھ کی آبادی ہے، وہ اپنے کو مسلمان کہتے تھے، لیکن کسی رخ سے بھی وہ مسلمان کہلائے جانے کے مستحق نظر نہیں آتے تھے، ان کے نام ماتا سنگھ، پرہلاد سنگھ، بھیم سنگھ جیسے ہوتے تھے، پوجا پاٹ پر اتر آئے تھے، تو دیوی دیوتاؤں اور بھوانی تک کی پرستش کر ڈالتے تھے، حد تو یہ ہے کہ گوبر تک کی پوجا کرتے تھے، ان کے مراکز عقیدت اور عبادت گاہوں کے نام بھی ہندوانہ تھے، مثلاً پانچ پیرا، بھیا، چاہنڈ، کھیڑا دیو، مہادیوی، وہ ان پر قربانیاں چڑھاتے تھے، شب برات بھی مناتے تھے، سید سالار مسعود غازی کا جھنڈا بھی اٹھاتے تھے اور پوجتے تھے، مرد دھوتیاں پہنتے اور عورتیں گھنگھریا باندھتی تھیں، ان کی بود وباش، طور طریق موجودہ دور میں خانہ بدوش نٹوں جیسا تھا، عورت مرد کسی کو بھی دیکھ کر کوئی شخص ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتا تھا، یہی

حال میو یا میواتیوں کا تھا، ایسی ہی بنجر زمین میں تبلیغ کا پودا لگایا گیا، جس کی نشو ونما کا ظاہری اسباب کے تحت کوئی موقع نہیں تھا، لیکن خدا جب اپنے مخصوص بندے سے کام لینا چاہتا ہے تو اسکے ہاتھ میں لوہے کو بھی موم بنا دیتا ہے، پتھر کو بھی پگھلا دیتا ہے، سنگلاخ زمین کو سرسبز و شاداب، رنگین وخوشنما پھولوں کا چمنستان بنا دیتا ہے، چنانچہ انھیں بندوں میں آپ کا بھی شمار ہے کہ آپ کے ذریعہ میو قوم کی اصلاح ہوئی اور آج اسی قوم سے تمام دنیا میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری ہے۔

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی، جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

وفات:۔ مختصر علالت کے بعد ۲۱ر رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء کو دہلی میں داعئ اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہیں، آپ کی غالباً کوئی تصنیف نہیں ہے، البتہ اقوال و ملفوظات محفوظ ہیں۔

رئیس المصنفین

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے ایک ممتاز عالم دین، باکمال مصنف و ادیب تحریک ندوۃ العلماء کے گل سرسبد، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور بقول علامہ اقبالؒ آپ امیر العلماء اور رئیس المصنفین تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو پٹنہ (بہار) کے مردم خیز قصبہ دیسنہ بہار شریف میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، اس کے بعد چند ماہ بہار شریف کے مشہور و مذہبی حلقہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ میں رہ کر علمی منازل کو طے کیا، ایک برس کے بعد دربھنگہ (بہار) کے ایک نئے مدرسہ مدرسہ امدادیہ میں داخل ہوئے وہاں چند ماہ اکتساب فیض کر کے شوال ۱۳۱۹ھ مطابق فروری ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے خصوصی استفادہ کیا اور اپنی سات سالہ مدت پورے علمی انہماک کے ساتھ گذار کر ۱۹۰۷ء میں فارغ ہوئے۔

درس و صحافت:۔ فراغت کے بعد آپ نے علمی کاموں کا آغاز اپنے وقت کے مشہور و معروف علمی رسالہ "الندوہ" سے کیا، آپ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۲ء تک اس کے نائب مدیر رہے جس میں آپ کے بلند پایہ علمی و تحقیقی مضامین شائع ہوتے، بعد میں مولانا شبلی نعمانی کے ایماء اور مولانا ابوالکلام آزاد کی فرمائش پر آپ نے الہلال (کلکتہ) کی ادارتی ذمہ داری قبول کی اور اپنے علمی و تاریخی مقالات کے ذریعہ اسکے وزن و وقار اور شہرت میں اضافہ کیا، ۱۹۱۳ء کے اواخر میں "دکن کالج پونہ" کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوتے، جہاں ارض القرآن اور سیرت عائشہ رض کی تحریر کا آغاز ہوا، ۱۹۲۳ء میں آپ کو ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم منتخب کیا گیا وہاں آپ نے تیس سال تک تعلیمی و تعمیری مقاصد کی تکمیل و تحصیل میں سرگرم حصہ لیا، اس کے نصاب و نظام تعلیم کی تجدید کی اور عصری تقاضوں کے پیش نظر مفید اضافے کئے، اس کا نیا دستور العمل اور آئین بنایا اور اس کے مختلف شعبوں کی ترقی و استحکام میں سرگرم حصہ لیا، ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک بھوپال میں آپ تعلیمی اور قانونی اداروں کے سربراہ رہے جس سے اس ریاست کو بڑا سنبھالا ملا۔

پھر بعض حالات کی بنا پر ۱۹۵۰ء میں آپ نے پاکستان ہجرت کی اور اپنی علمی و تعلیمی، قانونی و سیاسی صلاحیتوں کو اس نو تعمیر مسلم ریاست کی صحیح خطوط پر تشکیل کیلئے وقف کر دیا۔

بیعت وخلافت:۔ ۱۹۳۹ء میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو خلافت سے سرفراز فرمائے گئے

آپ کا تعلیمی، تحقیقی، سیاسی اور علمی کارنامہ۔

آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ اور محکمۂ تعلیمات (یوپی) کے نصاب و نظام تعلیم کی تیاری اور اصلاح میں زبردست حصہ لیا جو آپ کا اہم تعلیمی کارنامہ ہے، آپ نے علامہ شبلی کے ایماء پر ایک ادارہ دارالمصنفین کے نام سے ۱۵ ر نومبر ۱۹۱۴ء کو اعظم گڈھ میں قائم فرمایا، جس کا مقصد عمدہ مصنفوں کی ایک جماعت تیار کرنا تھا جس میں آپ کامیاب ثابت ہوئے، یہیں سے آپ نے مشہور ماہنامہ "معارف" کا اجراء کیا، جس کے ذریعہ آپ کے علمی تحقیقی و تبلیغی مضامین شائع ہوتے رہے، آپ کے علمی اور تحقیقی کارناموں میں عرب و ہند کے تعلقات، عربوں کی جہاز رانی، خطبات مدراس، سیرت عائشہ ارض القرآن، نقوش سلیمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری پانچ جلدیں، خیام بہت ہی مشہور و معروف ہیں۔

آپ نے ملک کی سیاست میں حصہ لے کر ملک کی بھی خدمت کی، چنانچہ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کی بنیاد پڑی تو آپ نے اس کی پرزور حمایت کی۔ اسی طرح ۱۹۲۳ء میں صوبۂ بہار اور ۱۹۲۶ء میں دہلی میں خلافت کانفرنس ہوئی تو آپ نے اس کی صدارت فرمائی۔ آپ کا شمار جمعیۃ علماء ہند کے

بانی ممبران میں سے ہوتا ہے، آپ کی ادبی خدمات پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ڈاکٹری کی اعزازی ڈگری بھی عطا کی۔

آپ کا مقام:۔ علامہ اقبالؒ آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں "آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں، مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں ان کا وجود علم وفضل کا دریا ہے جس سے سینکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں"۔

وفات:۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی پاکستان میں داعئ اجل کو لبیک کہا، احاطہ قبور اسلامیہ کالج کراچی میں مدفون ہیں۔

مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم دین مصلح امت اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ تھانوی کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔

ولادت:۔ ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں بمقام فتحپور تال نرجا تحصیل گھوسی ضلع اعظم گڈھ یوپی میں ہوئی، آپ کے والد محترم کا نام حافظ محمد یعقوب خاں تھا جو فتح پور کے با اثر اور معزز حضرات میں سے تھے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے وطن ہی میں رہ کر حافظ ولی محمدؒ سے قرآن مجید حفظ کیا، اس کے بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے اور وہاں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۳۳۵ھ میں سند فراغ حاصل کیا، آپ نے

بخاری شریف حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھی۔

بیعت وخلافت:۔ فراغت کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلوک کے منازل طے کئے اور بہت جلد اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

درس وتدریس:۔ آپ نے اوّلاً اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خانقاہ امدادیہ والے مدرسے میں عرصہ تک پڑھایا پھر کانپور تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں کچھ عرصہ درس دیا، پھر اپنے وطن فتحپور ہی میں مستقل قیام فرمایا اور وہیں تعلیم وتربیت اور اصلاح خلق میں مشغول ہو گئے، ۱۳۷۰ھ میں پھر گورکھپور کا رخ فرمایا اور پھر وہاں سے الہ آباد تشریف لے گئے۔ اور وہیں خانقاہ تعمیر کرا کر آخر عمر تک عوام وخواص کو مستفید ومستفیض فرماتے رہے۔

آپ کا اصلاحی اور علمی کارنامہ:۔ آپ نے اصلاح خلق کی طرف بہت زیادہ توجہ کی، چنانچہ آپ کی صحبت وتعلیم نے ہزاروں بہکے ہوؤں کو صحیح راستے پر لگا دیا، اسی طرح آپ نے علمی کارنامہ انجام دیا، آپ کے علمی کارناموں میں تحذیر العلماء، توقیر العلماء، طریقۂ اصلاح تلاوت قرآن تعلیم وتربیت اولا، التذکیر بالقرآن، وصیۃ الاحسان، وصیۃ الاخلاق، وصیۃ الاخلاص وغیرہ معروف ومشہور ہیں، آپ کے اصلاحی کارناموں کی بنا پر آپ کو مصلح الامت کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۲۲ر شعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں حجاز جاتے ہوئے جہاز میں ہوئی، آپ کو سمندر ہی میں سپرد آب کیا گیا۔ آپ بمبئی سے رخصت ہونے سے پہلے بار بار یہ شعر پڑھتے تھے

آنے والی کس سے ٹالی جائیگی، جان ٹھہری جانے والی جائیگی
پھول تربت پر مری ڈالو گے کیا، خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائیگی

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے مشہور و معروف محدث اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حقیقی بھانجے اور ہم زلف تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو محلہ دیوان دیوبند میں ہوئی، آپ کے والد محترم کا نام شیخ لطیف احمد عثمانی تھا اور دادا کا نام نہال احمد تھا۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، پھر بعد میں مولانا اشرف علی تھانوی رح نے آپ کو تھانہ بھون بلالیا، یہاں فارسی کی تکمیل کی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں، خود مولانا تھانوی رح سے مثنوی مولانا روم اور عربی کے چند اسباق پڑھے، حضرت تھانوی نے پھر تھانہ بھون سے مدرسہ جامع العلوم کانپور بھیجدیا، پھر مظاہر علوم سہارنپور جاکر تعلیم مکمل کی۔

درس وتدریس:۔ آپ ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور سات سال تک یہیں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اسکے علاوہ تھانہ بھون میں درس وافتاء کی خدمت پر بھی مامور رہے ۱۳۴۹ھ میں رنگون تشریف لے گئے، جہاں درس وتدریس کے علاوہ وعظ وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا، ۱۳۹۸ھ میں ڈھاکہ (بنگلہ دیش) یونیورسٹی

کے استاذ دینیات مقرر ہوئے اور یہاں ایک مدرسہ اشرف العلوم قائم کیا اسکے بعد ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم ٹنڈوالہ یار سندھ پاکستان میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے اور آخر عمر تک اسی سے تعلق قائم رہا۔

راہ سلوک:۔ آپ کا اصلاحی و روحانی تعلق حضرت تھانوی رح سے تھا آپ ہی نے حضرت تھانوی رح کی نماز جنازہ پڑھائی۔

آپکا علمی کارنامہ:۔ آپ کا سب سے اہم علمی کارنامہ اعلاء السنن کی ترتیب وتالیف ہے جس میں وہ تمام احادیث جن سے فقہ حنفی ماخوذ ہیں جمع کردی ہیں یہ کتاب بیس جلدوں پر محیط ہے اس کے علاوہ بھی بہت سی تصانیف ہیں۔

وفات:۔ آپ کی وفات بچاسی سال کی عمر میں پاکستان میں ۸ر دسمبر ۱۹۷۴ء مطابق ۱۳۹۴ھ کو ہوئی اور وہیں مدفون ہیں۔

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح

آپ اپنے زمانہ کے مفسر قرآن، فقیہ الامت اور جماعت دیوبند کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء کو دیوبند میں ہوئی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح نے آپ کا نام محمد شفیع رکھا، آپ کے والد محترم کا نام حضرت مولانا محمد یسین مرحوم تھا۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے شروع سے لے کر دارالعلوم دیوبند ہی میں تعلیم حاصل کی ۱۳۳۶ھ میں

آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی۔

درس و تدریس:۔ فراغت کے بعد ۱۳۳۷ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم ہی میں ہو گیا، آپ نے فقہ اور ادب کی مختلف کتابیں پڑھائیں، ۱۳۵۰ھ میں منصب افتاء پر فائز کئے گئے، ۱۳۶۸ھ میں پاکستان تشریف لے گئے وہاں آپ نے ۱۹۵۱ء میں کراچی میں دارالعلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی اور عرصہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔

بیعت و خلافت:۔ آپ ابتداءً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد حضرت تھانویؒ سے رجوع فرمایا، اور حضرت تھانویؒ ہی سے اجازت و خلافت حاصل ہوئی۔

آپ کا علمی کارنامہ:۔ آپ نے دو سو کے قریب کتابیں تصنیف کیں صرف فقہ میں آپ کی تصانیف کی تعداد ۹۵ ہے، آپ نے فقہ میں عصر حاضر کے مسائل کو موضوع بحث بنایا اور اسی پر بہت سی کتابیں لکھیں، آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر "معارف القرآن" کے نام سے لکھی جو آپ کا زبردست علمی کارنامہ ہے، یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، آپ نے ۱۹۵۱ء میں پاکستان (کراچی) میں دارالعلوم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو الگ آپ کا علمی کارنامہ ہے

وفات:۔ ۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کی شب پاکستان میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

ناظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے زبردست محقق، عالم، شاعر، مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اور کامیاب مدرس و مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ کامل اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے خلیفہ تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۶ء کو رامپور میں ہوئی مرغوب اللہ اور چراغ علی تاریخی نام رکھے گئے، آپ کے والد محترم کا نام مولوی رشید اللہ صاحب تھا۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ سے قرآن مجید پڑھا، رامپور کا ماحول علمی تھا اور رامپور کے حلقوں میں آپ کا خاندان ممتاز اور نمایاں تھا، چنانچہ فارسی زبان بہت بچپن میں خود بخود ہی آگئی کچھ دنوں رامپور کے کسی سرکاری انگریزی اسکول میں تعلیم پائی، عربی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر متوسطات تک حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی رح سے تھانہ بھون میں پڑھیں، شوال ۱۳۳۲ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوئے، آپ کے اساتذہ کرام حدیث میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رح، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رح اور حضرت مولانا ثابت علی رح جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کو انجمن ہدایت الرشید" کا ناظم مقرر کیا گیا، بعد میں چند اسباق بھی سپرد کئے گئے، ۱۳۳۷ھ میں آپ کو بہ حیثیت معین مدرس مقرر کیا گیا، اور ۱۳۳۸ھ میں باقاعدہ آپ کا تقرر بہ حیثیت مدرس ہوا اور آپ نے درس نظامی کے ہر شعبہ کی ہر کتاب پڑھائی، ۱۳۷۴ھ میں نظامت کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے اور ۱۳۹۹ھ تک فائز رہے۔

اجازت وخلافت:۔ آپ نے سلوک کی منزلیں حضرت تھانویؒ کے پاس رہ کر طے کیں اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آپ کا اصلاحی وعلمی کارنامہ:۔ آپ نے لوگوں کو اصلاح ظاہری اور باطنی کے علاوہ درجنوں کتابیں لکھیں جو آپ کا اہم علمی کارنامہ ہے، تقریر طحاوی، شرح نحو میر، تکمیل الامانی شرح حفظ الایمان وغیرہ مشہور ومعروف ہیں۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۰/۱۱ جون کی شب ۱۹۷۸ء مطابق ۱۳۹۹ھ کو ہوئی سہارنپور میں مدفون ہیں۔

فقیہ الاسلام

مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، فقیہ الامت ابو حنیفہ زماں، سیاست داں اور ہندوستان کے بالاتفاق مفتی اعظم تھے۔

ولادت:- آپ کی ولادت ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں شاہجہانپور کے محلہ سن زئی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عنایت اللہ، اور دادا کا نام فیض اللہ تھا۔

تعلیم و تربیت:- آپ نے ابتدائی کتابیں اپنے وطن ہی میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، کچھ کتابیں مدرسہ اعزازیہ شاہ جہاں پور میں پڑھیں، اسکے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہو گئے وہاں مولانا عبدالعلی میرٹھی رح (تلمیذ مولانا قاسم نانوتوی) اور دوسرے اساتذہ سے پڑھا ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۵ھ میں سند فراغ حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت

شیخ الہند رحؒ وحضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

درس وتدریس:۔ فراغت کے بعد شاہجہانپور میں مدرسہ عین العلوم میں درس وتدریس کا کام کیا، پھر شوال ۱۳۲۱ھ کے اواخر میں حضرت مولانا امین الدین بانی مدرسہ امینیہ دہلی کی طلب وفرمائش پر دہلی تشریف لائے اور مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس ومفتی کے عہدے پر مامور ہوئے پھر پوری زندگی آپ نے اس مدرسہ کو بنانے اور سنوارنے میں صرف کردی اور عمر کے آخری لمحوں تک اسی مدرسہ سے وابستہ رہے۔

آپ کا علمی وسیاسی کارنامہ:۔ آپ کے علمی کارناموں میں بہت سی تصنیفات مشہور ومعروف ہیں، جیسے تعلیم الاسلام آپ کی مشہور تصنیف ہے جو اسلامی مدارس کے بچوں کے لئے نہایت سلیس اردو زبان میں بطور سوال وجواب چار حصوں میں لکھی گئی ہے، مدارس میں بچوں کیلئے داخل نصاب ہے۔ اسی طرح کفایۃ المفتی ہے جس کو آپ کے فرزند مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مرتب کیا ہے، اسی طرح رد قادیانیت کیلئے ۱۳۲۱ھ میں ماہنامہ البرہان جاری کیا، آپ کا سیاسی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں، ۱۹۱۹ء میں مختلف الخیال مکاتب فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے جمعیۃ العلماء ہند کی بناء ڈالی، یہ آپ کا زندہ وجاوید کارنامہ ہے۔

وفات:۔ ۱۲ر ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو انتقال فرمایا، اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحؒ کے روضہ کے جنوبی دروازے کے چبوترے پر آپ کو دفن کیا گیا۔

☆ ☆ ☆

ماہر علوم و فنون حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے مشہور و معروف محدث، منطق و فلسفہ کے ماہر، استاذ الاساتذہ، دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین، اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کے تلمیذ و مرید تھے۔

ولادت: ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں مشرقی یوپی کے مشہور شہر "بلیا" میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام غلام کبریا ہے، آپ کا خاندان پنجاب (جھنگ) سے جونپور اور پھر کچھ مدت کے بعد بلیا میں آباد ہو گیا۔

تعلیم و تربیت: فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی ؒ سے حاصل کی، معقولات کی کتابیں حضرت مولانا فاروق احمد چریاکوٹیؒ اور مولانا ہدایت اللہ خانؒ (تلمیذ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ) سے پڑھیں، اور دینیات کی تعلیم حضرت مولانا عبدالغفار صاحب اعظمیؒ (تلمیذ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) سے حاصل کی، ۱۳۲۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر ہدایہ، جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں اور ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔

درس و تدریس: فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ فتحپوری میں مدرس دوم کی جگہ تقرر ہوا، پھر عمری ضلع مراد آباد کے مدرسہ میں کچھ عرصہ تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے، ۱۳۳۱ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند بلایا گیا ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۴ھ تک دارالعلوم مئو اعظم گڑھ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار) میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے، ۱۳۴۴ھ آپ کو پھر دارالعلوم

دیوبند بلالیا گیا، ۱۳۶۲ھ میں پھر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کرلی، اولاً جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی، وہاں کے بعد کچھ عرصہ تک مدرسہ عالیہ فتح پوری میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں، بعد ازاں بنگال میں ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام کے مدرسہ میں صدرالمدرسین رہے، پھر ۱۳۶۶ھ میں دارالعلوم دیوبند بلائے گئے اور ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی وفات کے بعد مسند صدارت پر فائز کیے گئے۔

بیعت وخلافت:۔ آپ نے سلوک کے منازل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی خدمت میں رہ کر طے کیے، اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خلافت سے سرفراز فرمائے گئے

آپ کا علمی کارنامہ:۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے شرح ترمذی شریف نہایت اہم ہے اسکے علاوہ رسالہ مصافحہ اور رسالہ تراویح اور ایک رسالہ انوارالحکمۃ فارسی میں تحریر کیا، آخرالذکر رسالہ منطق وفلسفہ کے مضامین پر مشتمل ہے، ان دونوں فنون میں آپ اپنے وقت کے یکتائے روزگار تھے، ان کے علاوہ سلم العلوم کی عربی شرح ضیاءالنجوم ہے جو بیحد مقبول اور مستند ہے، آپ کے درس وتدریس کی مدت ساٹھ سال ہوتی ہے، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جو آپ کا ایک الگ کارنامہ ہے۔

وفات:۔ ۲۴ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء کی دوپہر کو چوراسی سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، مزارقاسمی دیوبند میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نہایت ہی ذہین و فطین، حضرت شیخ الہند کے شاگرد رشید نظارۃ المعارف، ادارہ بیت الحکمۃ کے بانی اور جمعیۃ الانصار دیوبند کے متحرک اور سرگرم رکن اور تحریک آزادی کے علمبردار تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء میں مغربی پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں ہوئی، آپ کے والد پہلے ہندو تھے بعد میں سکھ ہو گئے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ کی ابتدائی تعلیم جام پور مڈل سکول میں ہوئی دوران طالب علمی اسلامیات کا مطالعہ کیا اور صداقت اسلام سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، اسلام قبول کرنے کے بعد جام پور سے سندھ چلے گئے وہاں حافظ محمد صدیق (جو ایک بہت بڑے صاحب نسب بزرگ تھے) کی خدمت میں کچھ مدت قیام کیا، ۱۳۰۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۱۳۰۷ھ میں دورۂ حدیث شریف میں شریک ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد سندھ چلے گئے۔ ۱۳۱۵ھ میں دوبارہ دیوبند تشریف لا کر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ سے کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔

آپ کے کارنامے:۔ آپ نے تحریک آزادی کیلئے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند سے مل کر بڑی بڑی اسکیمیں تیار کیں، تحریک آزادی کی کامیابی کیلئے افغانستان، ترکی، روس، عرب اور ایران وغیرہ کا سفر کیا، ریشمی رومال کی تحریک میں آپ نے قائدانہ رول ادا کیا، آپ نے جنگ آزادی کے لئے ہزاروں مصیبتیں جھیلیں، طرح طرح کے مصائب برداشت

کئے، ۱۳۲۷ھ میں جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک ادارہ دیوبند میں قائم کیا، جس کا مقصد دارالعلوم کے اثرات کی اشاعت و ترویج تھا۔ ۱۳۳۱ھ میں مدارس عربیہ کے فضلاء اور گریجویٹ طلبہ کو قرآن مجید کے حقائق و معارف سے روشناس کرانے کے لئے مسجد فتحپوری دہلی کے ایک کمرے میں "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔

اسی طرح جامعہ ملیہ دہلی میں بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد حکمت ولی اللہی کی روشنی میں کتاب و سنت کی تشریح، اور عہد حاضر کے مسائل کا حل نکالنا تھا۔

آپ کے علمی کارناموں میں "میری ڈائری" اور "شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک" مشہور و معروف ہے۔

وفات:۔ ۲۱ راگست ۱۹۴۴ء مطابق ۱۳۶۳ھ کو قصبہ دین پور (ریاست بہاولپور پاکستان کا ایک قصبہ ہے) میں، جہاں آپ آخری عمر میں مقیم تھے، انتقال فرمایا۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے مشہور و معروف شیخ طریقت، عارف باللہ، اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رح کے ممتاز خلفاء میں تھے۔

ولادت:۔ آپ کا سن ولادت کیا ہے اس سلسلے میں تعین کیساتھ آپ کے کسی بھائی یا عزیز کو یاد نہیں ہے، البتہ تخمیناً ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء کے کچھ بعد آپ کی ولادت "ڈھڈیاں" پنجاب (پاکستان) میں ہوئی، آپ کا

نام شیخ عبدالقادر تجویز فرمایا، اور اسی آخری نام سے مشہور ہوئے، آپ کے والد ماجد کا نام احمد تھا۔

تعلیم و تربیت:۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے چچا حافظ محمد یاسین اور مولانا کلیم اللہ رحؒ سے پائی، مولانا کلیم اللہ سے قرآن مجید حفظ کیا، مراح الارواح قال اقول تک مولانا خلیل سے پڑھا، وطن میں رہ کر آپ کو تعلیم جاری رکھنا دشوار نظر آیا تو آپ نے دہلی، پانی پت، سہارنپور، رامپور، بریلی وغیرہ کا سفر کیا، اور ان جگہوں پر مختلف کتابیں پڑھیں، آخر میں مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ تلمیذ رشید مولانا قاسم نانوتویؒ سے کتب احادیث پڑھیں۔

درس و تدریس:۔ فراغت کے بعد گیارہ مہینے بریلی میں رہ کر درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے، اسی دوران والد ماجد کے انتقال کی خبر ملی تو ملازمت چھوڑ کر گھر تشریف لے گئے۔

راہِ سلوک:۔ آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کئے اور اجازت و خلافت سے مشرف فرمائے گئے، آپ کی ذات سے عوام و خواص کو بڑا فیض پہونچا، بڑے بڑے علماء نے آپ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔

آپ کا کارنامہ:۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ العالی "سوانح عبدالقادرؒ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت ہندوستان اور پاکستان تقسیم ہوا اس وقت سارے کے سارے مسلمان ہندوستان چھوڑ کر پاکستان جا رہے تھے ایسے وقت میں اکھڑے ہوئے قدموں کو آپ نے جمایا، یہ آپ کا بہت ہی بڑا کارنامہ ہے۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۶ راگست ۱۹۶۲ء مطابق ۱۳۸۲ھ کو اپنے وطن "ڈھڈیاں" میں ہوئی، اور وہیں مدفون ہیں

شیخ العرب والعجم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے زمانہ کے مشہور و معروف محدث و مصنف، شیخ طریقت اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث تھے،

ولادت:- آپ کی ولادت ۱۱ر رمضان المبارک شب پنجشنبہ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء کو آپ کے آبائی مکان قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مولانا یحییٰ تھا، آپ کے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے خاص شاگردوں میں تھے، نہایت ذکی اور فطین تھے

تعلیم و تربیت:- ڈھائی سال تک آپ کا قیام کاندھلہ ہی میں رہا، اور ۱۳۱۸ھ میں اپنے والد صاحب کے پاس گنگوہ تشریف لے گئے جہاں آپ کے والد صاحب مقیم تھے، وہیں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا چنانچہ مظفر نگر کے ایک بزرگ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب سے آپ نے قاعدہ بغدادی پڑھا اس کے بعد حفظ اور اردو اور فارسی کی کچھ کتابیں والد محترم سے پڑھیں فارسی کی اکثر کتابیں اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح (بانی تبلیغ) سے پڑھیں اور صرف و نحو کی کتابیں بھی والد صاحب ہی سے پڑھی ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور عربی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث کی کتابیں انھیں سے پڑھیں، والد ماجد کی وفات کے بعد بخاری و ترمذی شریف اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے پڑھیں۔

درس وتدریس:۔ یکم محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں آپ کا تقرر مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا، جب کہ آپ کی عمر بیس سال کی تھی، اولاً عربی کی ابتدائی کتابیں زیر تدریس رہیں، پھر بتدریج ترقی یاب ہوئے، ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف جلد اول ملی اور ۱۳۴۴ھ میں بخاری شریف کی دونوں جلدیں اور ابوداؤد شریف آپ کے ذمہ ہوئی، ۱۳۴۱ھ سے لے کر ۱۳۸۷ھ تک آپ نے حدیث کا درس دیا، اس دوران ہزاروں تشنگانِ علوم نبوت آپ سے سیراب ہوئے

راہ سلوک:۔ آپ نے منازلِ سلوک حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خدمت میں رہ کر طے کیں اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آپ کا علمی کارنامہ:۔ آپ نے زبردست علمی کارنامے انجام دیئے، آپ کے علمی کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک تو خالص علمی وتحقیقی، اور دوسرا خالص دعوتی واصلاحی، پہلے طرز کا نمونہ اوجز المسالک اور لامع الدراری ہے جو خالص علمی اور تحقیقی انداز میں آپ نے تصنیف فرمایا ہے، اور دوسرے طرز کا نمونہ حکایات صحابہ، فضائل نماز فضائل رمضان وغیرہ ہے جو خالص دعوتی اور اصلاحی طریقے پر حضرت مولانا محمد الیاس رح بانی تبلیغ کے حکم پر لکھا ہے، پہلے طرز کی کتابیں اہل علم میں مقبول ہیں، اور دوسرے طرز کی کتابیں عوام میں مقبول ہیں، بہر حال دونوں طرز کی کتابوں سے عوام وخواص مستفید ہو رہے ہیں، جو آپ کا زندۂ جاوید کارنامہ ہے، آپ کی تصانیف کی تعداد مطبوعہ وغیر مطبوعہ تقریباً ۸۳ ہے،

وفات:۔ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو پیر کے

دن شام کے پانچ بجکر چالیس منٹ پر مدینہ منورہ میں آپ کا وصال ہوا، آپ کی نماز جنازہ حرم شریف کے امام شیخ عبداللہ زاحم نے پڑھائی، اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا، آپ وہیں آسودۂ خواب ہیں، ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیار رسول ہی میں پیوند خاک ہونے کا شرف حاصل ہوا، قربان جائیے آپ کے نصیب پر، اور رشک کیجئے آپ کی قسمت پر،

محدث جلیل حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ہندوستان کے جلیل القدر عالم دین، نامور محدث، خوش بیان مناظر، مبلغ اسلام اور شیخ طریقت تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت بدایوں (یوپی) میں ۱۳۱۶ھ میں مطابق ۱۸۹۸ء میں ہوئی، جہاں آپ کے والد ماجد ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے، آپ کے والد ماجد کا نام حاجی تہور علی صاحب تھا۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم الہ آباد کے انگریزی اسکول میں پائی، دوران تعلیم آپ نے مولانا اشرف علی تھانوی رح کا ایک وعظ سنکر دینی علوم حاصل کرنے کا قصد فرمایا، چنانچہ والد صاحب نے ۱۳۳۰ھ میں آپ کو مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی خدمت میں بھیجدیا، جہاں آپ نے مسلسل آٹھ سال رہ کر مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۳۶ھ میں فراغت حاصل کی، اور وہیں معین المدرس کے عہدہ پر فائز ہو گئے، مگر دو سال کے بعد مزید طلب علم کے لئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور وہاں حضرت علامہ انور شاہ

کشمیری سے دوبارہ حدیث پڑھی اور سند حدیث حاصل کی۔

درس وتدریس:۔ ۱۳۳۹ھ میں دار العلوم سے آپ کی فراغت ہوئی، اور ۱۳۴۰ھ میں آپ کو دار العلوم میں بحیثیت استاذ رکھا گیا، ۱۳۴۶ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں سترہ سال تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں اور آخر میں مدینہ منورہ کو اپنی اماجگاہ بنایا۔

بیعت وخلافت:۔ آپ نے اولاً حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری سے شرف بیعت حاصل کیا، پھر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن سے وابستہ ہوئے اور آخر میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے جانشین حضرت قاری محمد اسحاق صاحبؒ میرٹھی سے وابستہ ہوئے اور انھیں سے خلافت حاصل کی

آپ کا علمی کارنامہ:۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے استاد کے علوم ومعارف کو فیض الباری علی صحیح البخاری کے نام سے چار جلدوں میں مرتب کیا، اسی طرح ترجمان السنہ کے نام سے ایک کتاب حدیث کی اردو میں مرتب فرمائی یہ دونوں عظیم الشان کارنامے آپ کی انمٹ یادگار ہیں۔

وفات:۔ مدینہ منورہ میں ہی طویل علالت کے بعد ۵/ رجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہیں۔

عارف باللہ حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ

مہتمم دار العلوم دیوبند۔

آپ ہندوستان کے مشہور و معروف عالم ربانی، عارف باللہ، شیخ العرب والعجم، خطیب بے بدل، مرشد بے مثال، مصلح باکمال، حکمت قاسمی کے امین، زہد اور جہد شیخ الہند کے علمبردار، معارف اشرفی کے وارث، جمال اشرفی کے مظہر، تدبر حبیبی کے تذکار، تفکر ابراہیمی کے ترجمان، علوم انوری کے مثال بے مثال، خطابت عثمانی کے بدل بے بدل، بانی دار العلوم، سالار کارداں، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کے حفید، مہتمم ثالث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے فرزند ارجمند، مجدد ملت حضرت حکیم الامت رحؒ کے ممتاز خلیفہ تھے۔

ولادت:۔ آپ کی ولادت باسعادت محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بروز اتوار دیوبند میں ہوئی آپ کا نام نامی محمد طیب تجویز کیا گیا اور تاریخی نام مظفر الدین رکھا گیا اول نام سے آپ کی شہرت ہوئی۔

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے تھے کہ میری

پیدائش کے ساتھ ایک بزرگ کی کرامت وابستہ ہے، فرماتے تھے کہ حضرت حافظ احمد صاحبؒ کے پہلے تین اولاد ہوئی، اور ان تینوں کا بچپن میں انتقال ہوگیا، اسکے بعد ایک مدت تک حضرت حافظ صاحب کے یہاں کوئی اولاد نہ ہوئی، حضرت شیخ الہندؒ کو اس کی زیادہ فکر تھی، ان کی خواہش تھی کہ خاندان قاسمی کا سلسلہ آگے بڑھے، حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبدالاحد صاحب کے والد مولانا عبدالسمیع صاحبؒ کو فتحپور کے ایک صاحب کرامت بزرگ کی خدمت میں بھیجا جو اولاد کے سلسلہ میں مستجاب الدعوات تھے کہ ان سے حضرت حافظ صاحب کی اولاد کیلئے دعا کروائیں، ان بزرگ نے حضرت شیخ الہند کا پیغام سن کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا، اور پھر سر اٹھا کر ان الفاظ میں بچہ کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی۔ لڑکا ہوگا، حافظ ہوگا، قاری ہوگا، مقتدیٰ ہوگا، عالم ہوگا، حاجی ہوگا، قاری صاحب فرماتے تھے کہ ان بزرگ کے یہ کلمات کسی حد تک تو صادق آہی گئے۔

تعلیم و تربیت

حضرت قاری صاحبؒ جب اس عمر کو پہونچے جس عمر میں عموماً بچوں کو بسم اللہ کرائی جاتی ہے، تو اکابر کے مجمع میں آپ کی بسم اللہ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ والد ماجد حضرت شیخ الہند کے ہاتھ پر ہوئی، جو اس وقت دیوبند ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں علم وفضل دین وتقویٰ کے اعتبار سے ممتاز تھے، بسم اللہ کی اس مجلس میں حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ کے علاوہ حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حافظ احمد صاحب

اور مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ جیسے پائے کے بزرگ اور عالم تھے، بسم اللہ کے بعد اکابر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، بزرگوں کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی اللہ نے لاج رکھی، اور حضرت قاری صاحبؒ علم و فضل اور کمال شہرت کے اس مقام پر پہونچے کہ ہندوستان کی بہت کم علمی دینی شخصیتوں کو یہ مقام نصیب ہوا۔

حضرت قاری صاحب کو حفظ قرآن کیلئے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے مشورہ سے قاری عبدالوحید صاحبؒ الہ آبادی کو الہ آباد سے بلوایا گیا، جب وہ دیوبند آگئے تو حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت حافظ صاحب سے گذارش کی کہ ان کو دارالعلوم میں رکھ لیا جائے تاکہ قاری صاحب کے ساتھ دوسرے طلبہ بھی مستفید ہو سکیں، اس طرح دارالعلوم میں شعبۂ تجوید کا اجراء ہوا گویا یہ حضرت قاری صاحبؒ کی برکت کا پہلا ظہور رہا۔

حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ دارالعلوم میں شعبۂ تجوید قائم ہونے کا سبب میں ہی ہوں، اور میں ہی اس شعبہ کا پہلا شاگرد ہوں۔ ۱۳۲۶ھ میں جب آپ کی عمر ۱۱ رسال ہوئی، آپ نے حفظ قرآن تجوید کے ساتھ مکمل فرمالیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں جمال صورت و سیرت سے نوازا تھا وہیں آپ کی آواز بھی بلند تھی اور اس میں لحن داؤدی بھی تھا، جس مجلس میں آپ قرآن کی تلاوت فرماتے، ایک سماں بندھ جاتا، اکابر آپ سے قرآن سنتے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوتے تو حضرت جہری نماز کے لئے آپ ہی کو آگے بڑھاتے، یہ صرف حضرت قاری صاحبؒ کی خصوصیت تھی، ورنہ خانقاہ تھانہ بھون کی مسجد میں حضرت تھانویؒ کی موجودگی میں دوسرا امام نہ ہوتا۔

حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد آپ نے فارسی ریاضی وغیرہ کی تکمیل کی ۱۳۳۰ھ میں عربی میں داخل ہوئے اور آپ کی ابتدائی کتابیں بھی ان اساتذہ کے پاس ہوئیں جو علوم اسلامیہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، جیسے حضرت شیخ الہند رح، حکیم الامۃ حضرت تھانوی رح، علامہ انور شاہ کشمیری رح مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن، علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح وغیرہم انھیں حضرات اساتذہ سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی اور ۱۳۳۷ھ میں آپ فارغ ہوئے۔

خطابت:- آپ کے طالب علمی کے زمانہ میں طلباء میں ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے اصلاح اللسان کے نام سے ایک انجمن تھی جس میں اساتذہ وطلبہ سب شریک ہوتے، عربی فارسی اور اردو کے اشعار کہتے اور اس مجلس میں پیش کرتے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح اس مجلس کے صدر ہوتے، حضرت مولانا اعزاز علی رح کو اس مجلس سے خاص دلچسپی تھی، اس وجہ سے آپ اس میں ضرور شریک ہوتے، اساتذہ کے ساتھ طلباء بھی اپنا کلام سناتے جن کی اساتذہ اصلاح دیتے اس طرح ان طلبہ کے علمی وادبی ذوق کو جلا ملا کرتی تھی، حضرت قاری صاحب رح بھی اس اس مجلس میں شریک ہوتے اور اپنا اردو عربی و فارسی کا کلام سناتے اساتذہ داد دیتے اور پسند فرماتے،

تقریر و تحریر میں آپ کو جو ملکہ حاصل ہوا وہ اس زمانہ کی مشق و تمرین کا ثمرہ تھا، زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی تقریر نہایت شستہ پر اثر مربوط ہوا کرتی تھی، آپ تقریر کی مشق میں بڑی محنت کرتے، کتابوں کا مطالعہ کرتے، جس موضوع پر تقریر کرنی ہوتی ان کتابوں سے اس پر مواد حاصل کرتے

پھر ان کو تحریری طور پر نوٹ کرتے اور اس کو ترتیب دے کر پھر آپ اسکی مشق کرتے، اس ابتدائی محنت اور تمرین ومشق کا نتیجہ تھا کہ آپ کو خطابت وتقریر میں وہ کمال حاصل ہوا جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا۔

حضرت قاری صاحبؒ اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

تحریر وتقریر میں مجھے دلچسپی لڑکپن سے ہی تھی، اسے بڑھنے اور ترقی دینے نیز اس لائن پر سفر کرانے میں یہ اکابر پیش پیش رہتے تھے اسی طالب علمی کے دور میں حضرت الاستاذ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو مجھے اپنے ساتھ پنجاب کے ایک تبلیغی دورہ میں لے گئے، بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات میں میری تقریر کرائی یہ واقعہ اب سے ساٹھ سال پہلے کا ہے، لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملتان کے ایک جلسہ میں اس طرح شریک ہوا کہ بارش میں میرے کپڑے بھیگ چکے تھے اور میں نے ستر پوشی کیلئے ایک بڑا سا کمبل اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا، نہ سر پر ٹوپی تھی، نہ پیر میں جوتا، اسی ہیئت سے میں اس بڑے اجتماع کے سامنے آگیا، حضرت علامہ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا، کہ یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں مستقبل کے ایک بہت بڑے مقرر ہیں، ہر گز خیال نہ کیجئے کہ فقیروں کی طرح کمبل پوش ہیں تو ان کے پاس کچھ نہیں ہے بلکہ یہ سمجھئے کہ اس گدڑی میں لعل بھی مخفی ہے، یہ حضرت الاستاذ کی حوصلہ افزائی تھی، ورنہ کہاں ایک معمولی سا طالب علم اور کہاں لعل ویاقوت

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی پیش گوئی حضرت قاری صاحبؒ کے بارے میں من وعن پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو

پورے عالم اسلام کیلئے لعل دیا قوت بنادیا۔

ہندوستان میں بمبئی کا پورا علاقہ بدعت زدہ تھا، حضرت حکیم الاسلام دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں بمبئی تشریف لے گئے، ابتدائی طور پر وہاں کے لوگوں کے کیا احوال تھے اور بعد میں کیا تاثرات تھے، حضرت حکیم الاسلامؒ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

جب میں پہلی مرتبہ بمبئی گیا تو میرے خلاف بدعتیوں نے قدآدم پوسٹر لگائے اور عوام کو بتایا کہ نعوذ باللہ "کفار دیوبند" میں یہ شخص "اکفرالکفار" ہے، کیونکہ دیوبند کے تمام بڑے کفار سے اسے نسبت حاصل ہے، حضرت شیخ الہند کا مرید ہے، حضرت تھانویؒ کا مجاز ہے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کا مخصوص شاگرد ہے اس لئے اس میں کفر کی ساری نسبتیں جمع ہیں "سنی بھائیوں کو چاہئے کہ اس کی صورت بھی نہ دیکھیں ورنہ ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہے" عجیب اتفاق کہ یہ پوسٹر ہی اس جلسہ میں جس میں آپ کی تقریر ہونے والی تھی لوگوں کی غیر معمولی حاضری کا سبب بن گیا، لوگوں نے کہا کہ دیکھنا چاہئے کہ آخر اتنے بڑے کافر کی شکل و صورت کیسی ہوگی، اور وہ لوگوں کو کیا کیا کفریہ باتیں تلقین کرے گا۔

اس پوسٹر میں دوسرے علماء دیوبند کو بھی سب وشتم سے جی بھر کے نوازا گیا تھا، لیکن خلاف توقع اس دن وعظ میں اتنا بڑا اجتماع کہ بمبئی کی تاریخ میں اتنا بڑا مجمع، لوگ کہتے ہیں کہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا، پرانے قبرستان کے میدان میں جلسہ تھا، تاحد نظر پورا میدان انسانوں سے بھرا ہوا تھا، لوگوں کا محتاط اندازہ ہے کہ تیس چالیس ہزار انسانوں کا اجتماع تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا بمبئی ٹوٹ پڑا ہے۔

اس دن وعظ تقریباً تین گھنٹے ہوا، مجمع پر سکوت طاری تھا، آپ اپنے دستور کے مطابق مثبت انداز میں تقریر فرما رہے تھے، آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالہ سے اولیاء اللہ کے واقعات اور اپنے اسلاف و اکابر کی خدمات کا تذکرہ بڑے مؤثر انداز میں بیان فرما رہے تھے، اللہ کے فضل و کرم سے سامعین نے غیر معمولی اثر لیا اور پورے بمبئی میں مشہور ہو گیا کہ اگر علماء دیوبند ایسے ہوتے ہیں تو پھر ان سے بہتر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

اب نتیجہ یہ ہوا کہ ان محلوں سے تقریر کی دعوتیں آنا شروع ہو گئیں جو خاص مخالفین علماء دیوبند کے محلے کہلاتے تھے اور پھر انتیس دن تک مسلسل یومیہ آپ کی تقریریں بمبئی کے مختلف محلوں میں ہوتی رہیں جن میں عوام و خواص کی بہت بڑی بھیڑ ہوتی تھی۔

اسی کے پیش نظر حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رح صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے حضرت حکیم الاسلام رح کو فاتح بمبئی کا خطاب عطا فرمایا۔

مجالس حکیم الاسلام کے مرتب حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی (مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں۔

اس سے پہلے اہل بمبئی کو علماء دیوبند سے اس درجہ متنفر کر دیا گیا تھا کہ اگر کوئی دیوبندی عالم مبتدعین کی مسجد میں چلا جاتا تو مسجد کو دھلوا کر پاک کرائی جاتی تھی، لیکن اس اجتماع کے بعد نوعیت یہ ہوئی کہ جن لوگوں نے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رح کو پستول دکھا کر مرعوب کرنا چاہا تھا وہی لوگ حضرت حکیم الاسلام رح کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور ان لغویات سے توبہ کی اور اہل اللہ میں ہونے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔

خطیب اعظم برصغیر امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقسیم ہند سے قبل مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسہ میں خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی دعوت پر پورے اہتمام سے شرکت فرمایا کرتے تھے۔

اور قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی اس جلسے میں پابندی سے شرکت اور متفرد دینی موضوعات پر بے مثال تقریر اس جلسے کی قابل ذکر خصوصیت بن گئی تھی جس کے بارے میں حضرت امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری حضرت حکیم الاسلام صاحبؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں اس جلسے میں صرف انہی کی تقریر سننے کے لئے آتا ہوں اور فرماتے کہ "ان کی ایک تقریر سے میری سال بھر کی سینکڑوں تقریریں تیار ہو جاتی ہیں"۔

جامع الصفات ہستی

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام تر خوبیوں سے نوازا تھا اور مستجمع کمالات بنایا تھا، اسلاف صالحین کی تمام خصوصیات و کمالات آپ میں موجود تھیں۔

حضرت مولانا اشرف سعودی صاحب دامت برکاتہم مدیر ماہی سلسبیل بنگلور رقم طراز ہیں۔ حکیم الاسلامؒ! آپ علم و حکمت کا چمکتا ہوا چاند تھے، جس کی خنک اور ٹھنڈی چاندنی ہزاروں کیلئے وجہ سکون اور سامان قرار تھی کسی بھی محفل میں آپ قدم رنجہ فرماتے تو واقعی ایسا محسوس ہوتا کہ ماہتاب علم و حکمت طلوع ہو رہا ہے، چادر مہتاب پھیلتی جا رہی ہے اور دل و دماغ سکون و طمانیت کی ایسی لطیف کیفیات سے آسودہ ہوتے چلے جاتے ہیں جن کو بیان نہیں کیا جا سکتا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ حکیم الاسلام تھے، خطیب الاسلام تھے، فخر الاماثل تھے، زبدۃ الافاضل تھے، عظیم المرتبت تھے، رفیع المنزلت تھے، رئیس المتکلمین تھے سلطان الواعظین تھے،

میر کارواں تھے، پیر رہرواں تھے، سالار قافلہ تھے، سرخیل طائفہ تھے، یادگار سلف تھے، تاجدار خلف تھے، بزرگوں کی آبرو تھے، خردوں کی آرزو تھے۔ چشم و چراغ قاسمی تھے۔ گل سرسبز چمنستان قاسمی تھے، ملت اسلامیہ کی شان تھے، جماعت علماء کی آن تھے۔

اللہ رب العزت نے آپ کو اتنے اوصاف عالیہ سے نوازا تھا اور آپ کی ذات بابرکات میں اتنے کمالات ودیعت فرما دیئے تھے کہ ہر خطاب آپ پر جچتا تھا، اور ہر لقب آپ کی کلاہ افتخار میں نگینے کی طرح جڑ جاتا تھا

خلیفہ و مجاز جانشین حکیم الاسلام خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

قطب ارشاد حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذات جامع الصفات و جامع النسب اور جامع الکمالات ہستی تھی کہ ایک نظر دیکھنے والے اہل ایمان و اخلاص کا یہ وجدان حق بجانب ہوتا تھا کہ ہم نے تمام اکابر صالحین کو دیکھ لیا، شرکاء مجلس حکیم الاسلام کا یہ گمان برمحل ہوتا تھا کہ ہمیں تمام اسلاف صالحین کی مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو گئی۔

اویس وقت عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قطب ارشاد حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کہ:

"میرے عزیز مولانا طیب ہیں، اپنے بزرگوں کی تمام علمی خصوصیتیں اور روحانی نسبتیں حق تعالیٰ نے جمع فرما کر ان کی ذات کو سراپا فیض بنا دیا ہے" حضرت امیر شریعت خطیب ملت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (ندیم) نے بطور نذرانہ عقیدت حضرت حکیم الاسلام کی شان میں یہ دو شعر

کہے تھے ؎

بخت اگر رسا شود دست دہد سبوئے خوش ÷ از نگہ سمن برے لالہ رخ نکوئے خوش
باغ وبہار ما ندیم یعنی کہ جنت النعیم ÷ رنگ خوش است و خوئے خوش بوئے خوش و گلوئے خوش

درس وتدریس فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کا آغاز کیا اور درس نظامی کی مختلف کتابیں پڑھائیں، تدریسی زمانہ ۱۳۳۷ھ سے ۱۳۴۳ھ تک رہا، مشکوٰۃ شریف عرصہ تک پڑھائی اسکے علاوہ احادیث کی دوسری کتابیں بھی گاہے بگاہے آپ کے ذمہ رہیں، حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک آپ نے بخاری شریف کا درس دیا مگر ضعف وپیری کثرت مشاغل اور کثرت اسفار کی وجہ سے مستقل اس کا درس دینا آپ کے لئے دشوار تھا جس کی وجہ سے آپ نے بخاری کی تدریس سے سبکدوشی کرلی، حجۃ اللہ البالغہ سے آپ کو خصوصی شغف تھا اس کتاب کو آپ نے ہمیشہ پڑھایا اور اخیر میں بھی اس کا درس دیتے رہے۔

اہتمام دارالعلوم دیوبند:۔ دارالعلوم کا منصب اہتمام ہمیشہ بڑا باوقار رہا ہے، اس منصب پر جو حضرات رہے ہیں وہ اپنے وقت کی یادگار ونابغہ روزگار شخصیتوں میں سے تھے، دارالعلوم کے مہتممین کی فہرست میں حضرت حاجی عابد حسین صاحب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہم اللہ جیسے لوگ ہیں، ان میں کا ہر فرد علم وفضل اور تقویٰ وامانت میں آفتاب وماہتاب تھا، ان کی زندگی ہر اعتبار سے اسوہ اور نمونہ تھی۔

حضرت قاری صاحبؒ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد صاحبؒ دارالعلوم کے مہتم رہے اور نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ تھے، ۱۳۴۸ھ میں حضرت قاری صاحبؒ کو آپ کے والد ماجد صاحب کا قائم مقام کردیا گیا، حضرت حافظ احمد صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانیؒ مہتمم ہوگئے اور آپ نیابت اہتمام پر رہے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۴۸ھ میں آپ نے اہتمام کے منصب کو سنبھالا اور تاحیات اس عہدہ کو زینت بخشی۔

اس طرح دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی انسٹھ سال میں پانچ مہتممین نے اپنی مخلصانہ عظیم خدمات کے ذریعہ اس مدرسہ عربی کو ملک گیر دارالعلوم کے مقام رفیع تک پہونچایا، اور اس کی عمر کے مابعد ساٹھ سال میں تن تنہا حضرت حکیم الاسلامؒ نے بلاشرکت غیرے اس دارالعلوم کو، عالمی مرکزی اسلامی یونیورسٹی "کے بام عروج تک پہونچایا۔

آپ کے دور میں دارالعلوم میں ہر اعتبار سے ترقی ہوئی، عمارات کا طویل سلسلہ قائم ہوا، طبیہ کالج کا قیام عمل میں آیا، مدرسین کا اضافہ ہوا۔ اسٹاف کی تعداد تقریباً ڈھائی سو افراد پر مشتمل تھی، طلبہ میں کافی اضافہ ہوا اور دارالعلوم کا عالمی تعارف ہوا، غیر ممالک سے طلبہ کی آمد ہوئی اور دارالعلوم کے فضلاء پوری دنیا میں پھیل گئے، ہند اور بیرون ہند کی عالمی شخصیتیں دارالعلوم میں آئیں، غرض مادی و معنوی ہر اعتبار سے دارالعلوم بام عروج کو پہونچا، ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم سے فضلاء نکلے، مصنفین واعظین اور مبلغین کی کھیپ تیار ہوئی، اور آپ نے جشن صد سالہ کا انعقاد کرکے دارالعلوم کو عالمی شہرت عطا کی۔

بیعت وخلافت ۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، شیخ الہند رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی طرف رجوع کیا اور تربیت حاصل کی، اور ۱۳۵۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے، تاریخ سلوک وتصوف میں یہ منفرد سعادت کبریٰ حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کو مشیت ربانی نے عطا فرمائی کہ ان کے مرشد حضرت حکیم الامت نے مرض وفات میں ایک مرتبہ حاضری کے موقعہ پر آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بوسہ دیا اور اپنے قلب مبارک پر رکھ کر فرمایا کہ:

"اس ہاتھ سے ایک عجیب وغریب سکون وسکینت اپنے قلب میں محسوس کرتا ہوں" اور اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کے علمی وروحانی فیضان اور عمر وصحت وسلامتی میں برکت کیلئے مستجاب دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس راہ میں بھی اپنی رحمت وفضل سے نوازا تھا اور آپ کے ذریعہ بے شمار لوگوں کی اصلاح ہوئی اور ان کی ایمانی وروحانی واحسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا، اور ہزاروں کی بگڑی ہوئی زندگی سنور گئی، کتنے لوگ آپ کے دست حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہوتے، آپ کا حلقہ بیعت وارشاد ہندوستان سے نکل کر دوسرے بلاد وممالک تک پہونچا اور بہت سے لوگوں کو آپ نے اجازت بھی دی، آپ کے خلفاء ومجازین سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

تصنیف وتالیف:- آپ اپنے وقت کے عظیم مصنف

تھے، مختلف موضوعات پر تقریبًا سو سے زائد تصنیفات ہیں، اور ہر کتاب اپنے مواد اور اپنی جامعیت اپنے اسلوب بیان اور اپنے طرز استدلال میں انوکھی ہے، ان کتابوں کو پڑھ کر قاری محسوس کرتا ہے کہ دائرۂ معلومات میں بہت سی ایسی باتیں ضرور آگئی ہیں جن پر اب تک نگاہیں نہیں پڑی تھیں، ہر کتاب آپ کی مخصوص طرز تحریر کے ساتھ عالمانہ و محققانہ مباحث زبان و بیان کی رعنائیوں اور دل آویزیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا، مختلف دینی علمی اور تاریخی موضوعات پر تقریبًا سو سے زائد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رسالے اور کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱:۔ التشبہ فی الاسلام
۲:۔ سائنس اور اسلام
۳:۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام
۴:۔ اصول دعوت اسلام
۵:۔ اسلام اور فرقہ واریت
۶:۔ اسلامی عادات
۷:۔ دین و سیاست
۸:۔ اسباب عروج و زوال اقوام
۹:۔ تفسیر سورۂ فیل
۱۰:۔ الاجتہاد والتقلید
۱۱:۔ فطری حکومت
۱۲:۔ شان رسالت
۱۳:۔ فلسفۂ نماز
۱۴:۔ شرعی پردہ
۱۵:۔ ڈاڑھی کی شرعی حیثیت
۱۶:۔ علم غیب
۱۷:۔ خاتم النبیین
۱۸:۔ فلسفۂ طہارت
۱۹:۔ آفتاب رسالت
۲۰:۔ حدیث رسول کا قرآنی معیار
۲۱:۔ انسانیت کا امتیاز
۲۲:۔ اسلام کا اخلاقی نظام
۲۳:۔ مشاہیر امت

۲۵ :- حاشیہ عقیدۃ الطحاوی، وغیرہ۔

شعر و شاعری

بلند پایہ مصنف اور خطیب ہونے کے ساتھ آپ قادر الکلام شاعر بھی تھے، اور جب کبھی کہنے پر آتے تو چار چار پانچ پانچ سو اشعار پر مشتمل نظمیں کہہ ڈالتے تھے جس پر آپ کے شعری مجموعے، (۱) جنون شباب (۲) عرفان عارف (۳) آنکھ کی کہانی (۴) ارمغان دار العلوم، شاہد ہیں۔

آپ کے علمی، سیاسی، و اصلاحی کارناموں کا خلاصہ

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ کے ساٹھ سالہ دورِ اہتمام میں دار العلوم دیوبند نے غیر معمولی ترقی کی، آپ نے جشن صد سالہ کا انعقاد کر کے دار العلوم کو عالمی شہرت عطا کی، اسی طرح آپ نے مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کے دوران بہت سی قومی و ملی سیاسی، سماجی خدمت انجام دیں جو آپ کا بذات خود ایک عظیم کارنامہ ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے روز اول سے جو ہندوستان کے مختلف الخیال گروہوں، دینی جماعتوں اور اداروں کا نمائندہ ہے ان کی وفات کے دن تک ان سے زیادہ موزوں اور متفق علیہ صدر نظر نہیں آیا، اور اس عہدہ پر باتفاقِ آراء شروع سے آخر تک رہے، آپ نے علمی کارنامہ بھی انجام دیا اور سو سے زائد مختلف اسلامی موضوعات پر کتابیں لکھیں، آپ اپنے زمانہ کے بہترین خطیب و مقرر تھے، چنانچہ آپ کی تقریروں سے بہت سی برائیاں اور رسوم ختم ہوئیں، خطبات

حکیم الاسلام'' انھیں تقریروں کا مجموعہ ہے۔

آپ اپنے وقت کے عظیم شیخ طریقت مرشد و مصلح اور قطب ارشاد تھے، لاکھوں افراد آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوتے اور سیکڑوں آپ نے اپنے خلفاء اور مجازین چھوڑے، اور اس لائن سے بھی آپ نے عظیم کارنامہ انجام دیا۔

وفات

۶ ر شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ ر جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار ۸۸ ر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا، آپ کی نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں ادا کی گئی، آپ کے جانشین خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور مزار قاسمی ہی میں اپنے جد امجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی، ایک لاکھ سے زائد افراد نے جنازہ میں شرکت کی

والحمد للہ اولاً و آخراً

محمد اسلام انصاری

مہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

امیر التبلیغ

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی (رحمۃ اللہ علیہ)

آپ مشہور و معروف عالم، مبلغ اسلام، شیخ طریقت و شریعت، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (بانی تبلیغ) کے خلف ارشد، تبلیغی جماعت بستی نظام الدین دہلی کے امیر تھے۔

ولادت:-

آپ کی ولادت ۲۵ رجمادی الاولی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو بدھ کے دن کاندھلہ مظفر نگر میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مولانا محمد الیاس اور دادا کا نام مولانا محمد اسمٰعیل تھا۔

تعلیم و تربیت:-

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ مکمل فرمایا، حفظ قرآن کے بعد اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں عربی پڑھنی شروع کی، فقہ کی کتابیں حافظ مقبول حسن گنگوہیؒ سے پڑھیں، ۱۳۵۴ھ میں

مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کے والد ماجد نے داخل فرمادیا، جہاں آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

درس وتدریس :-

۱۳۵۷ھ میں حجاز سے واپسی کے بعد آپ نے درس وتدریس نیز تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار فرمایا، آپ کے زیر درس عموماً ابوداؤد شریف رہا کرتی تھی اور بقیہ اوقات کو تصنیفی کاموں میں صرف فرمایا کرتے تھے۔

راہ سلوک :-

آپ اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور آپ ہی سے خلافت ونیابت حاصل کی۔

آپ کا علمی وتبلیغی کارنامہ

۱۳۶۳ھ میں جب والد ماجد کی وفات ہوگئی تو آپ نے ان کی جانشینی سنبھالی، اور شب وروز تبلیغی کاموں میں اپنے اوقات کو صرف فرمایا، آپ نے ایسی محنت کی کہ غیر ممالک تک جماعت کی آمد ورفت شروع ہوگئی، اور پوری دنیا میں جماعت کا چرچا ہونے لگا، الغرض آپ کی ذات سے اس جماعت کو کافی ترقی ہوئی، آپ نے بہت سی گرانقدر کتابیں بھی تصنیف کیں جو آپ کا زبردست علمی کارنامہ ہے، امانی الاحبار فی حل شرح معانی الآثار، حیاۃ الصحابہ آپ کی بہترین تصانیف ہیں۔

وفات :-

۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء کو جمعہ کے دن دو بجکر پچاس منٹ پر لاہور پاکستان میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ لاہور سے دہلی لایا گیا اور دہلی ہی میں مدفون ہیں۔

جنید وقت

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی

آپ اپنے وقت کے علوم وفنون کے امام، ہر دلعزیز عالم دین، تواضع اور سادگی میں اسلاف کے نمونہ، عابد وزاہد، متقی وپرہیزگار، مخلص ومتواضع اور صاحب کشف وکرامات اور مستجاب الدعوات تھے۔

مدرسہ عربیہ ہتھورا کے بانی اور سرپرست اور مناظر اسلام حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور کے خلیفہ راشد تھے۔

ولادت:-

آپ کی ولادت ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں ہتھورا ضلع باندہ یوپی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام سید احمد ہے۔

تعلیم وتربیت:-

آپ نے حفظ کی تکمیل اپنے جد امجد حضرت قاری عبد الرحمٰن صاحب تلمیذ قاری عبد الرحمٰن صاحب محدث پانی پتی، اور اپنے ماموں جناب مولانا سید امین الدین صاحب کے پاس رہ کر کی، اس کے بعد کانپور تشریف لے گئے اور وہاں ماہر اساتذہ سے عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اس کے بعد پانی پت تشریف لے گئے اور وہاں شرح جامی بحث فعل تک

تعلیم درس نظامی حاصل کر کے قرأت سبعہ وعشرہ کی بھی تکمیل فرمائی، ۱۳۵۹ھ میں اصول الشاشی اور میر قطبی وغیرہ کی جماعت میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، ۱۳۶۰ھ، ۱۳۶۱ھ اور ۱۳۶۲ھ کے اوائل تک مظاہر علوم میں قیام رہا پھر ۵ رجمادی الاولی ۱۳۶۲ھ کو مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخل ہوئے اور اسی سال مشکوٰۃ شریف، ملاحسن اور ہدایہ آخرین وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور ساتھ میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب سے قرأت میں شرف تلمذ بھی حاصل فرمایا، پھر ۱۳۶۳ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہوئے

درس وتدریس:-

فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس کا شغل اختیار فرمایا، متعدد مقامات پر درس دیا، آخر میں خود قائم کردہ جامعہ عربیہ ہتھورا ہی میں بخاری شریف، شرح جامی وغیرہ درس دے رہے تھے۔

بیعت وخلافت:-

آپ نے سلوک وتصوف کے مراحل حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے پاس رہ کر طے کئے، اور انھیں سے اجازت بیعت وخلافت حاصل کی۔

آپکا علمی واصلاحی کارنامہ:-

۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں آپ نے ایک عظیم الشان ادارہ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے نام سے قائم فرمایا، جہاں اس وقت ایک ہزار

سے زائد طلبہ علوم نبوت سے فیضیاب ہو رہے ہیں، اسی طرح آپ نے بہت سے مقامات پر دینی مکاتب قائم فرمائے تاکہ جہالت دور ہو اور بدعات و خرافات سے لوگ تائب ہوکر اپنے محبوب حقیقی کی راہ پر لگ جائیں۔ آپ نے متعدد علمی دینی کتب اور درسی شروحات تحریر فرمائی ہیں جس میں اسعاد الفہوم شرح سلم العلوم، التسہیل لسامی شرح برشرح جامی، تسہیل الصرف، تسہیل النحو تسہیل المنطق، تسہیل التجوید، آداب المعلمین والمتعلمین، حق نما، فضائل علم قواعد فارسی وغیرہ خصوصیت سے لائق ذکر ہیں، تقریباً تمام کتب مقبول خاص و عام ہیں۔

شاعری کا ذوق:۔

آپ کا تخلص ثاقب تھا، آپ کی شاعری خالص عارفانہ اور متصوفانہ ہوتی تھی، شاعری میں آپ تلمیذ رحمان تھے، آپ کے اشعار حمد و نعت پر مشتمل ہوتے تھے، فی البدیہہ اشعار پر ملکہ حاصل تھا، شاید یہ خصوصیت اپنے استاذ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کی خدمت کا نتیجہ تھا،

آپ کا متفرق منظوم کلام جمع ہوکر صہبائے مدینہ کے نام سے شائع بھی ہوچکا ہے، لیکن پھر بھی بہت سے اشعار، نعت و حمد اشاعت سے رہ گئے ہیں، جن کو از سر نو تلاش کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

مرض وفات:۔

قاری صاحب آخری عمر میں مختلف بیماریوں کا شکار ہوگئے تھے وفات سے ایک دن قبل فالج کا شکار ہوگئے تھے تو سحر نرسنگ ہوم

لکھنؤ میں داخل کئے گئے، ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۷ء پنجشنبہ دن کو آسمان علم وفضل کا وہ آفتاب جہاں تاب لکھنؤ نرسنگ ہوم میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، آپ کی نعش مبارک لکھنؤ سے ہتھورا لائی گئی اور وہیں بعد عشاء اپنے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ آپ کے فرزند حضرت مولانا حبیب احمد صاحب مدظلہ نے پڑھائی، اور ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زائد متعلقین ومنتسبین نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔

مفکرِ ملت، امیرِ شریعت

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ
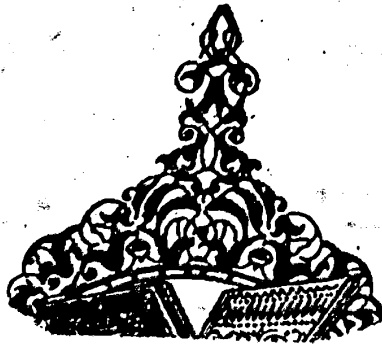
آپ اپنے وقت کے عالم ربانی، عظیم مفکر و مدبر، ملت اسلامیہ کے سپہ سالار، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے امیر شریعت، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی و جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے چھوٹے صاحبزادے و جانشین، اور دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن، اور خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین، اور جامعہ رحمانی مونگیر کے علاوہ انگنت اسلامی اداروں اور اسلامی تنظیموں کے سرپرست، تھے۔

ولادت:۔

آپ کی ولادت ۹ رجمادی الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق سنہ ۱۹۱۳ء کو خانقاہ رحمانی مونگیر بہار میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام قطب عالم حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ (بانی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) تھا جو اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم اور حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے اجل خلفاء میں تھے۔

تعلیم وتربیت :-

قرآن شریف اور عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں وطن ہی میں پڑھیں گیارہ سال کی عمر میں حیدر آباد (دکن) میں جاکر ایک سال میں مفتی عبد اللطیف صاحب سے عربی صرف ونحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں پھر ندوۃ العلماء تشریف لے گئے اور وہاں چار سال تک تحصیل علم میں مشغول رہے، ۱۳۴۹ھ میں تکمیل علوم کے لئے ازہر ہند دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، آپ کا شمار مولانا حسین احمد مدنی رح کے ارشد تلامذہ میں تھا۔

درس وتدریس :-

۱۳۵۵ھ میں آپ کو بہار اسمبلی کا ممبر منتخب کیا گیا، ۱۳۶۱ھ میں خانقاہ رحمانی مونگیر کا سجادہ نشین بنایا گیا، ۱۳۷۶ھ میں آپ کو امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ کا امیر شریعت منتخب کیا گیا، اس کے بعد آپ نے خلق خدا کی اصلاح کے ساتھ ساتھ درس وتدریس میں اپنا وقت صرف کیا۔

بیعت وخلافت :-

آپ نے سلوک کے منازل حضرت مولانا محمد عارف صاحب ہرسنگھ پوری (خلیفہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رح) کے زیر سایہ طے کئے، اور ان ہی سے اجازت وخلافت حاصل کی۔

آپ کا علمی وسیاسی کارنامہ :-

تاریخ دار العلوم دیوبند جلد ۲ صہ ۱۶۶ پر آپ کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے سید محبوب رضوی رح تحریر فرماتے ہیں۔

" جامعہ رحمانی کا از سر نو قیام اور اس کی غیر معمولی ترقی آپ کا ایک اہم علمی اور انتظامی کارنامہ ہے، اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کے عائلی قوانین کے سلسلے میں آپ کی زبردست خدمات ہیں، آپ نے تحریک آزادی میں بھی دیوبند کے قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی معیت میں حصہ لیا، اور چار ماہ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا، آپ متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے، چنانچہ سفرنامۂ مصر و حجاز آپ کا مشہور و معروف تصنیفی شاہکار ہے، اسکے علاوہ بھی آپ کی کئی تصانیف ہیں۔

وفات :-

آپ کی وفات ۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۹۱ء کو رات دس بجے ہوئی مونگیر میں مدفون ہیں۔

مجاہدِ ملت

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
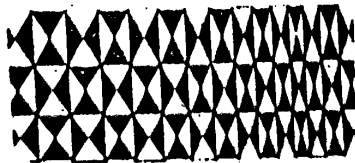
آپ ملتِ اسلامیہ کے ممتاز دانشور، تحریک آزادی کے مجاہد اردو فارسی کے یگانہ ادیب و شاعر، علوم دینیہ کے فاضل و عالم، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ جیسے فرید الدہر اور وحید العصر باپ کے بیٹے تھے۔

ولادت:۔

آپ کی ولادت ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں دیوبند میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام ظفر الحق تھا۔

تعلیم و تربیت:۔

آپ نے نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا، آپ کی شروع سے آخر تک تمام تعلیم دار العلوم دیوبند میں ہی ہوئی، ۱۳۴۱ھ فارغ ہوئے آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ مولانا حافظ محمد احمدؒ اور مولانا اصغر حسین شامل ہیں۔

درس و تدریس:۔

۱۳۴۴ھ سے ۱۳۴۶ھ تک دار العلوم دیوبند میں معین المدرس رہے

ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں پانچ سال تدریس و افتاء کی خدمات انجام دی اور پانچ سال تک کلکتہ میں تفسیر و افتاء اور تبلیغ کی خدمات انجام دی۔

میدانِ سیاست:۔

مفتی صاحب سیاسی لیڈر ہی نہ تھے، لیڈروں کے لیڈر تھے، لیکن عام کانگریسی کی طرح کسی بڑے حکمراں سے گفتگو کرتے ہوئے کانپتے اور تھراتے نہیں تھے، بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے، مجھے متعدد قومی رہنماؤں نے بتایا کہ ایک کانفرنس میں جس میں آنجہانی اندرا گاندھی بھی شریک تھیں، اندرا جی نے بنگلہ دیشی مسلمانوں سے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تو مفتی صاحب نے برجستہ اسی مجلس میں اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ آج کل ہماری محترمہ وزیر اعظم کو بنگلہ دیشی مسلمانوں سے کچھ زیادہ ہی ہمدردی ہو گئی ہے، مفتی صاحب باوجود بڑے کانگریسی لیڈر ہونے کے سودے بازی اور نعرہ لگانے کے فن سے کورے تھے۔

اگر مفتی صاحب چاہتے تو بڑے سے بڑا عہدہ ان کو آسانی مل سکتا تھا، لیکن ان کی وضعداری تھی کہ کبھی کسی سرکاری عہدہ کا لالچ نہیں کیا۔

تحریر و خطابت:۔

مفتی صاحب تحریر و تقریر کے میدان میں کامیاب شہسوار تھے، زبان و قلم میں بلا کی شگفتگی و دلآویزی تھی، آپ کی تقریروں میں علم و روحانیت، فکر و بصیرت اور تحقیق و کاوش کے جوہروں کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی اور اسلوب کی دلآویزی بہ جھلکتی و دمکتی نظر آتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مفتی صاحب کو قدرت نے نثر نگاری کا جتنا صاف ستھرا

ذوق دیا تھا ویسے ہی علمی حیثیت سے بھی بلند مقام عطا فرمایا تھا مگر انھوں نے اپنی زندگی کا تقریباً تمام تر حصہ چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو اور بڑا بنانے میں صرف کر دیا۔ ے

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

بلاشبہ تاریخ میں ایسے بے لوث تعمیر پسند اور دوسروں کو ہر قدم اور ہر موڑ پر سہارا دینے والے کم ہی لوگ نظر آتے ہیں نہ جانے کتنے نوجوان ہیں جو صرف حضرت مفتی صاحب کی حوصلہ افزائی امداد و تعاون کی بدولت صاحب تصنیف اور علمی دنیا میں شہرت وعظمت کے حامل ہو گئے۔

مفتی صاحب ایک عظیم المرتبت عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب ترین منتظم بھی تھے۔ ان کی بے پناہ اور محیر العقول انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف سبھی کرتے ہیں، ادارہ ندوۃ المصنفین ان کی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں اور حیرت انگیز کاوشوں کا ثمرہ ہے، خدا حضرت مفتی صاحب کے قائم کردہ اس ادارہ کو پروان چڑھائے۔

آپ کا علمی وسیاسی کارنامہ:۔

آپ نے ۱۳۵۷ھ میں ندوۃ المصنفین کے نام سے ایک ادارہ قرولباغ دہلی میں قائم فرمایا، جس کا مقصد اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کرنا تھا چنانچہ یہ ادارہ اب تک ۲۰۰ سو سے زیادہ تصانیف شائع کر چکا ہے۔

آپ بہت سے علمی و دینی اداروں کے ممبر بھی تھے، مسلم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے عرصہ تک ممبر رہے، آپ جمعیۃ العلماء ہند کے کاموں میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ کے ساتھ برابر شریک رہے، ان کے انتقال کے بعد ورکنگ کمیٹی کے صدر بھی بنائے گئے۔ بعد میں مجلس مشاورت بنائی اور آخر تک اس کے صدر رہے، ۱۹۳۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی میں گاندھی جی کے ساتھ برابر شریک رہے۔

وفات :-

یکم شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۲ر مئی ۱۹۸۴ء کو دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف کوچ کیا۔

مفکر اسلام

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ جلیل القدر عالم دین، مفکر اسلام، بلند پایہ ادیب وخطیب، مصلح باکمال، مرشد بے مثال، دنیائے اسلام کے محبوب ومقبول، محترم ومؤقر ہستی، عرب وعجم کے سرمایۂ افتخار، سراپا دعوت وعزیمت، مجدد الف ثانیؒ کی حق گوئی کے علم بردار، شاہ ولی اللہ کے فکر ونظر کے ترجمان سید احمد شہیدؒ کے جذبۂ جہاد کے وارث، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ کے علوم وافکار کے حامل، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے خلیفۂ راشد خانۂ کعبہ کے کلید بردار، اور ہندوستان میں سرمایۂ ملت کے نگہبان — دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم، دارالمصنفین کے روح رواں، مسلم پرسنل لا بورڈ، اور دینی تعلیمی کونسل کے صدر، رابطہ عالم اسلامی اور مدینہ یونیورسٹی کے تاسیسی رکن، اسلامی سینٹر آکسفورڈ یونیورسٹی کے چیرمین، اور ہند وبیرون ہند کے مختلف اداروں اور انجمنوں کے سربراہ اور سرپرست تھے

ولادت:۔

آپ کی ولادت ۶ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۱۳ء بروز جمعہ بمقام تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوئی، آپ کا نام علی کنیت ابوالحسن ہے

آپ کے والد ماجد نزہۃ الخواطر کے مصنف سید عبدالحی ہیں، جو اپنے وقت کے زبردست عالم دین تھے، آپ کا نسبی تعلق رائے بریلی تکیہ کلاں کے مشہور خاندان سید احمد شہید سے ہے۔

تعلیم وتربیت :-

ابتدائی تعلیم آپ کی گھر پر ہی ہوئی، نو برس کی عمر تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا، والد کے انتقال کے بعد آپ نے ساری تعلیم وتربیت اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب (فاضل دیوبند) سے پائی، دس برس کی عمر میں عربی اور انگریزی شروع کی، عربی کی تعلیم شیخ خلیل بن محمد یمنی سے حاصل کی، بعد میں عربی ادب شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی سے حاصل کی جو اس زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے عربی ادب کے استاذ تھے، پھر آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، اور وہاں حضرت مولانا حیدر حسین خاںؒ سے حدیث کی تعلیم مکمل کی، کچھ ماہ کے لئے آپ کا قیام دارالعلوم دیوبند میں بھی رہا، جہاں آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی، آپ نے تفسیر پر عبور حاصل کرنے کی غرض سے لاہور پاکستان کا بھی سفر کیا، جہاں آپنے مولانا احمد علی مفسرؒ سے تفسیر پڑھی۔

درس وتدریس :-

سنہ ۱۹۳۴ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوا جہاں آپ نے تفسیر وحدیث اور ادب کی مختلف کتابیں دس سال تک پڑھائیں آپ نے دوران تدریس بہت سے اخبارات کی ایڈیٹری بھی کی چنانچہ

عربی ماہنامہ "الضیاء" الندوہ، پندرہ روزہ تعمیر، المعارف وغیرہ کے ایڈیٹر رہے، ۱۹۶۲ء میں جب ڈاکٹر عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا انتقال ہو گیا تو آپ کو ندوہ کا ناظم بنا دیا گیا، آپ کی نظامت اور سرپرستی میں ندوۃ العلماء خوب پروان چڑھا

بیعت وخلافت:۔

۱۹۳۱ء مولانا احمد علی لاہوری رح کے شیخ مولانا غلام محمد بہاولپوری سے بیعت کا شرف حاصل کیا، ۱۹۴۶ء میں اپنے شیخ کے اشارے پر مولانا عبد الرحیم رائے پوری کے خلیفہ مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری سے بیعت ہوئے اور خلافت واجازت حاصل کی۔

آپ کے کارنامے:۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کو اپنی جدوجہد سے ایک شہرت یافتہ اور عالمی یونیورسٹی بنا دیا، جہاں سے ہزارہا ہزار طلبہ دینی و دنیوی دونوں لائن سے سیراب ہو رہے ہیں۔

دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے، خواہ علمی ہو یا ادبی، سیاسی ہو یا سماجی، دینی ہو یا ثقافتی، آپ کی تصانیف اردو وعربی کی تعداد درجنوں سے اوپر ہے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں المسلمون فی الهند۔ رسالة التوحيد، الطريق الى المدينة العرب والاسلام۔ القراءة الراشدة (تین حصہ) قصص النبيين (پانچ حصہ) مختارات (دو حصہ) سیرت سید احمد شہیدؒ، پرانے چراغ روائع اقبال، مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، تاریخ دعوت وعزیمت

سوانح شاہ عبدالقادر رائپوری رح، تذکرہ شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی وغیرہ۔
تیسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت صدر مسلم پرسنل بورڈ مسلمانوں کے لئے عظیم خدمات انجام دیں، بہت سے ایسے فتنے ہیں جو ملت پر آتے، اور آپ اس کے لئے سینہ سپر ہو کر دافع بن جاتے اور ملت کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔

وفات:

۲۲ رمضان المبارک سنہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ نماز جمعہ سے کچھ دیر پہلے آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، رائے بریلی کے تکیہ کلاں میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، لاکھوں فرزندان توحید نے نماز جنازہ میں شرکت کی، حرم میں بھی آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی آپ کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر ضیاء الحسن ندوی تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا کی حیات بھی خوشگوار تھی اور وفات بھی شاندار۔ قدرت نے انھیں ایسی ہردلعزیزی عطا کی تھی جس کی آرزو سے شاید کوئی دل خالی نہ ہو، مقبولیت بارگاہ ایزدی کا تاج آخری سانس تک سر پر رہا، وہ ایک فقیر بے نوا تھے جنھوں نے بے تاج بادشاہی کی بے شمار دل ان کے قلم رو میں تھے، ان کی تقریر و تحریر" از دل خیزد بر دل ریزد۔ البتہ صاحبان دربار کی تمنائے باریابی کے شاید ہزاروں ہیں کسی سلطان جابر کا رعب انھیں کلمۂ حق سے باز نہ رکھ سکا، اپنی گوناگوں علمی سماجی و ملی ذمہ داریوں کے باوجود اپنے معمولات اور اوراد و اذکار میں کبھی کمی نہیں آنے دی بلکہ اس میں ادنیٰ تقدیم و تاخیر بھی گوارہ نہ کی،

دینی غیرت وحمیت اور حب رسول میں جس نے کسی بڑے سے بڑے حاکم کی پرواہ نہ کی ہو، خوشگوار زندگی کی اس سے زیادہ واضح، روشن، بے داغ اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔

رمضان کا مبارک مہینہ فالج زدہ اور کمزور جسم کے ساتھ تمام روزے پورے کئے، ایک وقت کی فرض نماز کیا سنت ونفل بھی فوت نہیں ہوئی، ذکر وتلاوت میں شمہ برابر کمی نہ آئی، شدید علالت میں بھی جس کی جماعت نہ چھوٹی ہو، جمعہ کے تمام مسنون وآداب سے آراستہ تقویٰ وطہارت کا پیکر، حسب معمول مسجد جانے کے لئے تیار، دورانِ تلاوت جب سورۂ یٰسین کی گیارہویں آیت فبشرہ بمغفرۃ واجر کریم (اسے مغفرت اور اجر کریم کی خوشخبری سنادو) پر آخری سانس پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، کیا کوئی موت اس سے زیادہ قابلِ رشک اور شاندار ہوسکتی ہے۔

مسیح الامت
حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب

آپ اپنے وقت کے عالم ربانی، فن تصوف کے امام، مسیح الامت، عارف باللہ، شیخ کامل اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے۔

ولادت :-

آپ کی ولادت ۱۳۲۹ھ یا ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں سرائے برلہ تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ میں ہوئی، آپ علی گڑھ کے مشہور خاندان شیروانی سے تعلق رکھتے تھے جو بہت ہی با اثر و باثروت تھا، آپ کے والد کا نام احمد سعید خان تھا جو نہایت ذکی اور باعزت شخصیت کے مالک تھے

تعلیم وتربیت :-

آپ نے ابتدائی تعلیم سرکاری اسکول میں چھٹی کلاس تک حاصل کی پھر دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا تو آپ کے والد صاحب نے اپنے لخت جگر میں دینی تڑپ دیکھتے ہوئے دینی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دیدی، چنانچہ آپ نے اپنے وطن ہی میں ابتدا سے لے کر مشکوۃ شریف تک کا کورس مکمل کیا، ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا

اور ۱۳۴۹ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے مزید دو سال تک دار العلوم میں رہ کر معقول کی کتابیں پڑھیں۔

درس و تدریس:-

۱۳۵۷ھ میں حضرت تھانویؒ نے آپ کو جلال آباد، مظفر نگر کے ایک مدرسہ مفتاح العلوم میں بھیجدیا، جہاں آپ نے برسوں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا، آپ کی مخلصانہ جدوجہد کی وجہ سے اس مدرسہ کو کافی ترقی ہوئی، اور آخر عمر تک آپ اسی مدرسہ سے وابستہ رہے۔

راہ سلوک:-

سلوک کے منازل حضرت تھانویؒ کے پاس رہ کر طے کئے، اور ۱۳۵۱ھ میں حضرت تھانویؒ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ کا علمی کارنامہ:-

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جلال آباد کے مکتب کو اپنی جدوجہد سے ایک بہت بڑا ادارہ بنا دیا، جہاں دور دراز کے طلبہ اپنی علمی تشنگی بجھا رہے ہیں۔

آپ نے چند کتابیں بھی تصنیف کیں جو آپ کا اہم علمی کارنامہ ہے، شریعت و تصوف آپ کی مشہور تصنیف ہے، آپ نے تزکیۂ باطن کی لائن سے بھی کافی محنتیں کیں، آپ کے ملفوظات بھی کتابی شکل میں موجود ہیں۔

وفات:-

۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء مطابق ۱۴۱۳ھ جمعرات کو قصبہ جلال آباد ہی میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، اور وہیں مدفون ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محدث وقت
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی

آپ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث، مشہور و معروف عالم ربانی، رجال حدیث کے ماہر اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اعظمیؒ کے خلیفۂ ارشد اور امیر الہند تھے۔

ولادت:-

آپ کی ولادت ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مئو ضلع اعظم گڈھ یوپی میں ہوئی، آپ کے والد صاحب کا نام حضرت مولانا محمد صابر تھا۔

تعلیم و تربیت:-

آپ نے عربی کی ابتدائی تعلیم دار العلوم مئو میں حاصل کی، پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مشہور شاگرد رشید حضرت مولانا عبد الغفار صاحب سے گورکھپور اور بنارس میں رہ کر متوسطات تک تعلیم حاصل کی اور ۱۳۳۴ھ میں دار العلوم دیوبند میں رہ کر دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے کہ سخت بیمار ہوئے اور مئو آکر دورۂ حدیث کی تکمیل کی،

درس و تدریس:-

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم بنارس، دار العلوم مئو مفتاح العلوم مئو، اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حدیث کا درس دیا، آخر میں تصنیفی شغف کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرما دیا۔

بیعت وخلافت :-

آپ اولاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور تربیت حاصل کی، پھر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آپ کا علمی وتحقیقی کارنامہ :-

آپ کے علمی اور تحقیقی کارناموں کا ذکر ماہنامہ المآثر نے ان الفاظ میں کیا ہے۔" آپ کے علمی اور تحقیقی کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قدیم ترین متعدد حدیث کی کتابیں جو اب تک شائع نہیں ہوئی تھیں، اہل علم نے کتابوں کے نام ضرور پڑھے تھے مگر ان کی زیارت سے محروم تھے، ان کے اکّا دکّا قلمی نسخے دنیا کے پھیلے ہوئے بے شمار کتب خانوں میں خال خال پائے جاتے تھے، آپ نے ان مخطوطات کا پتہ لگایا، باوجود بے سروسامانی کے انھیں حاصل کیا ان کے فوٹو منگوائے، انھیں پڑھا، اغلاط کی تصحیح کی، ان پر تعلیقات لکھیں، اور انھیں منظر عام پر شائع کیا،

اس کے علاوہ آپ نے بہت سی عربی اور اردو کی کتابیں تصنیف کیں، آپ کو فن حدیث، رجال حدیث، اور متعلقات حدیث میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا، آپ کی تصانیف میں نصرۃ الحدیث، تعلیق وتحقیق، مصنف عبدالرزاق، کتاب الزہد والرقائق، شارع حقیقی وغیرہ مشہور ومعروف ہے، دنیا کے مشہور علماء ومحدثین کا اتفاق ہے کہ جب کبھی حدیث ورجال کے ماہرین کی کوئی فہرست مرتب کی جائیگی تو محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرِفہرست ہوگا

مزید تفصیل درکار ہو تو ترجمان الاسلام بنارس، اور المآثر کا مطالعہ کیا جائے۔

وفات:-

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۹۲ء بروز پیر آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، آپ کی عمر ۹۳ سال تھی۔

شیخ الامت

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے وقت کے درویش کامل حضرت مولانا وارث حسن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحب (خلیفہ حضرت شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی) کے خلیفہ تھے۔

ولادت:۔

آپ کی ولادت ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء کو موضع پھولپور ضلع پرتاب گڈھ یوپی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام غلام محمد تھا۔ آپ کے والد شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ آپ کے والد ہمیشہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت شیخ سے درخواست کی کہ حضرت ہمارے یہاں مسلسل لڑکیاں پیدا ہو رہی ہیں آپ دعا فرمائیں کہ کوئی نرینہ اولاد ہو۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اور خوشخبری دی کہ اب کے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام محمد احمد رکھنا۔ چنانچہ اس بشارت عظیمہ کے مطابق لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے شیخ کے کہنے کے مطابق اپنے لڑکے کا نام محمد احمد رکھا۔

تعلیم و تربیت:۔

آپ نے مکتبی تعلیم پھولپور ہی میں حاصل کی پھر اسکول میں

داخل کئے گئے مگر آپ کی طبیعت اس طرف راغب نہیں ہوئی چونکہ بچپن ہی سے نیک تھے، اس لئے لکھنؤ میں ٹیلے والی مسجد میں حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحب لکھنوی کے یہاں جانے لگے اور ذکر واذکار میں مشغول ہوگئے، آپ کسی درسگاہ سے فارغ التحصیل نہ تھے البتہ قرآن وحدیث کا گہرا مطالعہ خوب تھا۔

راہ سلوک :۔

آپ نے سلوک کے منازل حضرت مولانا شاہ وارث علی حسن لکھنوی کی خدمت میں رہ کر طے کئے۔ اور خلافت حضرت مولانا شاہ بدر علی صاحب خلیفہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی سے حاصل ہوئی۔

دعوت وتبلیغ :۔

آپ اوّلاً دعوت وتبلیغ سے منسلک ہوئے اور قریہ قریہ جماعتوں کو لیکر پھرتے رہے، اور لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہے، چنانچہ اس کا اثر اچھا ہوا، بہت سے لوگ سیئات سے تائب ہوکر حسنات کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ اسی مناسبت سے شہر الہ آباد میں بھی آپ کی آمدورفت شروع ہوئی، اہل شہر نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا شروع میں آپ کا قیام محلہ دارا گنج اور محلہ کٹرا میں رہا، پھر بعد میں صابری منزل سوئیں کی منڈی میں منتقل ہوگئے۔ اور وہیں اپنے مواعظ حسنہ سے عوام وخواص کو مستفیض فرمانے لگے، پھر مدرسہ بیت المعارف کے ایک کمرہ کو اپنا قیام گاہ بنایا جہاں پر بڑے بڑے علماء وصلحاء حاضر ہوتے اور علوم ومعارف سے بہرہ ور ہوکر لوٹتے۔

آپ کی شاعری :-

آپ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے، آپ کے اشعار نہایت پاکیزہ اور پند و نصیحت پر مشتمل ہوتے تھے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ عرفانِ محبت کی تقریظ میں فرماتے ہیں۔

مولانا کا منظوم کلام عام یا عامیانہ شاعری کے طرز پر نہیں ہے بلکہ وہ ایک عارفانہ منظوم کلام ہے، مولانا کی شاعری کا عنصر گل و بلبل کی داستان یا ساغر و صہبا، اور قلقل و مینا کی حکایت نہیں ہے، ان کی شاعری کا عنصر، درس توحید، توقیر رسالت، دردِ محبت، نورِ معرفت، تسلیک و تربیت، ان کی شاعری میں غالب کی شاعری کا نہیں بلکہ مولانائے روم کی شاعری کا رنگ جھلکتا ہے۔

ایک موقع پر مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندویؒ نے آپ سے استفسار فرمایا کہ حضرت آپ کا شاعری میں استاذ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بہت دنوں تک اشعار کہتا ہی نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے یکایک اشعار کے ساتھ گویا فرمادیا اسلئے شاعری میں میرا کوئی استاذ نہیں ہے۔

آپ کا علمی کارنامہ :-

آپ نے بطور صدقۂ جاریہ کے چند کتابیں تصنیف کیں ان میں عرفانِ محبت اخلاق سلف، کمالاتِ نبوت، مواعظ کے تین حصے مسمی بہ روح البیان قابل ذکر ہیں۔

وفات :-

۳ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء اتوار کی شب میں آپ کا انتقال ہوا، رام باغ الہ آباد کیلا آم کے قبرستان الہ آباد میں مدفون ہیں، آپ کے لوح مزار پر یہ شعر لکھا ہے جو آپ کی پوری زندگی کا ترجمان ہے ؎

آتشِ عشق نے جلا ڈالا ؛ زندگی ہم نے مر کے پائی ہے

اُستاذ الاساتذہ

حضرت علامہ محمد حسین بہاری

آپ اپنے وقت کے مشہور و معروف عالم دین، علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر، دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح کے شاگرد رشید تھے۔

ولادت :-

آپ کی ولادت ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں بسیہا ضلع سیتامڑھی بہار میں ہوئی، آپ کا نام محمد حسین تھا، لیکن دارالعلوم دیوبند کے تمام طلبہ آپ کو (تمام علوم میں مہارت ہونے کی بنا پر) مُلّا بہاری کے نام سے جانتے تھے، آپ منطق و فلسفے کے بڑے ماہر استاذ مانے جاتے تھے۔

تعلیم و تربیت :-

آپ نے مکتبی تعلیم اپنے وطن بسیہا میں حاصل کی، عربی و فارسی کے لئے مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ (چمپارن) کا سفر کیا، اور وہاں آپ نے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں، پھر دارالعلوم مئو تشریف لے گئے، جہاں مختصر المعانی سے پڑھنا شروع کیا، یہاں آپ نے مولانا عبداللطیف نعمانی رح

اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ سے مختلف کتابیں پڑھیں، پھر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے، جہاں ایک سال تحصیلِ علم کر کے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھی۔

درس و تدریس :-

فراغت کے بعد شاہ بہلول سہارنپور میں آپ نے درس و تدریس کا آغاز فرمایا، ایک سال کے بعد مدرسہ اشرفیہ راندیر گجرات تشریف لے گئے، جہاں دو سال تک درس دیا، پھر مدرسہ صدیقیہ پھاٹک حبش خاں دہلی تشریف لے گئے، جہاں چودہ ۱۴ سال تک پڑھایا، پھر ۱۳۶۷ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لائے، اور تاحیات اسی سے وابستہ رہے، اس دوران حدیث، تفسیر، فقہ، منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھائیں۔

راہِ سلوک :-

آپ نے منازلِ سلوک حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں رہ کر طے کئے۔

آپ کا کارنامہ :-

آپ نے زندگی بھر درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے پینتالیس ۴۵ سال دار العلوم دیوبند میں بہ حیثیت استاذ رہے اور

نیچے سے اوپر تک کی تمام کتابیں پڑھائیں، یہاں ترمذی شریف تک کے اسباق پڑھائے، صرف بخاری شریف نہیں پڑھا سکے، کہ وہ صدر مدرس کے لئے مخصوص تھی۔

آپ کی اگرچہ کوئی تصنیف نہیں ہے، لیکن آپ نے ایسے ایسے تلامذہ تیار کر دیئے ہیں جنھوں نے بے شمار علمی، تصنیفی، سیاسی اصلاحی، دینی و سماجی کارنامے انجام دیئے ہیں، جسے بجا طور پر آپ کا کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔

وفات:-

۱۵ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۹۹۲ء کو دار العلوم دیوبند کے اندر انتقال ہوا، مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہیں۔
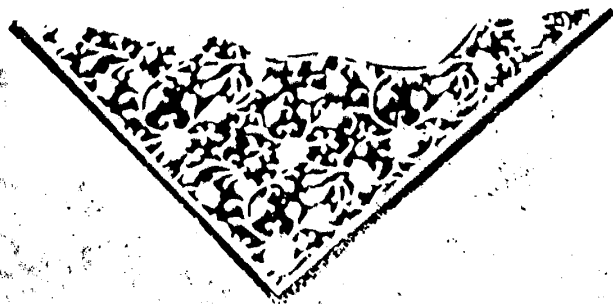
فقیہ الاسلام

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک وسیع النظر فقیہ، بلند پایہ محقق، حاضر الجواب مناظر اسلام، بلا کے ذہین و متکلم، ہزاروں انسانوں کے مرشد کامل اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور پورے ہندوستان کے مفتی اعظم تھے

ولادت:-

آپ کی ولادت ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں گنگوہ ضلع سہارن پور میں ہوئی، آپ کے والد محترم کا نام حامد حسن اور دادا کا نام محمد خلیل ہے۔

تعلیم و تربیت:-

قرآن مجید گنگوہ میں حافظ کریم بخش صاحب نابینا سے پڑھا، میزان منشعب اپنے والد ماجد سے پڑھی، ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۵۱ھ میں فارغ ہوئے، آپ نے کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں بھی تحصیل علم کیا، مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ میں مولانا عبد الرحمٰن صاحب اورنگ آبادی، حضرت اقدس مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری مولانا ظہور الحق صاحب، منشی ضیا احمد صاحب، مولانا منظور احمد خاں صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی جیسے نامور علماء شامل ہیں۔

درس و تدریس :-

فراغت کے بعد آپ نے بیس سال افتاء اور درس و تدریس کے فرائض جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں انجام دیئے۔ اس کے بعد ۱۳۷۱ھ سے لیکر ۱۳۸۴ھ تک چودہ سال کے قریب مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مسند صدارت و افتاء کے عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۳۸۵ھ میں آپ کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے منصب کیلئے منتخب کیا گیا، اور کچھ عرصہ میں ہی آپ صدر مفتی بنائے گئے، اور تاحیات اسی عہدہ پر فائز رہے۔

بیعت و خلافت :-

آپ نے سلوک کے منازل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں رہ کر طے کئے، اور انھیں سے اجازت و خلافت حاصل کی۔

آپ کے فقہی و اصلاحی کارنامے :-

آپ کے دیئے گئے جوابات "فتاویٰ محمودیہ" کے نام سے گیارہ جلدوں میں طبع شدہ ہے جو آپ کا اہم فقہی کارنامہ ہے، اسی طرح آپ کی دوسری تصانیف بھی ہیں جن میں درود و سلام، حدود اختلاف، مسلک علماء دیوبند، اور حب رسول ؐ اور مواعظ فقیہ الامت (چار قسط) وغیرہ معروف و مشہور ہیں۔

رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کے راستے سے بھی آپ نے عظیم خدمات انجام دی ہیں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر راہِ حق پر لگ گئے، نہایت کثیر تعداد میں آپ نے اپنے خلفاء چھوڑے، جن میں سے ہر اک اپنی جگہ اصلاح کا کام انجام دے رہے ہیں۔

وفات :- ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۹۶ء بروز منگل جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں ۹۲ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں ایلسبرگ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی آپ کے خلیفہ راشد مفتی ابوالقاسم بنارسی نے نماز جنازہ پڑھائی

امیر التبلیغ حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلوی رح

آپ تبلیغی جماعت کے امیر، متحرک و فعال عالم دین، مصلح کامل، باکمال داعی و مبلغ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رح کے ممتاز خلیفہ اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست تھے۔

ولادت:-

آپ کی ولادت فروری ۱۹۱۸ء مطابق ۱۳۳۶ھ کو قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی میں ہوئی، آپ کے والد کا نام مولانا محمد اکرام الحسن اور دادا کا نام مولانا ریاض الحسن کاندھلوی تھا

تعلیم و تربیت:-

آپ نے قرآن شریف حافظ منگو صاحب رح سے پڑھ کر فارسی کی ابتدائی کتابیں بوستان تک اپنے نانا جان حکیم عبد الحمید صاحب رح سے، اور میزان و منشعب، ہدایۃ النحو وغیرہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رح سے دہلی جاکر پڑھیں، اس کے بعد ۱۳۵۲ھ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، ابوداؤد شریف حضرت شیخ مولانا محمد زکریا کاندھلوی رح سے، بخاری شریف حضرت مولانا عبد اللطیف رح سے، مسلم شریف حضرت مولانا منظور خاں صاحب رح سے، ترمذی شریف مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری رح سے پڑھیں۔

دورۂ حدیث کی تکمیل سے قبل ہی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رح کی علالت کی بنا پر ان کے ہمراہ واپس نظام الدین تشریف لے گئے اور باقی ماندہ حصہ کی تکمیل کے ساتھ صحاح کی دو باقی کتابیں

ابن ماجہ اور نسائی، نیز شرح معانی الآثار طحاوی اور مستدرک حاکم حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے پڑھیں، آپ کی فراغت مظاہر علوم سہارنپور سے نہیں ہو پائی۔

بیعت وخلافت :-

حضرت اقدس مولانا الحاج محمد الیاس کاندھلویؒ سے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

درس وتدریس :-

فراغت کے بعد علالت کا ایک طویل عرصہ اپنے وطن کاندھلہ میں گذار کر پھر واپس نظام الدین تشریف لے گئے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے دست راست اور اصلاح وتبلیغ کے دل ودماغ بن کر سفر وحضر میں ان کے رفیق بنے، نظام الدین دہلی پہونچنے پر دعوت وتبلیغ کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی اختیار فرمالیا، اور متعدد فنون کی کتابیں پڑھائیں، سالہا سال تک حدیث پاک کا درس دیا۔

آپ کا تبلیغی کارنامہ :-

سنہ ۱۳۸۴ھ میں جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کا انتقال ہوگیا تو آپ کو باتفاق رائے آپ کا جانشین اور امیر التبلیغ منتخب کیا گیا، آپ کی جد وجہد سے دعوت وتبلیغ میں نمایاں کامیابی ملی۔

وفات

آپ کی وفات ۱۰ر محرم الحرام سنہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ر جون سنہ ۱۹۹۵ء بمقام دہلی ہوئی۔

فقیہ ملت

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ

آپ سرزمین بہار کے زبردست عالم، وسیع النظر فقیہ، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے قاضی القضاۃ، فقہ اسلامی اکیڈمی انڈیا کے جنرل سکریٹری، آل انڈیا ملی کونسل کے بانی وسرپرست، اور بحث ونظر سہ ماہی فقہی مجلہ کے چیف ایڈیٹر، مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر تھے۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء کو جالہ، دربھنگہ، بہار میں ہوئی، آپ کے والد محترم کا نام حضرت مولانا عبدالاحد صاحب قاسمی تھا آپ کے والد محترم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے خاص شاگردوں میں تھے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا محمد اسحاق خان صاحب سے حاصل کی، پھر مدرسہ محمود العلوم دملہ، مدھوبنی، مدرسہ امدادیہ لہریاسرائے اور دار العلوم مئوناتھ بھنجن میں متوسطات کی کتابیں پڑھیں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں دار العلوم دیوبند

تشریف لے گئے۔ اور وہاں پانچ سال رہ کر مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں، اور ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں فراغت حاصل کی۔

درس و تدریس :-

فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ مونگیر میں سات سال تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں، آپ کا ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک جامعہ رحمانی مونگیر میں قیام رہا۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رح کی مردم شناس نگاہ ان پر پڑی تو ان کو مدرسے ہٹا کر امارت شرعیہ میں لے آئے اور وہاں قضا کی خدمت سپرد کی، یہاں پہونچ کر ان کو اپنی فطری صلاحیت اُجاگر کرنے کا پورا موقعہ ملا، اور جلد ہی وہاں کے قاضی القضاۃ بنا دیئے گئے اور تاحیات اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔

اسی دوران ۱۹۶۹ء میں جامعہ رحمانی مونگیر میں استاد حدیث شریف کے اعلیٰ منصب پر بھی فائز ہوئے، آپ بہت سی ملی تنظیموں اور تحقیقی اداروں کے رکن تھے، آپ بلا کے ذہین تھے، چنانچہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رح فرمایا کرتے تھے کہ ان کے دماغ کی چاروں کھڑکیاں ہر وقت کھلی رہتی ہیں۔

آپ کے کارنامے :-

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کی تعمیر و ترقی میں آپ کا زبردست ہاتھ ہے، اسلامی فقہ اکیڈمی کے ذریعہ نئے فارغین کے لئے انھوں نے شرعی مسائل میں غور و فکر کا جو راستہ دکھایا ہے وہ بجائے خود بہت بڑا کارنامہ ہے قاضیوں کی تربیت کے لئے المعہد المعالی کے نام

سے جو ادارہ انھوں نے پٹنہ میں قائم کیا وہ ان کا منفرد کام ہے۔

آپ نے چوتھا سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا کہ اسلامی عدالت نام کی ایک کتاب تصنیف کی جس میں قضا کیا ہے، قاضی کی ذمہ داریاں کیا ہیں، اور اسلامی عدالت کا طریق کار کیا ہونا چاہئے، پر روشنی ڈالی گئی ہے، آپ کی یہ کتاب آپ کے پچیس سالہ تجربہ اور مطالعہ کا نچوڑ ہے۔

مسلم پرسنل بورڈ کے صدر کی حیثیت سے جو انھوں نے کام انجام دیا وہ بھی ناقابل فراموش ہے، جس وقت وہ صدر منتخب کئے گئے بیمار چل رہے تھے، مگر اس حالت میں بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کا جو خاکہ مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے معتبر علماء کی ایک جماعت کے ذریعہ تیار کرایا تھا وہ تقریباً دس برس سے چھپ نہیں سکا تھا، قاضی صاحب کے دور صدارت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو کے ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ بھی مجموعہ قوانین اسلامی کے نام سے شائع کرایا۔

وفات:۔

۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ۴ اپریل ۲۰۰۲ء میں آپ کا انتقال ہوا، نماز جنازہ پہلی بار دلی میں پڑھی گئی، پھر میت دلی سے پٹنہ لائی گئی، اور وہاں امارت شرعیہ میں نماز جنازہ ہوئی۔ ان کے آبائی وطن جالے ضلع دربھنگہ میں تدفین عمل میں آئی۔

محمد اسلام انصاری
مہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ شہر

نعت شریف

نتیجۂ فکر حجۃ الاسلام حضرت قدس مولانا محمد قاسم نانوتوی

نہ ہووے نغمہ سرا کس طرح سے بلبلِ زار ٭ کہ آئی ہے نئے سرے سے چمن چمن میں بہار
ہر اک کو حسب لیاقت بہار دیتی ہے ٭ کسی کو برگ کسی کو گل اور کسی کو بار
خوشی سے مرغ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں ٭ کف ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار
بجھائی ہے دلِ آتش کی بھی طپش یارب ٭ کرم میں آپ کو دشمن سے بھی نہیں انکار
یہ قدرِ خاک ہے ہیں باغ باغ وہ عاشق ٭ کبھی رہے تھا سدا جن کے دل کے بیچ غبار
یہ سبزہ زار کا رتبہ ہے شجرۂ موسیٰؑ ٭ بنا ہے خاص تجلّی کا مطلعِ انوار
اسی لئے چمنستان میں رنگ مہندی نے ٭ کیا ظہور ورقہائے سبزہ میں ناچار
پہنچ سکے شجر طور کو کہیں طوبیٰ ٭ مقامِ یار کو کب پہونچے مسکنِ اغیار
زمین و چرخ میں ہو کیوں نہ فرق چرخ و زمیں ٭ یہ سب کا بار اٹھائے وہ سب کے سر پہ بار
کرے ہے ذرۂ کوئے محمدی سے خجل ٭ فلک کے شمس و قمر کو زمین لیل و نہار
فلک پہ عیسیٰؑ و ادریسؑ ہیں تو خیر سہی ٭ زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمدِ مختار
فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیٔ احمد ٭ زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار
ثنا کر اس کی فقط قاسم اور سب کو چھوڑ ٭ کہاں کا سبزہ کہاں کا چمن کہاں کی بہار
الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی ٭ کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو ٭ نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
کہاں وہ رتبہ کہاں عقل نارسا اپنی ٭ کہاں وہ نور خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار
چراغ عقل ہے گل اسکے نور کے آگے ٭ زباں کا منہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار

جہاں کہ جلتے ہوں پرِ عقلِ کل کے بھی پھر کیا ؛ لگی ہے جان جو پہونچیں وہاں مرے افکار
مگر کرے مری روح القدس مددگاری ؛ تو اس کی مدح میں میں بھی کروں رقم اشعار
جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے ؛ تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہان کے سردار
تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں ؛ امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار
تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی ؛ تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمس و نہار
حیاتِ جان ہے تو ہیں اگر وہ جانِ جہاں ؛ تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار
طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی ؛ بجا ہے کہیئے اگر تمکو مبدأ الآثار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود ؛ قیامت آپ کی تھی دیکھیئے تو اک رفتار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں ؛ ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
پہنچ سکا ترے رتبہ تلک نہ کوئی نبی ؛ ہوئے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے ؛ کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار
لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا ؛ اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار
خدا کے طالبِ دیدار حضرت موسیٰؑ ؛ تمہارا لیجئے خدا آپ طالبِ دیدار
کہاں بلندیٔ طور اور کہاں تری معراج ؛ کہیں ہوئے ہیں زمین آسماں بھی ہموار؟
جمال کو ترے کب پہونچے حسنِ یوسفؑ کا ؛ وہ دلربائے زلیخا تو شاہدِ ستار
رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریت ؛ نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار
سما سکے تری خلوت میں کب نبی و ملک ؛ خدا غیور تو اسکا حبیب اور اغیار
نہ بن پڑا وہ جمال آپ کا سا اک شب بھی ؛ قمر نے گو کہ کروڑوں کیئے چڑھاؤ اتار
خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے ؛ تو جس قدر ہے بھلا میں برا اسی مقدار

نہ پہونچیں گنتی میں ہرگز ترے کمالوں کی
مرے بھی عیب شہ دوسرا شہ ابرار

ہماری مطبوعات

تحفۃ الاسلام مؤلفہ عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اسلام صاحب انصاری مدظلہ

حیاتِ اختر 〃 〃 〃 〃 〃

منح الصّالحات 〃 〃 〃 〃 〃

درسِ بخاری تقریر 〃 〃 〃 〃

درسِ مسلم 〃 〃 〃 〃 〃

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ عربیہ نور الاسلام

شاہ پیر گیٹ، میرٹھ شہر، یو، پی

پیشِ نظر کتاب "ماہتابِ اسلام کی کرن شخصیات" میں مصنفِ کتاب

حضرت الامام مولانا حکیم محمد اسلام صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ نور الاسلام

میرٹھ خلیفہ و مجاز شیخ العرب والعجم، عارف باللہ حکیم الاسلام حضرت اقدس

مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز نے ہر دورِ ملت کے مقام

عظمت اور مجددیت کی وضاحت و تشریح کے ساتھ ان اکابرینِ ملت میں ان

چند تاریخ ساز محسن شخصیات کو منتخب فرمایا ہے کہ جن سے برصغیر کی ملت اسلامیہ

ذہنی وابستگی اور قلبی عقیدت مندی کے ساتھ زیادہ مانوس ہے۔ اور حضرت

مصنف نے زیادہ سے زیادہ عوامی افادہ کو پیش نظر رکھ کر ان کے ایمان افروز

تذکروں کو نہایت سادہ و آسان اور انتہائی دلکش طرز تحریر میں یکجا فرما دیا

ہے جس کو دیکھ کر یہ عرض کرنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ حضرت مصنف کی سلامتی

فطرت اور اس تصنیف کے ذریعہ عامۃ المسلمین کی مربیانہ خدمت نے انکو

بھی اسی زمرہ محسنین میں شامل فرما دیا ہے کہ جن کے ذکر خیر کو کتابی صورت میں

مرتب فرما کر حضرتِ موصوف نے یہ محفلِ علم و عرفاں سجائی ہے۔

بارگاہِ رب العزت میں قبولیت کے یقین کے ساتھ اپنے یہ دعائیہ

دو شعر حضرتِ مصنف مدظلہ کی نذر کرتا ہوں ؎

زندہ ہے اخلاص سے تیری صدا اے حق شناس
اس پہ کل شاہد بنیں گے یہ زمین و یہ زمن

ہو رفیقِ زندگی، توفیقِ حق گوئی سدا
تجھ پہ قرباں تاکہ ہوں دنیا کے تن من اور دھن

جانشین حکیم الاسلام خطیب العصر

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم

ماخوذ از (مقدمۃ الکتاب)

Zainul Abedin, M.K. Printers, Delhi-6 Ph : 3246136, 981009390